وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾



آئینہ توحید و سُنّت

بجواب

شرک کیا ہے مع بدعت کی حقیقت

تالیف

ابوحذیفہ محمد جاوید سلفی

نظرثانی

سلطان المناظرین

علامہ حافظ عمر صدیق

مدرسہ تجوید القرآن والحدیث

چوک برف خانہ گوالمنڈی لاہور

﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾

آئینہ توحید و سُنّت

بجواب

شرک کیا ہے مع بدعت کی حقیقت

تالیف

ابو حذیفہ محمد جاوید سلفی

خطیب مرکزی جامع مسجد عبدالکریم میاں پارک سبزمنڈی لاہور

مدرس مدرسہ تجوید القرآن والحدیث چوک برف خانہ گوالمنڈی لاہور

نظرثانی

سلطان المناظرین

علامہ حافظ عمر صدیق

مدرسہ تجوید القرآن والحدیث

چوک برف خانہ گوالمنڈی لاہور

نام کتاب : آئینہ بجواب توحید وسنت شرک کیا ہے مع بدعت کی حقیقت

تالیف : ابو حذیفہ محمد جاوید سلفی

نظر ثانی : علامہ حافظ عمر صدیق

ناشر : مدرسہ تجوید القرآن والحدیث
چوک برف خانہ گوالمنڈی لاہور

ملنے کا پتا

مدرسہ تجوید القرآن والحدیث مسجد ابو ہریرہ چوک برف خانہ گوالمنڈی لاہور

جامع مسجد عبدالکریم میاں پارک سبز منڈی لاہور 0334-9788948

فہرست

عرض مؤلف

قارئین محترم! زمانہ قدیم سے یہ بات چلی آ رہی ہے کہ جہاں پھول ہوتے ہیں وہاں کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح جہاں شرک کا علم بلند کرنے والے ہوتے ہیں وہاں توحید کے پرچم کو بلند کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ حق و باطل کا یہ قصہ قیامت تک جاری رہے گا۔ کوئی پرچم توحید بلند کر کے جنت کے وارث بن جائیں گے، کوئی شرک کی راہ اختیار کر کے ابدی جہنمی بن جائیں گے۔ کوئی بدعت و ضلالت کی گندگی میں غرق ہو کر ہلاکت کی گہرائیوں میں گر جائیں گے اور کوئی سنتِ مصطفیٰ کے زیور سے آراستہ ہو کر جنت الفردوس کے وارث بن جائیں گے۔ میں نے آئینہ توحید و سنت نامی کتاب کو تحریر کرنے میں ہر ممکن کوشش کی ہے کہ حقائق انتہائی دیانت داری کے ساتھ قلم بند کیے جائیں اور اس پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے، لیکن اس کے باوجود بتقاضائے بشریت اگر آپ میری اس کتاب میں کوئی لفظی یا معنوی غلطی پائیں یا کوئی حوالہ غلط پائیں تو ازراہِ کرم آگاہ فرمائیں، عام طور پر یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ حوالے مطلوبہ صفحات پر نہیں ملتے، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کتابیں مختلف کتب خانوں سے چھوٹے بڑے سائزوں میں چھپتی رہتی ہیں، جس سے صفحات آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ کتاب کے آگے پیچھے صفحات کا مطالعہ کریں گے تو مطلوبہ حوالہ ضرور مل جائے گا اور احادیث مبارکہ میں تو کتاب، باب، حدیث نمبر لکھ دیئے ہیں تاکہ حوالہ تلاش کرنے میں آسانی ہو، چونکہ یہ میری ابتدائی اور پہلی کاوش ہے اس لیے اس میں جو خوبیاں آپ کو نظر آئیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور جو خامیاں نظر آئیں وہ میری کوتاہ علمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے ہیں۔

آخر میں

اس موقع پر میں اپنے محترم بھائی اور مخلص دوست محمد زاہد حفظہ اللہ کا بھی انتہائی شکرگزار ہوں کہ آپ نے اس کتاب کے مسودے کو سب سے پہلے انتہائی محنت و لگن سے مطالعہ فرمایا

اور کتاب کے متعلق مفید علمی مشورے دیے، دوبارہ پھر بنظر عمیق مطالعہ فرمایا۔ ہمارے مخلص دوست اور مسلک حق کے عظیم ترجمان میاں عتیق الزمان صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں مفید معلومات سے نوازا اور ان دوستوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جو مجھے مسلسل یہ کام کرنے کی ترغیب دلاتے رہے اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے میرے بچپن کے دوست حافظ مدثر، شیخ صاحب حاجی سکندر حیات صاحب، محمد احمد بھائی، حاجی شہزاد صاحب، محمد یوسف صاحب، حماد میر صاحب، حافظ عباس اکبر سعید صاحب، عبدالوحید صاحب، حافظ اقبال سعید صاحب، حاجی انور سعید صاحب، حافظ عبدالمنان صاحب، حافظ عبدالمنان شاکر صاحب، ثناء اللہ انصاری صاحب، محمد عمر صاحب، قاری سفیان امین صاحب، حافظ عمر اکرم صاحب، حافظ یاسر صاحب ملک الیاس صاحب، حافظ قاری عبدالروف قصوری صاحب، پروفیسر ہمایوں محمود صاحب، استاد محترم جناب محمد جاوید ناسک صاحب، محترم بھائی محمد عارف صاحب، محمد نوید صاحب، حافظ عاطف صاحب اور اس کتاب کے ناشر جناب مولانا محمد سرور عاصم صاحب مدیر مکتبہ اسلامیہ اور ان کے رفقا کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کاوش کو طباعت کے مراحل سے گزار کر خوبصورت کتاب کی شکل دی۔

اللہ تعالیٰ اس حقیری سی کاوش کو میرے اور میرے والدین کے لیے، ناشر اور معاونین کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے اور مجھے اور سب مسلمانوں کو ریا کاری سے محفوظ فرمائے اور مخلص ہو کر دین حق کتاب وسنت کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ اس بات پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے اس کتاب کے سلسلے میں بطور تعاون کسی بھائی سے ایک روپیہ بھی نہیں لیا

اخوکم فی اللہ

ابوحذیفہ محمد جاوید سلفی

خطیب مرکزی جامع مسجد عبدالکریم اہل حدیث سبز منڈی لاہور

مدرس مدرسہ تجوید القرآن والحدیث چوک برف خانہ گوالمنڈی لاہور

10-05-2012

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین الصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین امابعد

حضرات گرامی قدر واضح ہو کر جھوٹ بولنا یا کسی پر غلط افترا ان ادیان و مذاہب کے نزدیک ہی جرم و گناہ نہیں جو اللہ کی ہستی کا تصور و ثبوت پیش کرتے ہیں بلکہ ان انسانیت سوز کردار اللہ کی ہستی کا انکار کرنے والے فرعون مزاج دہریہ بلکہ عہد حاضرہ کے دہریہ کیمونسٹ بھی بدترین جرم مانتے و جانتے ہیں۔ انسانیت کے خوش نما چہرہ پر بدنما داغ جانتے ہیں۔ اسلام چونکہ بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح اور نجات اخروی کا ذمہ دار اور صحیح علمبردار ہے اس لیے قرآن حکیم نے اس کو بدترین عادت اور جرم عظیم کو موجب لعنت و پھٹکار قرار دیا ہے نبی کریم ﷺ جھوٹ بولنے کو نفاق کی علامت خاص قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مومن سے دوسرے گناہ و جرائم کا ارتکاب تو ممکن ہے مگر جھوٹ افترا محال و ناممکن ہے۔ مگر ہمارے معاشرے میں دیکھا یہ جا رہا ہے کہ قرآن و حدیث کی سخت ترین وعید کے باوجود عہد حاضرہ کے مسلمانوں میں کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو علم کے مدعی اور مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کے دعویدار حنفی بریلوی مذہب کے صحیح مبلغ و ترجمان ہونے کا دم بھرتے ہیں اور یہ بھی دعویٰ ہے کہ ہم عاشق رسول ہیں مگر انکا کا ذریعہ معاش ہی جھوٹ و افترا ہے اور اپنے بنائے ہوئے خود ساختہ دین و مذہب و نظریات و عقائد کو پھیلانا زندگی کا نصب العین یا عمدہ ترین مشغلہ سمجھے ہوئے ہیں اور یہی انکی قلبی مسرت اور روحانی اطمینان کی آخری اور سب سے بڑی متاع ہے اور پھر اس پر بس نہیں بلکہ انہیں اپنے باطل کردار یا بدعملی پر اس درجہ فخر و ناز ہے کہ انتہائی جرأت و دلیری بلکہ متکبرانہ انداز سے اعلان کر رہے ہیں کہ جو شخص ہماری اس فنکاری و بہتان تراشی کو غلط ثابت کر دکھائے تو اسے انعام دیا جائے گا۔ اس سلسلے کی ایک کڑی ''حفیظ

الرحمٰن قادری رضوی'' کی کتاب مذکور سامنے آئی۔

تقریباً ایک ماہ پہلے کا ذکر ہے کہ میں شام کو ایک دوست کی اکیڈمی میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں دوسرے دوست محمد حسین بھٹی حماد دانش، عمر سلیم، فیصل سلیم، محمد علی بھٹی، محمد عثمان وغیرہ بھی موجود تھے اور آپس کی باتوں میں مشغول تھے اتنے میں ایک دوست راحیل تشریف لائے ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی وہ کہنے لگے میں تو یہ کتاب پڑھ کر حیران ہو گیا اس میں تمام بدعات کو سنت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ان باتوں کے جلدی جوابات دیں میں نے اسی وقت اللہ کی توفیق سے ان مغالطوں کے جوابات دیئے اور وہ ساتھی خوش ہو گئے لیکن دوسرے ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ اس کتاب کا غرور توڑ اور باطل شکن جواب ہونا چاہیے۔ ان دنوں میری طبیعت بھی ٹائیفائیڈ کی وجہ سے کافی خراب تھی لیکن میں نے دل میں اس بات کا عزم مصمم کر لیا کہ اللہ نے توفیق دی تو میں ضرور اس کا مفصل جواب لکھوں گا پہلی فرصت میں حفیظ الرحمٰن قادری کی کتاب ''شرک کیا ہے مع بدعت کی حقیقت'' کو مکمل طور پر مطالعہ کیا اس میں بریلویت کے وہی پرانے دلائل تھے جن کا مجھے پہلے ہی سے علم تھا۔ کیونکہ یہی دلائل میں خود جب بریلوی تھا لوگوں کو دیا کرتا تھا اس لیے ان دلائل کا جواب دینا میرے لیے کوئی دشوار نہ تھا اس کتاب کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ یا تو اکثر جھوٹی روایات بے سند تحریر کی گئیں اور جو روایات صحیح لکھی گئیں ہیں ان کا نفس مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں مُصنف نے جو قرآنی آیات لکھی ہیں وہ ان کے دعوے کی دلیل ہی نہیں دور دراز سے کھینچ کر اپنے مسلک کی دلیل بنانے کی ناکام کوشش کی گئی۔ اس کا مرکزی خیال لوگوں کے دلوں میں اہل توحید کی نفرت اور اہل بدعت کی محبت اجاگر کرنا ہے۔ ان شرکیہ عقائد ونظریات وخرافات کے پھیلانے میں کچھ خاص قسم کے طبقے ہیں جنھوں نے بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا ہے جھوٹ کو اس کثرت سے پھیلایا ہے کہ حقیقت ان اخرافات میں دب کر رہ گئی ہے عوام قلت تدبُر کی وجہ سے ان غلط فہمیوں کا مسلسل شکار ہوتے رہے ہیں اب مطالعہ کی کثرت اور طباعت کی سہولت نے ہر حال اس ظلم کو توڑا جن کی وجہ سے حقیقی واقعات اور حالات جو ہنوز پردۂ خفاء میں تھے بہت واضح اور شفاف ہو کر ہمارے سامنے آ گئے اب تحقیق کرنا مشکل نہیں رہا غور وفکر کرنے والوں سے صراط مستقیم

کچھ دور نہیں میں نے تشنگان علم کو توہمات کے پردوں سے باہر نکالا ہے اور حق و باطل کو واضح کیا ہے۔ میں نے فریق مخالف کی کتاب کے صرف دلائل کا جواب دیا ہے کچھ واقعات جھوٹی کہانیاں ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ باتیں دلیل کا درجہ ہی نہیں رکھتی۔

میری کتاب کے مخاطب محض اہل ایمان ہیں اور ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ سنت کے پابند اور جماعت حقہ سے وابستہ ہیں انہیں غور فکر کی دعوت دی جائے اور جو لوگ مسلک حق کے کم علمی کی وجہ سے مخالف ہیں ان پر حقیقت واضح ہو ہماری تحریر کا مقصد کسی پر کیچڑ اچھالنا نہیں اور نہ ہی کسی پر طعن کرنا۔

حفیظ الرحمٰن رضوی بریلوی نے اپنی کتاب ''شرک کیا ہے مع بدعت کی حقیقت'' میں انتالیس عنوانات پر بات کی ہے انہیں مقامات کا جواب دیا جائے گا۔

پہلے قران وحدیث کے دلائل سے حق کو واضح کیا جائے گا اور باب کے آخر میں فریق مخالف کے پیش کردہ شبہات کا ترتیب سے جواب دیا جائے گا۔ انشاءاللہ

حضرات دونوں طرف کے دلائل کو پیش کیا جائے گا انصاف کا ترازو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میرا مقصد اپنے مسلمانوں بھائیوں کی اصلاح قرآن کے الفاظ میں یوں ہے:

﴿ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴾ (۱۱/ ھود:۸۸)

''میں تو اصلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتا جتنی کرسکوں اور جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اس کا سارا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے۔ اس پر میں نے بھروسہ کیا اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

بقول شاعر

توہمات کے تاریک و تنگ ڈیرے میں
مغالطوں کے فسوں کار سخت گھیرے میں

خیال و خواب کے عبرت نشان اندھیرے میں
ابھی تو شمع حقیقت جلائی ہے ہم نے

اخوکم فی الدین
ابوحذیفہ محمد جاوید سلفی
خطیب مرکزی جامع مسجد عبدالکریم اہلحدیث
سبزمنڈی بادامی باغ لاہور
مدرس مدرسہ تجوید القرآن والحدیث
چوک برف خانہ گوالمنڈی لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والعاقبۃُ لِلمتّقین وصلی اللہ علی محمّد خاتم النبّین وعلی جمیع الانبیآءِ والمرسَلین

حضرات گرامی قدر میں نے شروع میں عرض کیا ہے کہ میں حفیظ الرحمٰن قادری کی کتاب میں پیش کیے گئے تمام دلائل کا جواب دونگا مگر دلائل کے علاوہ ادھر اُدھر کی باتوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ایسی بے سند باتوں کو ہم دلیل مانتے ہیں وہ اپنی کتاب کے مقدمے میں ایک حدیث تحریر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چودہ سو سال پہلے اس فتنے کی خبر دیتے ہوئے اپنی امت کو متنبہ کر دیا تھا چنانچہ:

((یکون فی اٰخِرِ الزمان دجالون کذّابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم والآباؤ کم فایاّکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنکم)) (صحیح مسلم صفحہ ۱۰)

''آخر زمانہ میں ایسے جھوٹے اور دجال لوگ ہونگے جو تمہارے پاس وہ (احادیث) باتیں لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہونگی اور نہ تمہارے آباؤ اجداد نے پس ان سے بچو ان سے دور رہو کہیں تمہیں وہ گمراہ نہ کر دیں اور تمہیں فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں۔''

الجواب۔ غور فرمائیں کہ یہ دلیل ہماری ہے یا ان کی یہ بات تو ہم کہتے ہیں کہ جو لوگ دین کامل میں اپنی طرف سے ہر روز نئی باتوں کا اضافہ کرتے ہیں ہر سال نئی بدعت جو جاری کرتے ہیں۔ جس کی دین میں کوئی اصل نہیں وہ نئی باتیں دین میں کس نے جاری کی ہیں عید میلاد النبی ﷺ کا جشن، منانا یہ بات قرآن میں ہے یا حدیث میں کیا اس عید کا ذکر نبی ﷺ نے کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا کس صحیح میں ذکر ہے یہ نئی بات کس نے پیش کی

گیارویں شریف، کی رسم قرآن میں ہے یا حدیث میں یہ کس نے نکالی چوکی کی رسم کس نے اپنی طرف سے نکالی کونڈے کی رسم کس نے جاری کی آخری چہار شنبہ کا جلوس کون نکالتا ہے۔ عرس میلہ کس حدیث سے لیا گیا یہ نئی بات کس نے نکالی ہم نے یا تم نے نیک لوگوں کی قبروں پر مزارات کس نے تعمیر کیے قبروں کو عرق گلاب سے دھونے کی رسم کس نے نکالی؟ قران وصحیح حدیث سے ان باتوں کا ثبوت پیش کریں یا اسی حدیث کی روشنی میں دین میں نئی باتیں نکالنے سے توبہ کریں جس حدیث کا ہمیں طعنہ آپ نے دیا ہے۔

کیا رسول اللہ ﷺ نے یا آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسے کام کیے تھے یا انہوں نے ایسی باتیں سنی تھی۔

ہم تو لوگوں کو یہی کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے فریب میں نہ آنا اور حدیث کو اچھی طرح سے جانچ لینا۔ اب اس زمانے میں بہت سارے جاہل ادھر اُدھر کی باتیں بے سند نقل کرتے ہیں ان کی بے سند باتوں کا اعتبار نہیں کرنا چاہیے جب تک وہ باتیں صحیح ثابت نہ ہو جائیں اب ان سے ہمارا سوال ہے کہ ہم کونسی حدیث نئی پیش کرتے ہیں جو حدیث کی صحیح کتابوں میں نہیں ہے کونسی نئی رسومات جو ہم نے دین میں جاری کی ہیں؟

لہٰذا! قرآن وحدیث صحیح کو پیش کرنا نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے جس پر ہم چل رہے ہیں۔

تقلید کرنا حاضر ناظر جاننا کیا عقیدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا تھا یا کہ بعد کی ایجاد ہے؟

آگے رضوی صاحب نے خارجیوں کی بری عادات کا ذکر کیا اس بات سے ہمارا کوئی تعلق نہیں خارجیوں کے گندے عقیدے پر ہم لعنت بھیجتے ہیں اور نہ ہم نے خارجیوں والا عقیدہ اپنایا یہ اہل حق کے اوپر رضوی بریلوی کا سراسر بہتان ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قول میں خارجیوں کی مذمت فرمائی ہے نہ کہ اہل حق صحیح العقیدہ مسلمانوں کی، رضوی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ کسی کے بارے میں اکثر مشکل کشائی کا عقیدہ رکھا جائے تو فرق یہ ہوگا کہ بندے کا مشکل کشا ہونا عطائی ہے۔ تو وہ بندہ اللہ کی دی ہوئی طاقت سے مشکل کشائی کرتا ہے۔ فرق ظاہر ہوگیا۔

الجواب۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ لوگوں نے عطائی مشکل کشا، عطائی حاجت روا، بگڑی بنانے والے جن کو قرار دیا ہے قرآن وحدیث سے ان کے مشکل کشا ہونے کی کوئی دلیل پیش کریں کہ فلاں فلاں بزرگ کو اللہ نے تمہارا مشکل کشا بنایا ہے۔

محض عقلی گھوڑے دوڑانے سے کوئی شرعی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔

مشرکین مکہ عرب والے ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھتے تھے ہر چیز پر مکمل غلبہ اقتدار اللہ تعالیٰ ہی کا تسلیم کرتے تھے ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہی کو سمجھتے تھے۔

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

((كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَقُولُونَ :لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، قَالَ:فَيَقُولُ رَسُولُ اللّٰهِ (وَيْلَكُمْ!قَدْ،قَدْ) فَيَقُولُونَ :إِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ، يَقُولُونَ هٰذَا وَهُمْ يَطُوفُونَ بِالْبَيْتِ)) (مسلم شریف ١١٨٥)

”مشرکین بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے یوں کہا کرتے تھے لبیك لاشريك لك (جب وہ اتنا کہتے تو) رسول اللہ ﷺ فرماتے تمہاری بربادی ہو (بس بس اس پر کفایت کر جاؤ)۔“

لیکن وہ مزید کہتے۔ اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسا شریک جو تیرے لیے ہے تو اس شریک کا بھی مالک ہے اور جو کچھ اس شریک کے اختیار میں ہے اسکا بھی تو ہی مالک ہے۔ پیر کرم شاہ صاحب بریلوی مکتب فکر کے مشہور مفسر ہیں وہ اپنی معروف تفسیر ضیاء القرآن میں بتوں کے متعلق مشرکین کا جو عقیدہ ہے وہ متعدد مقامات پر بیان کیا حج کے موقعہ پر وہ کہا کرتے تھے ہم حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ تیرا شریک ہے جس کو تو نے اپنا شریک بنایا ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو مالک ہے۔ (ضیاء القرآن ج ۲ ص ۴۶۲)

مشرکین عرب اپنے معبودوں کو حقیقی خالق و مالک نہیں مانتے تھے بلکہ وہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں یہ ہمیں اللہ کے قریب کرنے کا ذریعہ ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ﴾ (۱۰/ یونس:۱۸)

''کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری شفارش کرنے والے ہیں۔''

﴿ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ﴾ (۳۹/ الذمر:۳)

''اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور دوست بنائے ہیں وہ کہتے ہیں ہم ان کو اس کے لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں۔''

مشکل کشا کا مسئلہ قرآن سے دیکھیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ (٦/ الانعام:۱۷)

''اور اگر اللہ تمہیں مصیبت سے دوچار کر دے تو اس کے سوا اس مصیبت کو ٹالنے والا اور کوئی نہیں اگر وہ کسی کو بھلائی پہنچائے تو وہ ہر بات پر قادر ہے۔''

قرآن مجید کے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ﴾ (۱۰/ یونس:۱۰۷)

''اور اگر اللہ کسی کو تنگی میں ڈال دے تو اس تنگی کو اس کے سوا اور کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ کسی کے ساتھ بھلائی کا فیصلہ کرے تو اسکے فضل کو کوئی ردّ بھی نہیں کر سکتا۔''

﴿ إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴾ (۳/ آل عمران:۱٦۰)

''اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر اس نے تمہیں رسوا کر دیا تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے اور مومنوں کو چاہیے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔''

ان آیات کے پڑھ لینے کے بعد قرآنی احکام کی روشنی میں اس کا تعین کرنا چنداں مشکل

نہیں مگر مزید تحقیق کے لیے اس موضوع پر قرآن مجید سے چند آیات اور نقل کرتے ہیں تا کہ متلاشیان حق پر مسئلہ واضح ہو جائے کہ نہ کوئی کسی کو مشکل میں ڈال سکتا ہے نہ نکال سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴾ (۳۹/ زمر:۳۸)

''آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ تمہارا کیا خیال ہے جن کو تم پکارتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کیا وہ اللہ کی طرف سے آئے ہوئے نقصان کو دور کر دینگے؟ یا وہ مجھے اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک لیں گے؟ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے بھروسہ کرنے والے صرف اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

ہر اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے چیلنج کیا ہے کہ اگر کسی بھی غیر اللہ کے پاس نفع نقصان کا اختیار ہے تو جس کو اللہ نقصان پہنچانا چاہے تو وہ اس نقصان سے بچا کر دکھائیں یا جس کو اللہ اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو وہ اس رحمت کو روک کر دکھائیں۔ یعنی وہ ایسا نہیں کر سکتے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی کو نفع و نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتے اس طرح قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔

﴿ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (۳۵/ فاطر:۲)

''اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جسے وہ روک دے اسکے بعد اسے کوئی جاری رکھنے والا نہیں اور وہ سب پر غالب بڑی حکمت والا ہے۔''

حفیظ الرحمٰن قادری رضوی بریلوی کا یہ کہنا کہ بندوں کو عطائی طور پر کسی کی مشکل کشائی کا اختیار دیا جاتا ہے جس سے وہ کسی کی مشکل کشائی کرتا ہے۔

غور فرمائیں نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کا مقام ساری مخلوق میں سب سے اعلیٰ ہے۔آپ کی ذات سب سے اعلیٰ آپ کی شان سب سے اعلیٰ جن پر اللہ اپنی رحمتوں کا نزول فرماتا ہے جن کی عمر کی قسم اللہ نے اپنی کتاب میں اٹھائی ہے۔جن کی زندگی کو اللہ نے بہترین نمونہ قرار دیا ہے جن کو معراج جسمانی سے نوازا گیا۔

جن کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے جن کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔جن کے آگے بڑھنے کی کسی کو اجازت نہیں اہل حدیث کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ جیسا نہ کوئی اس کائنات میں آیا نہ قیامت تک آئے گا نہ آپ جیسا مقام کسی کو ملا نہ قیامت تک ملے گا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذکر کو خود بلند کیا۔اسکے باوجود اپنے محبوب کو اختیارات میں شریک نہیں کیا۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے۔

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (۷/ اعراف:۱۸۸)

''آپ فرماؤ کہ میں تو اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں سوائے اس کے مگر جو اللہ چاہے۔''

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر اللہ نے اپنے محبوب ﷺ سے پھر اعلان کروایا:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (۱۰/ یونس:۴۹)

''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نقصان ونفع کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔''

جب یہ آیت پڑھ کر کسی بھائی کو کہا جائے کہ بھائی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔اس پر غور کریں کہ اللہ کے علاوہ کوئی مشکل کشا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ بھی کسی کو نفع ونقصان دینے کا اختیار نہیں رکھتے مگر جو اللہ چاہے کسی کو نفع دے یا نقصان پہنچائے تو آگے سے جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو آپ ﷺ نے عاجزی کے طور پر اپنے بارے میں فرمایا: ہمیں تو نفع نقصان دینے کا اختیار رکھتے ہیں میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ عالم الغیب ہے۔اس کو پتہ تھا بعد میں آنے والے لوگ اپنے خودساختہ مذہب کی خاطر ایسی تاویلیں کرینگے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بھی سمجھا دیا فرمایا:

﴿ قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا۝ ﴾ (۷۲/ جن:۲۱)

''آپ کہہ دیجیے کہ بلا شبہ میں نہ تمہارے نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا۔''

عاجزی کا جملہ اپنی طرف سے ہوتا ہے جبکہ یہ رسول ﷺ کا کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔

ضد اور ہٹ دھرمی کا تو کوئی علاج نہیں ورنہ اگر انسان کا حق قبول کرنے کا ارادہ ہو تو اس آیت مبارکہ میں نہایت صراحت سے فرمادیا گیا ہے کہ آپ ﷺ اپنی اُمت کے لیے بھی کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں۔

کسی کو ہدایت دینا نبی ﷺ کے اختیار میں نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کے لیے بہت کوشش کی کہ وہ کلمہ توحید پڑھ لے تو ابو طالب نے انکار کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ۝ ﴾ (۲۸/ قصص:۵۶)

''تحقیق آپ ﷺ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ جن کو اللہ چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ (۹/ توبہ:۵۱)

''آپ کہہ دیجیے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے حق لکھ دی ہے وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو تو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَإِنِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ

لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ)) (ترمذی:۲۵۱٦)

''اور اس بات پر یقین کرلو کہ اگر پوری امت جمع ہو کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے حق میں لکھ دیا ہے اور اگر پوری امت جمع ہو کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے تمہارے حق میں لکھ دیا۔''

اس حدیث مبارکہ پر اگر ایمانداری سے غور کیا جائے تو حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ پوری امت مل کر بھی کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی اگر کسی کو نفع پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی کیا امت میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل نہیں کیا۔

تابعین رحمہم اللہ اسکے بعد میں آنے والے بلکہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے پہلے شخص سے لے کر قیامت تک جتنے لوگ بھی ایمان لائیں گے وہ سب کے سب امت محمدیہ میں شامل ہیں۔ کیا ان میں اولیاء اللہ شامل نہیں جو ہمارے ''نفع ونقصان کا اختیار رکھتے ہیں''۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا اسوہ ہمارے سامنے ہے کہ جب انہیں کوئی مشکل یا ضرورت پیش آئی تو انہوں نے اپنی مشکلات میں کس کو پکارا ان کی مشکل کشائی کس نے کی سوچنے کی بات ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام جو کہ اللہ تعالیٰ کے انتہائی مقرب اور پیارے بندے ہوتے ہیں ان پر مصائب کیوں آئے اور پھر ان کے مصائب کا تذکرہ قرآن کریم میں کرنے کی حکمت کیا ہے۔ مصائب وارد کرنے کی ایک ہی وجہ ہے کہ ان کی عبدیت ظاہر ہو جائے۔ کوئی ان کو الوہیت کے درجے پر فائز نہ کر دے جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی عاجزی اور درماندگی ظاہر ہوگی تو خود بخود صفات الوہیت کی نفی ہو جائے گی۔ یہاں پر ایک جملہ اور کہنا چاہتا ہوں کہ جو خود مشکل کشا ہوتا ہے اس پر مشکل نہیں آتی اور جس پر مشکل آئے وہ مشکل کشا نہیں ہوتا جو حاجت مند ہو وہ حاجت رواہ نہیں ہوتا اور جو حاجت روا ہوتا ہے وہ حاجت مند نہیں ہوتا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا:

آپکو معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب شجرہ ممنوعہ کھالیا اور پھر اس کی پاداش میں دونوں میاں بیوی جنت سے نکالے گئے عرصۂ دراز کے بعد میاں بیوی کی جب ملاقات ہوئی

پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ سے ہی راضی کرنے کا طریقہ پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دعا کے کلمات سکھائے وہ یہ تھے۔

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝﴾ (۷/ اعراف: ۲۳)

''اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

کچھ لوگ کہتے کہیں کہ آدم علیہ السلام نے نبی ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگی تھی لیکن یہ موضوع اور جھوٹی روایات ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دعا کے الفاظ کو قرآن میں ذکر کر دیا اب ہم قرآن کی بات پر یقین رکھیں یا جھوٹے قصے کہانیوں پر قرآن سے زیادہ سچی کوئی کتاب نہیں جس پر اس سے زیادہ ایمان رکھا جائے قرآنی دعا میں وسیلے کے کوئی الفاظ موجود نہیں یہی درست ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے دعا مانگی:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾ (۱۱/ ھود: ۴۱)

''اللہ کے نام سے ہے اس کشتی کا چلنا بھی اور ٹھہرنا بھی بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔''

حضرت یونس علیہ السلام نے مشکل وقت میں اپنے رب سے یہ دعا مانگی:

﴿لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝ښ﴾ (۲۱/ انبیاء: ۸۷)

''کوئی الٰہ نہیں سوائے تیرے پاک ہے تیری ذات اور میں زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں۔''

حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری کی مشکلات میں اپنے رب سے یہ دعا مانگی:

﴿وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝ښ﴾

(۲۱/ انبیاء: ۸۹)

''اور ایوب علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچ گئی اور تو ہی بہت بڑا

رحم کرنے والا ہے۔"

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے مظالم سے تنگ آ کر یہ دعا مانگی:

﴿ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (٢٦/ شعراء:١٦٩)

"اے میرے رب مجھے اور میرے اہل کو ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں نجات دے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اولاد نہ ہونے کی پریشانی میں بیٹا مانگتے ہوئے یہ دعا کی:

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ (٢٦/ صافات:١٦٩)

"اے میرے رب مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔"

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹا گم ہو جانے کی پریشانی میں اپنے رب سے یہ دعا مانگی:

﴿ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ (١٢/ یوسف:٨٦)

"فرمایا میں تو اللہ کے سامنے اپنا غم اور اضطراب بیان کرتا ہوں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا تو یہ دعا مانگی:

﴿ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ ﴾

(٢٠/ طٰه:٢٥)

"اے میرے رب میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے اور مری زبان کی گرہ کو کھول دے۔"

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب سے یہ دعا مانگی:

﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ (٣/ آل عمران:٢٦)

"اے مالک سلطنت تو جس کو چاہے حکومت دے دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے جسے چاہے عزت دے دے اور جسے چاہے ذلت دے دے تیرے ہاتھ میں سب بھلائی ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انبیاء میں کئی انبیاء کرام کا تذکرہ کیا اور فرمایا:

﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ۝ ﴾ (۲۱/ انبیاء: ۹۰)

''بے شک وہ سارے نیکیوں میں سبقت کرنے والے تھے اور ہمیں پکارنے والے تھے امید اور خوف کے ساتھ اور وہ ہم سے ڈرنے والے تھے۔''

خلاصہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعاؤں کو مرتب کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تمام انبیاء مصیبت اور پریشانی مشکلات میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے اگر وہ خود مشکل کشا اور حاجت روا ہوتے تو اپنی مشکلات کو خود ہی حل کر لیتے انہیں کسی کو پکارنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اگر وہ اولاد دینے پر قادر ہوتے تو انہیں اللہ سے اولاد مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بھی اللہ سے مانگنے والے تھے اگر دینے والے ہوتے تو اپنی ضروریات میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں نہ مانگتے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ساری کائنات کا حاجت روا و مشکل کشا ایک اللہ ہے باقی سب اس کے در کے فقیر ہیں۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۝ ﴾

(۳۵/ فاطر: ۱۵)

''اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج اور اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا۔''

(ترجمہ احمد رضا خان بریلوی صاحب)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے کسی ایک گروہ، کو مخاطب نہیں کیا بلکہ پوری انسانیت کو مخاطب کیا ہے۔ اس میں انبیاء، اولیاء، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین اسکے بعد آنے والے بلکہ قیامت تک آنے والے سب لوگ شامل ہیں۔

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ

رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝﴾

(۳۳/ احزاب:۱۷)

''تم فرماؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی برائی پہنچانا چاہے یا تم پر کوئی فضل کرنا چاہے تو کون ہے جو تمہیں بچا سکے سوائے اللہ کے وہ نہ اپنے لیے کوحمایتی پائیں نہ مددگار۔''

غور فرمائیں حفیظ الرحمٰن رضوی بریلوی نے کہا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام عطائی طور پر مشکل کشائی کرتے ہیں تو سوال پیدا یہ ہوتا ہے کہ اگر عطائی طور پر انبیاء کرام علیہم السلام مشکل حل کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، تو پھر مشکل اور پریشانی میں عطائی مشکل کشا ہونے کی طاقت سے اپنی مشکلیں حل کیوں نہ کیں ہر مشکل میں رب العلمین کو کیوں پکارا تھا اگر انبیاء اور اولیاء کے عطائی مشکل کشا ہونے کی کوئی دلیل ہے تو پیش کریں۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علی رضی اللہ عنہ کو کوئی مشکل کشا کہے تو۔

میں یہ پوچھتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے جتنے ولی مومن غیر مومن آئے ان کی مشکل کشائی کون کرتا تھا تو جواب یہ ہوگا کہ اللہ اگر ان سے پہلے اللہ ہی مشکل کشا تھا کیا ان کے آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ڈیوٹی ان کو سونپ دی اگر اللہ تعالیٰ نے یہ ڈیوٹی ان کو دی یا کسی اور ولی کو دی تو اسکی قرآن وسنت سے دلیل پیش کریں مگر ایسی دلیل پیش نہیں کر سکو گے۔

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ (۲/ البقرہ:۲۴)

''پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا اور نہ کبھی کرو گے تو اس آگ سے بچ جاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

محترم بھائیو ہمیں بھی انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مصائب تکالیف ومشکلات میں خالص اللہ کو ہی پکارنا چاہیے، اُسی کو حاجت روا ومشکل سمجھنا چاہیے اُسی پر توکل کرنا چاہیے۔

فضائل درود کے بارے میں حفیظ الرحمٰن قادری بریلوی رضوی صاحب نے اپنی کتاب

شرک کیا ہے مع بدعت کی حقیقت کے صفحہ ۲۲ پر ایک من گھڑت کہانی تحریر کی ہے کہ حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سفر مدینہ کے دوران ایک جنگل میں سے گزر رہا تھا اچانک میری سواری کا قدم ایک سوراخ میں پڑ گیا جس سے میری سواری کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ میں بے حد پریشان ہوا ایک تو جنگل بیابان دوسرا رات سر پر نہ آگے جانے کے قابل نہ واپس پلٹنے کے قابل اور جنگل بیابان میں کوئی مدد کے لیے بھی نہیں آئے گا مایوسی کے عالم میں میری آنکھ سے اشک جاری ہو گئے اور زبان پر درود وسلام جاری ہو گیا ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اچانک گرد وغبار کا بادل اٹھتا دکھائی دیا جب گرد کا بادل چھٹا تو تین سوار دکھائی دیئے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند سے بھی زیادہ چمکدار تھے۔ میرے قریب آئے اور سلام کیا میں نے جواب دیا ان تینوں میں سے جس کا چہرہ سب سے زیادہ روشن تھا سواری سے نیچے تشریف لائے اور میری سواری کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر اپنا دست اقدس پھیرا جس کی برکت سے سواری کی ٹانگ بالکل درست ہو گئی میں نے عرض کی آپ کون ہیں جو جنگل بیابان میں میری مدد کے لیے تشریف لائے تو انہوں نے جواب ارشاد فرمایا کہ تو جس نبی پر درود پڑھ رہا تھا۔ وہی نبی ﷺ تیری مدد کے لیے آیا ہوں۔ یاد رکھو جو مجھ پر درود پاک پڑھے جہاں بھی ہو گا میں اس کی مدد کے لیے پہنچتا ہوں تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کے ساتھ دو نوجوان کون ہیں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان میں ایک کا نام حسن رضی اللہ عنہ اور دوسرے کا نام حسین رضی اللہ عنہ ہے۔ (شرک کیا ہے صفحہ ۲۲)۔

الجواب۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ قصہ نقل کرنے کے بعد مصنف کتاب نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا خود ہی اپنی طرف سے ایک کہانی بنا کر لکھ دی ہمارے نزدیک ان جیسے جھوٹے قصے کہانیوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ دوسری بات کے اگر درود پڑھنے والے پر جب کبھی مشکل آئے تو رسول اللہ ﷺ اُس کی مدد کے لیے فوراً پہنچ جاتے ہیں تو غور فرمائیں جب کربلا میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کا قافلہ اتنا پریشان تھا تو رسول اللہ ﷺ اپنے پیارے نواسے اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی مدد کے لیے سواری لے کر کیوں نہ تشریف لائے کیا ان میں کوئی بھی رسول ﷺ پر درود پڑھنے والا نہ تھا کیا وہ رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت کرنے والے نہ تھے۔

جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ وہ ہے جس سے آسمان کے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں وہ عثمان رضی اللہ عنہ جن کو بھوکا پیاسا رکھ کر چالیس دن کے بعد شہید کیا گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ ان کی مدد کے لیے کیوں تشریف نہ لائے کیا وہ درود و سلام پڑھنے والے نہ تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب شہید کیے گئے تو آپ ﷺ اپنے پیارے داماد کی مدد کے لیے تشریف کیوں نہ لائے کیا وہ آپ ﷺ پر درود پڑھنے والے نہ تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمیں درود پاک کی فضیلت کے لیے جھوٹے قصے گھڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ درود کی فضیلت صحیح احادیث میں موجود ہے کاش کے قادری صاحب ایک روایت فضیلت پر لکھ دیتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول اللّٰه ﷺ قال من صلّى علی واحدة صلى اللّٰه عليه عشراً)) (مسلم ج ۱ صفحه ۱۷۵ نسائی ج ۱ صفحه ۱۵۲)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔''

دوسری حدیث مبارکہ:

((عن انس بن مالك قال قال رسول اللّٰه ﷺ من صلى علی واحدة صلى اللّٰه عليه عشره صلوات حطت عنه وعشره خطئيات رفعت له عشر درجات)) (مسند احمد ج ۳ صفحه ۱۰۲)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اس کی دس خطائیں معاف کی جائیں گی اور دس درجے بلند کیے جائیں گے۔''

((عن عبداللّٰه بن مسعود رضی الله عنه ان رسول اللّٰه ﷺ قال اولى الناس بى يوم القيامة اكثرهم على صلوٰة))

(ترمذی، ج۱، ص: ۱۱۰؛ مشکوٰة، ج۱، ص: ۸۶)

''حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

کہ قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب وہ لوگ ہونگے جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھنے والے ہونگے۔''

درود کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو نبی پاک ﷺ پر درود کا منکر ہو وہ مسلمان نہیں بلکہ وہ کائنات کا بخیل ترین انسان ہے نیز وہ پکا شیطان ہے۔

بعض لوگ اہل حق کے خلاف کم فہمی کی وجہ سے مشہور کرتے رہتے ہیں کہ اہل حدیث حضرات نبی پاک ﷺ پر درود نہیں پڑھتے اصل بات یہ ہے کہ دین اسلام میں بدعات کا اضافہ اب روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔لیکن اذکار وظائف میں خصوصاً اتنی زیادہ خودساختہ اور غیر مسنون چیزیں شامل کردی گئی ہیں کہ مسنون اذکار طاق نسیان بن کر رہ گئے ہیں دیگر خود ساختہ اذکار وظائف کی طرح درود وسلام میں بھی بہت سے خود ساختہ اور غیر مسنون درود وسلام رائج ہو چکے ہیں۔ مثلاً درود وتاج،درود لکھی، درود مقدس، درود اکبر، درود غوثیہ، درود ماہی، درود تنجینا وغیرہ ہم کہتے ہیں درودھ پڑھو ضرور پڑھو مگر مسنون پڑھو درود پڑھنے سے کوئی نہیں روکتا۔ مذکورہ درود میں کوئی بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں جو درود صحیح احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں اور جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پڑھے ہیں ہمیں بھی وہی پڑھنے چاہئیں۔

شرک کی مذمت:

حضرات گرامی! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جتنا زور شرک کے رد اور توحید کے اثبات پر دیا ہے اتنا زور کسی اور مسئلہ پر نہیں دیا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا مرکزی اور بنیادی مسئلہ یہی تھا اور قرآن مجید نے تو مختلف عنوانات اور تعبیرات سے شرک کی شدید مذمت بیان فرمائی ہے۔

شرک ظلم عظیم ہے:

قرآن مجید میں حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یوں نصیحت فرمائی:

﴿ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (۳۱/ لقمان:۱۳)

''اے میرے بیٹے اللہ کا شریک نہ بنانا بے شک شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔''

اس وقت اس کائنات میں ہزاروں لاکھوں مظالم اور ناانصافیاں ہورہی ہیں حق داروں

کے حقوق غصب کیے جارہے ہیں لیکن ان تمام ناانصافیوں اور ظلم سے بڑا ظلم اللہ کے ساتھ اسکی ذات اور صفات میں شریک ٹھہرانا ہے۔

شرک بڑی گمراہی ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴾ (٤/ النساء:١١٦)

''اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔''

مشرک نجس اور پلید ہیں:

ارشاد ربانی ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾

(٤/ توبہ:٢٨)

''مشرک تو پلید ہے تو اس سال کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں۔''

مشرک سے نکاح کی ممانعت:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ ﴾

(٢/ البقرہ:٢٢١)

''اور مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرنا کیونکہ مشرک عورت خواہ تم کو کیسی بھلی ہی لگے اس سے مؤمنہ لونڈی بہتر ہے اور مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو ان کی زوجیت میں نہ دینا کیونکہ مشرک مرد چاہے تم کو کیسا ہی بھلا لگے مومن غلام بہتر ہے مشرک لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت کی طرف بلاتا ہے۔''

شرک میں والدین کی نافرمانی ہے:

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾

(۲۹/ عنکبوت:۲۰)

''اگر تیرے ماں باپ کوشش کریں کے تو میرے ساتھ شرک کرے جس کی حقیقت سے تجھے واقفیت نہیں ہے تو ان کی اطاعت نہ کرنا۔''

شرک کی معافی نہیں:

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴾ (٤/ النساء:١١٦)

''بیشک اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کو معاف نہیں کرے گا اسکے علاوہ جن کو چاہے معاف کرے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ بہت دور کی گمرائی میں جا پڑا۔''

مشرک بہتان باز ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴾ (٤/ النساء:٤٨)

''جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اُس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔''

مشرک پر جنت حرام ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۚ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾ (٥/ المائدہ:٧٢)

''بیشک جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا اور اسکا

ٹھکانہ جہنم ہے مشرک ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔"

مشرک کے لیے دعائے مغفرت کی ممانعت ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴾ (۹/ توبہ:۱۱۳)

"پیغمبر اور مومنوں کو جائز نہیں کہ اس کا حکم آنے کے بعد مشرکوں کے لیے بخشش مانگیں اگر چہ مشرک رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب واضح ہو چکا کہ پکے دوزخی ہیں۔"

شرک بزدلی پیدا کرتا ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا ۖ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴾ (/ آل عمران:۱۵۱)

"ہم کافروں کے دلوں میں شرک کی وجہ سے رعب ڈال دینگے جس کی اللہ نے کوئی بھی دلیل نازل نہیں کی اور انکا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ ظالموں کا برا ٹھکانہ ہے۔"

شرک کی وجہ سے عذاب:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ ﴾ (۴۸/ الفتح:۶)

"اللہ منافق مردوں عورتوں اور مشرک مردوں عورتوں کو عذاب کرے گا کیونکہ وہ اللہ کے بارے میں بدگمانیاں رکھتے تھے۔"

شرک سے تمام اعمال ضائع

﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ ۗ إِنَّ

رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِينَ ۝ وَإِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِينَ ۝ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ﴾

(/ انعام:۸۳۔۸۸)

''یہ ہماری حجت یعنی دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی ہم جسے چاہتے ہیں مرتبہ میں بڑھا دیتے ہیں بے شک آپ کا رب بڑا حکمت والا اور علم والا ہے اور ہم نے ان کو اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام دیا پھر ان سب کو ہدایت دی اور پہلے زمانے میں نوح علیہ السلام کو ہدایت دی اور ان کی اولاد میں سے داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام، ایوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو ہدایت دی اسی طرح ہم نیکوں کو جزا دیتے ہیں اور ذکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام جیسے نیکوں کو ہدایت دی اور پھر اس طرح اسماعیل علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام، یونس علیہ السلام اور لوط علیہ السلام ان سب کو فضیلت اور ان کے کچھ باپ دادوں اور کچھ اولاد اور کچھ بھائیوں کو ہدایت دی اور پسند کیا اور صراط مستقیم پر چلایا ہدایت اللہ ہی کے پاس ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اگر یہ انبیاء اور صلحاء شرک کرتے تو ان کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔''

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خطاب کر کے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِينَ ۝ ﴾ (۳۹/ الزمر:۶۵)

''اور تمہاری طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔''

شرک مشرک کو تباہی و بربادی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا دیتا ہے۔

مشرک جب اللہ کو چھوڑ کر غیروں کے دروازے پر جاتا ہے اور مصیبت میں غیروں کو پکارتا ان کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہ اللہ کی نظر میں گر جاتا ہے اس کے انجام کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ ﴾ (۲۲/ الحج:۳۱)

''اور جو شخص کسی کو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرلے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اسکو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مشرکوں کو مخاطب کر کے اپنے عقیدے کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا تھا۔

﴿ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝۸۰ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ﴾ (۶/ انعام:۸۰۔۸۱)

''جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا ہاں جو میرا پروردگار کچھ چاہے میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے کیا تم خیال نہیں کرتے۔ بھلا ان چیزوں سے جن کو تم شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کے اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔''

آج کل بھی اکثر لوگ پیروں، فقیروں اور ملنگوں وغیرہ سے ڈرتے ہیں کہ ہم نے بابے کے نام کی گیارہویں نہ دی تو نقصان ہو جائے گا دودھ نہ دیا تو بھینس مر جائے گی۔

حفیظ الرحمن بریلوی قادری کے دلائل کے ترتیب وار جوابات:

کیا یارسول اللہ کہنا شرک ہے؟

لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میرے پاس ایک بندہ آیا کہ جو بڑا پریشان حال تھا کہنے لگا حافظ صاحب رات میں نے اذان سے پہلے درود وسلام الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھا تو ایک بندے نے کہا تو مشرک ہو گیا۔ تیرے اعمال برباد ہو گئے میں ساری رات پریشان رہا اب مجھے کیا کرنا چاہیے کیونکہ اس کو کسی نے بتایا تھا کہ حرف یا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے اور کسی کے ساتھ استعمال کرو گے تو مشرک ہو جاؤ گے حفیظ الرحمٰن قادری صاحب یہ خودساختہ کہانی لکھنے کے بعد "یا" کے قرآن سے دلائل پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴾ (۲۱/ الانبیاء:۶۹)

''اور ہم نے فرمایا اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی والی ابراہیم پر۔''

دوسری دلیل قیامت کے روز سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ مقام محمود پر جلوا افروز ہونگے امت کی شفاعت کے لیے سجدہ ریز ہو جائیں گے پھر رب العالمین فرمائے گا۔

((یا محمد ارفع راسك سل تعط وشفع)) (مسند احمد)

''اے محمد ﷺ اپنا سر اقدس اٹھایئے جو مانگیں گے عطا کیا جائے گا جسکی شفاعت کریں گے قبول کی جائے گی۔'' (کتاب شرک کیا ہے صفحہ ۲۵ تا ۲۶)

جواب: کہنے والا پریشان ہونے والا کون تھا جس کا کوئی اتا پتہ نہیں دوسری بات یہ کہ اذان سے پہلے الصلوۃ ولسلام علیک یارسول اللہ پڑھنا کس حدیث سے ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کس مؤذن نے یہ کام اذان سے پہلے شروع کیا اس کا ثبوت پیش کیا جائے نیز حدیث کی کس کتاب میں اس کا حوالہ موجود ہے براہِ کرم حفیظ الرحمٰن قادری صاحب سے پوچھ کر ہمیں بھی بتائیں تاکہ ہم بھی اس کارخیر سے محروم نہ رہیں۔ اگر یہ مسئلہ خودساختہ ہے تو ہمیں اس پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں اگر یہ کام محبت رسول ﷺ کی علامت ہے تو یہ بھی بتائیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ سے محبت نہ تھی یہ کام انہوں نے پوری زندگی میں کیوں نہیں کیا اگر کیا ہے تو دلیل پیش کریں وگرنہ ان خود

ساختہ مسائل کو لوگوں میں پھیلانے سے اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور بدعات سے توبہ کریں۔

دوسری بات کہ یا صرف صرف اللہ کے لیے خاص ہے یہ بات کوئی جاہل ہی کر سکتا ہے۔ یا قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر موجود ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

تمام نبیوں اور رسولوں سے خطاب کرتے وقت ان کے ذاتی ناموں سے ہی خطاب کیا جیسے آدم علیہ السلام کے لیے یَـــا ادَمُ (۲/البقرہ:۳۳۔۳۵؛ ۷/اعراف:۱۹؛۲۰/طٰہٰ:۱۱۷،۱۲۰) اے آدم کہا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے لیے یٰـنُــوْحُ (۱۱/ھود:۴۶۔۴۸) اے نوح علیہ السلام کہا۔ ابراہیم علیہ السلام کے لیے یَآاِبْرَاهِيمُ (۱۱/ھود:۷۶؛ ۳۷/الصفات ۱۰۴) اے ابراہیم علیہ السلام کہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یَـــا مُـوسَـیٰ (آیت ۱۱، ۱۷، ۱۹ سورۃ النمل آیت ۱۹، القصص آیت ۳۱) اے موسیٰ کہا۔ حضرت ذکریا علیہ السلام (سورہ مریم آیت ۷، اے ذکریا کہا حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے یا یحییٰ سورہ مریم آیت ۱۲، اے یحییٰ کہا حضرت داوٗد علیہ السلام کے لیے یا داوٗد کہا سورۃ ص آیت ۲۱ اے داوٗد کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے یا عیسیٰ سورہ آل عمران آیت ۵۵ سورہ المائدہ آیت ۱۱۶ اے عیسیٰ کہا۔

لیکن جب سید المرسلین خاتم النبیین امام اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جب بھی اللہ تعالیٰ نے خطاب کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے آپ کے صفاتی ناموں سے ہی خطاب کیا جسے **یا یھا الرسول** سورۃ المائدہ ۶۷، اے رسول کہا۔ **یا یھا النبی** سورۃ احزاب آیت ۲۸، ۴۵، ۵۰، ۵۹ الطلاق آیت ۱، تحریم آیت ۱، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہا **یا یھا المدثر** کہا کہیں **یا یھا المزمل** کہا۔

حضرات گرامی غور فرمائیں آپ شروع سے لے کر آخر تک پورا قرآن مجید پڑھ جائیے آپ کو پورے قرآن سے ایک آیت بھی ایسی نہ ملے گی جس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا احمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر کلام یا خطاب کیا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہو جانے کے بعد مخاطب ہو کر پکارنا عقل کے خلاف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی یا محمد کہہ کر پکارنے سے منع کیا گیا چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۝ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ ﴾

(٤٩/ الحجرات: ٤-٥)

"بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (کنز الایمان، احمد رضا خان بریلوی صفحہ ٦٦٨)

شان نزول حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ دیہاتی لوگ اکٹھے ہو کر کہنے لگے کہ اس شخص کے پاس چلو جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کہ اگر وہ نبی ہے تو اس سے سعادت حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ مستحق ہم ہیں اگر وہ بادشاہ بننا چاہتا ہے تو ہم اس کے پروں تلے پل جائیں گے۔ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سب کچھ بیان کر دیا جو کچھ انہوں نے کہا تھا پھر وہ لوگ آئے اور حجروں کے پیچھے کھڑے ہو کر یا محمد ﷺ یا محمد ﷺ کہہ کر پکارنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ بیشک وہ لوگ جو آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے یا محمد ﷺ یا محمد ﷺ کہہ کر پکارتے ہیں اکثر بے عقل ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے میرا کان پکڑ کر فرمایا: اے زید رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی۔

اس واقعہ کو بہت سارے جید مفسرین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

(تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج ٢٦، ص: ٧٠؛ تفسیر ابن کثیر، ج ٥، صفحہ: ٧٦)

اہل ایمان غور فرمائیں کہ لمحہ فکریہ یہ ہے کہ جب نبی ﷺ دنیا میں زندہ موجود اپنے گھر میں آرام فرما رہے تھے تو جن لوگوں نے لاعلمی کی وجہ سے آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے آپ ﷺ کا نام لے کر بلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی زبردست مذمت فرمائی اور اظہار ناراضگی فرماتے ہوئے ان کو بے عقل اور بے وقوف قرار دیا اور آئندہ کے لیے اس بے ادبی سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ اب جو لوگ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جبکہ آپ ﷺ انتقال فرما چکے ہیں تو آپ ﷺ کا نام لے کر بلائیں اور سمجھانے کے باوجود باز نہ آئیں بلکہ

ضد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ یا محمد ﷺ یا محمد ﷺ ہی کہتے اور لکھتے چلے جائیں تو ان لوگوں کے بے عقل و بے وقوف اور بے ادب وغیرہ ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔

اگر ہماری باتوں پر یقین نہ آئے تو آپ کی تسلی کے لیے آپ کے اکابر علماء و مفسرین کرام و مفتیان کے چند حوالہ جات ہدیہ قارئین و ناظرین کرتے ہیں شاید کے اتر جائے ان کے دل میں ان کی بات......

حق بات جانتے ہیں مگر مانتے نہیں
ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب میں

بریلویوں کے امام احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ:

یہاں اس کا یہ بندوبست فرمایا کہ اس امت مرحومہ پر اس نبی کریم ﷺ کا نام پاک لے کر خطاب کرنا ہی حرام ٹھہرایا

((قال اللّٰہ تعالیٰ لا تجعلو دعآء الرسول بینکم کدعآء بعضکم بعضا))

''رسول ﷺ کا پکارنا آپس میں ایسا نہ ٹھہرا و جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہ اے زید اے عمر''

بلکہ یوں عرض کرو:

((یا رسول اللّٰہ یا نبی اللّٰہ یا سید المرسلین یا خاتم النبیین یا شفیع المذنبین ﷺ وعلی الِك اجمعین))

ابو نعیم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر کے راوی ہیں۔

((قال کانو ایقولون یا محمد یا اباالقاسم فنھاھم اللّٰہ عن ذٰلك اعظامًا لنبیہ ﷺ فقالوا یانبی اللّٰہ یا رسول اللّٰہ))

یعنی یا محمد ﷺ یا ابا القاسم کہا جاتا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے انہیں منع فرمایا جب سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہا کرتے تھے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ ، امام علقمہ رحمۃ اللہ علیہ ، امام اسود رحمۃ اللہ علیہ ، اور ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ ، امام حسن بصری و امام سعید رحمۃ اللہ علیہ بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ تفسیر آیت کریم مذکورہ میں راوی **لاتقولوا یا محمد**

والکن قولوا یا رسول اللہ یا نبی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا محمد نہ کہو بلکہ یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہو اسی طرح امام قتادہ تلمیذ انس بن مالک رضی اللہ عنہما ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نداء کرنی حرام ہے اور واقعی محل انصاف ہے جسے اس کا مالک مولیٰ تبارک وتعالیٰ نام لے کر نہ پکارے غلام کی کیا مجال کہ راہِ ادب سے تجاوز کرے بلکہ امام زین الدین مراغی وغیرہ محققین نے فرمایا اگر یہ لفظ کسی دعاء میں وارد ہو جو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی جیسے یا محمد انی توجهت بك الی ربی تاہم اس جگہ یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہنا چاہیے حالانکہ دعا میں حتی الوسع تغیر نہیں کی جاتی۔ (تجلّی الیقین، ص: ٣٦-٣٧)

بریلویوں کے حکیم الامت مولوی احمد یار خان نعیمی کا فتویٰ:

حضور علیہ السلام کو یا محمد یا کہ اے ابراہیم کے باپ اے بھائی باوا وغیرہ برابری کے الفاظ سے یاد کرنا حرام ہے اگر اہانت کی نیت سے پکارا تو کافر ہے

(جاء الحق ص ١٦٤ مطبوعہ فرید بکڈپو ٹمیا محل اردو مارکیٹ جامع مسجد دہلی)

مولانا نور محمد قادری بریلوی کا فتویٰ:

امت پر واجب ہے کہ اپنے پیارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کریم کی عزت وادب واحترام کریں کیوں کہ خود رب کریم ہم کو ان کے نام کے ادب واحترام کا حکم دیتا ہے۔

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا﴾ (٢٤/ نور:٦٣)

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا نہ پکارو جیسا کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔"

یعنی میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم محترم کو یا محمد یا احمد مت کہو بلکہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ یا حبیب اللہ اوصاف جمیلہ اور عمدہ القاب سے آپ کو یاد کرو خود رب العزت جل وعلا نے اپنے حبیب پاک کو اچھے سے بلایا کہیں فرمایا: یایھا الرسول کہیں فرمایا یایھا النبی کہیں فرمایا یایھا المزمل یایھا المدثر۔ (مواعظ رضویہ حصہ چہارم ص ١٦٢ بحوالہ ندائے یا محمد کی تحقیق ص ١١٣)

مولانا محمد صالح نقشبندی قادری چشتی کا فتویٰ:

مختصر پہلے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد یا ابا القاسم یعنی بحسب عرف نام وکنیت کے ساتھ کہہ کر بلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی تعظیم کی خاطر نام سے پکارنے کو منع فرمایا تب

سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہنا شروع کیا مقصود یہ ہے کہ عجز و نیاز کے ساتھ پکارا کریں جس سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم ظاہر ہو۔

(منہاج القبول فی آداب الرسول صفحہ ۴۸۔۴۹)

مولانا افتخار احمد قادری بریلوی کا فتویٰ:

لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد یا محمد کہہ کر پکارنے والوں کی رب العزت مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''یقیناً جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر عقل نہیں رکھتے اگر وہ اتنا صبر کرتے کہ آپ باہر نکلتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔'' (۴۹/ الحجرات:۴۔۵)

قبیلہ بنی تمیم کا ایک وفد عین دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنے پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکان شریف کے اندر آرام فرما رہے تھے۔ انہوں نے حجروں کے باہر سے یا محمد یا محمد کہہ کر پکارنا شروع کر دیا حضور باہر تشریف لائے مگر خدائے تعالیٰ نے اپنے محبوب کی ایسی بے ادبی گوارا نہ فرمائی اور ایسا سخت حکم نازل فرمایا کہ ایسا کرنے والے بے عقل ہیں اور پھر ادب کی تعلیم دی کہ جب لوگ در دولت پر پہنچیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز نہ دیں اور آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کریں رب تعالیٰ ایک مقام پر اپنے محبوب کا ادب اس طرح ارشاد فرما رہا ہے تو رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ (مقدمہ صحابہ کا عشق رسول صفحہ ۲۰)

علامہ سید محمود احمد رضوی بریلوی کا فتویٰ:

لکھتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عام لوگوں کی طرح پکارنا حرام ہے کہ زیر عنوان رقم طراز ہیں کہ ''رسول کریم کو ایسے نہ مخاطب کرو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابتداء میں لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد یا ابا القاسم کے الفاظ سے پکارا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی تعظیم و توقیر کے لیے اس طرح پکارنے سے منع فرمایا تب سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا رسول اللہ یا نبی اللہ

سے خطاب کرنے لگے اس آیت سے واضح ہوا کہ حضور ﷺ کا نام لے کر نداء کرنی یا حضور ﷺ کا تحریر وتقریر میں عام انسانوں کی طرح ذکر کرنا ممنوع وحرام ہے حضور ﷺ کو پکارا جائے یا حضور ﷺ کا ذکر کیا جائے تو عظمت واحترام کے ساتھ معزز القابات سے آپ کا ذکر کرنا لازم وواجب ہے۔ (مقام مصطفیٰ ﷺ صفحہ ۸۱)

مولانا محمد شفیع اوکاڑوی بریلوی کا فتویٰ:

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی امت کو حکم دیا کہ پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہراؤ کہ تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے یعنی جب آپ کو پکارا جائے تو قیر سے عام لوگوں کی طرح ذاتی نام سے یا محمد سے یا احمد کہہ کر نہ پکارا جائے بلکہ ادب وتکریم اور توقیر وتعظیم کے ساتھ یا نبی اللہ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ وغیرہ کہہ کر پکارا جائے۔

(الذکر الجمیل صفحہ ۳۱ بحوالہ ندائے ''یا محمد'' کی تحقیق صفحہ ۱۲۳)

تمام حوالہ جات کا خلاصہ:

① رسول اللہ ﷺ کو یا محمد کہہ کر پکارنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔

② شروع میں لوگ جب آپ ﷺ سے مخاطب ہوتے تو یا محمد کہہ دیا کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اس طرح پکارنے سے منع فرما دیا اور اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے ترک کر دیا تھا۔

③ مذکورہ حوالہ جات میں یہ بھی ذکر ہوا کہ دور سے آپ ﷺ کو نہ پکارا جائے کیونکہ جب ممانعت کا حکم نازل ہوا اس وقت لوگوں نے آپ ﷺ کو حجروں کے پیچھے سے آواز دی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ صبر کرتے اور جب آپ ﷺ ان کے پاس آتے تو پھر پکارتے لیکن ہمیں بھی غور کرنا چاہیے ہم آپ ﷺ کی وفات کے سینکڑوں سال بعد رسول اللہ ﷺ کو یا محمد یا محمد کہہ کر پکارتے ہیں کیا ہم عقل مند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب یا محمد کہیں گے تو اس وقت آپ ﷺ موجود ہوں گے یہ پکارنا غائبانہ نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک ہے نبی ﷺ کا خالق ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے تو یا رسول اللہ کہا کرتے تھے اصل اختلاف غائبانہ طور پر پکارنے میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غائبانہ طور پر خطاب کے لیے یا رسول کا استعمال نہیں کرتے تھے۔

حفیظ الرحمٰن قادری صاحب نے غائبانہ پکارنے کی دلیل پیش کی کہتے ہیں کہ اگر دور سے پکارنا شرک ہے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی شریف میں دورانِ خطبہ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو پکار کر کہا تھا۔ یا ساریة الی الجبل "اے ساریہ پہاڑ کی طرف متوجہ ہو۔" جب کے ساریہ رضی اللہ عنہ وہاں موجود نہ تھے بلکہ نہاوند کے مقام پر لشکر کی سربراہی فرما رہے تھے۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۵۴٦)

الجواب پہلا جواب یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے حدیث نبوی نہیں:

دوسرا جواب. یہ واقعہ اپنی تمام اسانید سمیت ضعیف اور نا قابل حجت ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ ابن حجر نے الاصابہ ۳/ ۵ میں بیان کیا ہے ابن وھب عن یحیٰ بن ایوب عن ابن عجلان عن نافع عن ابن عمر کے طریق سے روایت کیا ہے یہ سند دو بڑی علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

① محمد بن عجلان صدوق ہونے کے باوجود مدلس ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے طبقات المدلسین صفحہ ۴۴ رقم ۹۸ میں حافظ علائی نے جامع التحصیل ص ۱۰۹ وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور اُصول حدیث میں یہ قاعدہ مقدر رہے کہ مدلس راوی کا عن کے لفظ سے روایت کرنا صحت حدیث میں قادح ہے کہ جب تک وہ سمعت اخبرنا حدثنا جیسے الفاظ سے سماع کی تصریح نہ کرے یا کوئی اس کا ثقہ متابع نہ ملے امام نووی نے المجموع شرح المھذب ج ٦/ ۲۱۲ میں ذکر کیا ہے کہ مدلس راوی جب عن سے روایت بیان کرے تو بالاتفاق حجت نہیں ہوتا یہ بات بریلوی علماء کو بھی مسلم ہے امام البریلویہ مولوی احمد رضا صاحب لکھتے ہیں۔

عنعنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و معتمد میں مردود و نا مستند ہے۔

(فتاوٰی رضویہ ج ۵/ ۲۴۵) مطبوعہ جامعہ نظامیہ لاہور)

مولوی محمد عباس رضوی نے لکھا ہے کہ مدلس کا عنعنہ بالاتفاق مردود ہے۔ تدلیس جرح اور جس سے ثابت ہو جائے کہ وہ تدلیس کرتا ہے تو اس کی روایت کو مطلقاً قبول نہیں کیا جائے گا۔ (واللہ آپ زندہ ہیں صفحہ ۲۵۱)

لہٰذا فریقین کے مسلمہ اصول کی بنا پر یہ روایت محمد بن عجلان کے تدلیس کی وجہ سے

ضعیف ہے۔

دوسری بڑی علت اس میں یہ ہے کہ محمد بن عجلان نافع سے روایت بیان کرنے میں اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے تہذیب التھذیب ج ۵ صفحہ ۱۲۲۰، الالضعفاء الکبیر ۱۱۷ اور اسکی یہ روایت نافع سے ہی ہے لہٰذا سند حجت نہیں۔

ابن عجلان حدثنی ایاس بن معاویہ بن قرۃ (دلائل النبوہ ج ۶ صفحہ ۳۷۰ شرح اصول اعتقاد اھل سنۃ والجماعۃ ۱۳۳۰/۵) یہ روایت مرسل ہے۔

حافظ عراقی فرماتے ہیں مرسل روایت کو جماہیر نقاد نے سند میں ساقط راوی کی جہالت کی وجہ سے رد کیا ہے۔ (الفیہ العراقی بشرح فتح الباقی صفحہ ۱۴۳)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہمارے اور روایات کو جاننے والوں کے اصل قول میں حجت نہیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم صفحہ ۱۱۴، ۱۱۸)

لہٰذا یہ روایات مرسل ہونے کی وجہ سے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں حجت نہیں ہے علامہ ابن الاثیر جزری نے فرات بن السائب عن میمون بن مہران عن ابن عمر کے طریق سے اسد الغابہ ج ۲/ ۳۸۰ میں روایت کیا ہے۔

اس کے بارے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے۔

ابن معین فرماتے ہیں یہ محض صحیح ہے امام دارقطنی وغیرہ نے اسے متروک قرار دیا ابو حاتم رازی نے اسے ضعیف الحدیث قرار دیا ہے ابن عدی فرماتے ہیں اس کی روایات غیر محفوظ ہیں اور میمون سے اس کی روایات منکر ہیں۔

(میزان الاعتدال ۳/ ۱۳۶۱؛ المغنی فی الضعفاء ج ۲/ ۱۸۵؛ الجرح والتعدیل ج ۸/ ۱۴۵۵؛ الکامل لابن عدی ج ۴/ ۲۰۵۰)

اور اس کی یہ روایت میمون بن مہران سے ہی ہے لہٰذا منکر ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ ج ۷ ص صفحہ ۱۱۷ میں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ ج ۳ ص ۱۱۷ میں واقدی کی روایت اس کے مشائخ سے نقل کی ہے لیکن یہ محمد بن عمر واقدی متروک وکذاب ہے ابن عدی فرماتے ہیں کہ یہ غیر محفوظ روایت بیان کرتا ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ روایات گھڑتا ہے امام ذہبی فرماتے ہیں اسکے متروک

ہونے پر اجماع ہے۔ (المغنی فی الضعفاء ، ج ۲ ص: ۳۵۴؛ المیزان ، ج ۳ ،صفحہ: ۲۶۲)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں واقدی کی کتابیں سب جھوٹ ہیں۔

(تہذیب ، ج ۵ ،صفحہ: ۳۳۱۔۳۳۵)

سیف بن عمر کی اپنے مشائخ سے روایت البدایہ ۷/ ۱۱۶؛ الاصابہ ۳/ ۵)

امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ بالاتفاق متروک ہے۔

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ موضوع روایات بیان کرتا ہے۔

امام ابن معین ابو حاتم رازی ابو داؤد نسائی دارقطنی ابن عدی نے ضعیف متروک اور وضاع قرار دیا ہے (المغنی ج ۱ صفحہ ۶۰ ۴ تہذیب ج ۲)

امام ابن کثیر فرماتے ہیں وقد رواہ الحافظ ابو القاسم لا لکائی من طریق مالک عن نافع عن ابن عمر البدایہ والنہایہ ۷ ۱۱)

حافظ ابو القاسم الکائی نے مالک کے طریق سے از نافع از ابن عمر بیان کیا ہے لیکن خود اسکے بعد فرماتے ہیں فی صحتہ من حدیث مالک نظر اس روایت کا مالک کی حدیث سے صحیح ہونے میں نظر ہے اور یہ ابو القاسم الالکائی کی کتاب شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ میں بھی موجود نہیں یا تو یہ امام ابن کثیر کا وہم یا کوئی یا کتاب مراد ہوگی واللہ اعلم۔

حافظ ابو القاسم لالکائی نے ہشام بن محمد بن مخلد بن مطر قال فا ابو تو بہ قال نا محمد بن مہاجر عن ابی بلیج علی بن عبد اللہ کی سندسی بھی اس واقعہ کو بیان کیا۔ (شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ ج وصفحہ ۱۳۳)

اس سند میں ہشام بن محمد اور ابو بلیج علی بن عبد اللہ کے حالات معلوم نہیں۔

ابو بکر بن خلاد کی فوائد میں بطریق ایوب بن خوط عن عبد الرحمٰن السراج عن نافع بحوالہ سلسلہ الصحیحہ صفحہ ۱۱۰ لیکن اس سند میں بھی ایوب بن خوط متروک راوی ہے۔

امام بخاری، امام ابن معین، امام نسائی، امام دارقطنی، امام عمرو بن علی الفلاس، امام ابو حاتم، امام احمد، امام ابوداؤد، امام حاکم، ابو احمد کے ہاں ضعیف متروک ہے۔

امام باجی فرماتے ہیں اس کے متروک الحدیث ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے۔ یہ باطل

روایات بیان کرتا تھا یہ نہ احکام میں حجت ہے نہ کسی اور چیز میں۔ (تہذیب ج ۱ صفحہ ۲۵۴)
(ماخذ از آپ کے مسائل اور ان کا حل مؤلف فضیلۃ الشیخ مفتی مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ ج ۳ ص ۵۳ تا ۵۴) تیسرا جواب اکثر اہل علم نے اس واقعہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کرامت بیان کیا ہے۔

معجزہ اور کرامت ہمیشہ کے لیے دلیل نہیں ہوتی کیونکہ صاحب کرامت یا معجزہ کا یہ اختیار نہیں ہوتا وہ اپنی مرضی سے کرامت یا معجزہ نہیں دکھا سکتے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (۲۹/ العنکبوت: ۵۰)

''کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ کے قبضے میں ہیں بے شک میں نہیں ہوں مگر ڈرانے والا ظاہر۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (۴۰/ المومن: ۷۸)

''اور نہ تھا کسی رسول کے بس میں کہ لے آتا کوئی نشانی مگر اللہ کے حکم سے۔''

تیسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (۱۴/ ابراھم: ۱۱)

''اور ہمارے اختیار کی بات نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تمہیں کوئی معجزہ دکھائیں۔''

ان حوالہ جات سے روز روشن کی طرح واضح ہو چکا ہے کہ ساریۃ والے واقعہ کی کوئی حقیقت نہیں ایک ضعیف ترین قول پر عقیدے کی عمارت کس طرح کھڑی کی جا سکتی ہے اللہ تعالی مسلمانوں کو عقیدہ توحید کی صحیح سمجھ عطا فرمائے آمین:

حفیظ الرحمن قادری صاحب کہتے ہیں کہ جنت المعلی اور جنت البقیع کے مبارک قبرستانوں کے دروازوں پر بڑے بڑے بورڈ لگائے گئے ہیں جن پر وہ آیات جو بتوں کے لیے نازل ہوئیں وہ لکھی ہوئیں ہیں اور ترجمے میں یہ لکھا ہوا ہے۔ کہ مردوں کو مت پکارو یہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور نہ یہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں ان آیات کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ قبر والوں کو مت پکارو اور

آپ ان کی جہالت دیکھیں بالکل اسی کے نیچے یہ لکھا ہے کہ سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ جب قبرستان تشریف لے جاتے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

((اسلام علیکم یا اھل القبور))

''اے قبر والو تم پر سلام ہو۔'' (مشکوٰۃ ۱۵۶)(کتاب مذکور صفحہ ۲۶)

الجواب: اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے قبروں کو اپنے روزگار کا ذریعہ بنایا ہوا ہے وہ ہمیشہ لوگوں کو قبرستان کی طرف ہی دعوت دیتے ہیں کہ تم مردوں سے مانگنے جایا کرو مردے تمہاری حاجات کو پورا کرتے ہیں وہ تمہاری دعائیں سنتے ہیں تمہیں اللہ کے قریب کرتے ہیں موصوف نے شاید کبھی قرآن ہی نہیں پڑھا کہ مردوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے:

﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ﴾ (۳۵/ الفاطر :۲۲)

''اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں۔''

بلکہ وہ زندہ کے ساتھ کسی شان میں شریک نہیں ہاں اگر کوئی استثنائی صورت موجود ہو مگر اس کی کوئی دلیل نہیں لہٰذا اسماع میں مردہ زندہ کے ساتھ شریک نہیں پس وہ اس کا اہل نہیں کہ اس کو دعا کے لیے کہا جائے۔ نص قرآنی واضح ہے۔

﴿ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ﴾

(۳۵/ الفاطر:۲۲)

''اللہ جسے چاہے سنائے اور آپ ﷺ قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔''

یعنی تم مخاطبین میں سے کوئی بھی قبر والوں کو نہیں سنا سکتا جبکہ رسول اللہ ﷺ مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے ان سے بڑھ کر اور کون ہے جو مردوں کو سنانے پر قادر ہے۔

ارشاد فرمایا:

﴿ فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴾

(۳۰/ الروم:۵۲)

''آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جبکہ پیٹھ موڑ کر جا رہے ہو۔''

جب مردے کو ہم کوئی بات سنا ہی نہیں سکتے۔ تو پھر کیسے اس کو دعا کے لیے کہہ سکتے ہیں

اور وہ کیسے ہماری بات سنے گا اور ہمارے لیے کیسے دعا مانگے گا۔ بعض لوگ یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد کافر مردے ہیں مگر اللہ کے کلام میں کسی کی تخصیص نہیں مردے چاہے کافر ہوں کے مسلمان سب مراد ہیں۔ ایک جگہ پر میں تقریر کرنے گیا اور مجھے موضوع توحید دیا گیا تھا اور میں نے اپنے بیان میں یہ آیات پیش کر کے بتایا کہ مردے تمہاری بات نہیں سنتے اور نہ جواب دے سکتے ہیں تو ایک آدمی تقریر کے بعد میرے پاس آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ تم نے بیان کیا کہ آپ مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے۔ اصل میں اس سے مراد دل کے مردے ہیں تو میں نے کہا جس کا دل مردہ ہو وہ نہیں سن سکتا تو پھر جو پورا مردہ ہے وہ کیسے سنے گا پھر کہنے لگا میرا ایمان ہے مردے سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ پھر میں نے کہا بھائی جان کبھی آپ نے مردے کا جواب سنا تو کہنے لگا ہم تو پھر نہیں سن سکتے میں نے کہا کیا آپ نے خوب بات کہی کہ وہ مردہ ہو کر ہماری بات سن رہا ہے اور ہم زندہ اور باہوش وحواس ہو کر بھی اس کی آواز کو نہیں سن سکتے ہم سے تو مردہ بہتر ہے جس کی سماعت مرنے کے بعد جینے والوں سے زیادہ تیز ہو گئی اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ سننا مردوں کا کام ہے زندوں کا نہیں میں نے کہا آپ مردوں کی سماعت منوانے آئے اور زندوں کی سماعت کا انکار کر کے جا رہے ہیں اللہ کے لیے کچھ تو غور کریں۔

﴿ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝ ﴾

(۲۷/ النمل: ۸۰)

”کچھ شک نہیں کہ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جب کہ وہ پیٹھ پھیر جائیں آواز سنا سکتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ اے نبی آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے تو ہم کہیں مردے سنتے ہیں یہ بات غیر موزوں ہے مردہ اگر سنتا ہے اگر کسی کا باپ فوت ہو جائے تو بیٹا کہے ابو جی کیا حال تو پھر وہ جواب کیوں نہیں دیتا یہ کہیں گے سنتا تو ہے۔ ویسے بولتا نہیں ایک اُصول ہے آنکھیں بھی بند کر دیں زبان بند کروا دیں اور کان سننا جاری رکھیں جو بولتا نہیں اس کا کیا فائدہ مردہ تمہارے قریب پڑا ہے جو بولتا ہے اسے سننا چاہیے جو سنتا ہے اسے بولنا بھی چاہیے۔ یا تو

کہو مردہ دیکھتا بھی ہے مردہ بولتا بھی ہے یہ بات نہیں کہیں گے کیونکہ ان کو پتہ ہے یہ بات کی تو لوگوں نے دیکھ لینا ہے اگر تو نے کہا مردہ بولتا ہے تو انہوں نے بلا کر دیکھ لینا ہے اگر تو نے کہا دیکھتا ہے تو انہوں نے آنکھیں اٹھا کر دیکھ لینا ہے کہ حضرت صاحب دیکھ رہے ہیں بات سمجھے اس لیے کہو بھی یہی وہ سنتا ہے بولتا نہیں تا کہ لوگ سمجھ نہ جائیں اگر سمجھ بھی جائیں تو آگے سے کہہ دیا جاتا ہے کہ بھیا یہ معرفت کی بات ہے۔ تم کیا سمجھو گے خاموشی بہتر ہے۔ میرے بھائیو ان چکروں میں پڑھنے کی بجائے ہمیں اس وقت کی فکر کرنی چاہیے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ ﴾ (۲۵/ فرقان:۱۷۔۱۸)

''اور جس دن ان کو اور اُن کو جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں جمع کرے گا تو فرمائے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود گمراہ ہو گئے تھے وہ کہیں گے تو پاک ہے ہمیں یہ بات شایاں نہ تھی کہ تیرے سوا اوروں کو دوست بناتے۔''

اس آیت مبارکہ پر غور کریں کہ جن کو اللہ تعالیٰ سوال کر رہا ہے کہ یہ بت ہیں بت تو کسی کو گمراہ کر ہی نہیں سکتے اس کے بارے میں مشہور بریلوی مفسر مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے اپنی تفسیر خزائن العرفان تفسیر القرآن میں تحریر فرمایا ہے وہ جواب دیں گے تو ہم دوسرے کو کیا تیرے غیر کے معبود بنانے کا حکم دے سکتے تھے ہم تیرے بندے ہیں۔

(تفسیر خزائن العرفان تفسیر القرآن مع ۶۵۰ حاشیہ نمبر ۴۴)

دوسرے مقام پر رب العالمین ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ۝ ﴾ (۴۰/ احقاف:۵)

''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک

اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو۔"

حفیظ الرحمٰن قادری نے مدینہ منورہ کے قبرستانوں کا گلہ کیا کہ وہاں بتوں والی آیات لکھی ہوئی ہیں میں نے تو بتوں والی آیات تحریر نہیں کی مُردوں والی آیات لکھی ہیں۔

رہا یہ مسئلہ کہ آپ نے پھر یا کا حرف جو کہ مخاطب کے لیے آتا کیوں استعمال کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سلام سلامتی کی دعا ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ پر نماز میں سلام پڑھا جاتا ہے یا جیسے خط لکھنے والا اسلام علیکم سے خطاب کرتا ہے اس سلام کا جواب فوری دینا تو در کنار جواب دینا بھی ضروری نہیں ہوتا جس وقت وہ خط لکھ رہا ہوتا ہے۔ مخاطب کرتے وقت جس سے وہ السلام علیکم کہہ کر خطاب کر رہا ہوتا ہے کیا وہ سن کر فوری جواب دے رہا ہوتا ہے کبھی جواب آجاتا ہے کبھی نہیں آتا اور اسکی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر بھیجا ہوا سلام آپ خود نہیں سنتے بلکہ فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے پھر یہ کیوں کر ممکن ہے عام مسلمانوں پر بھیجا ہوا سلام از خود ان تک پہنچ جائے اور وہ اسے خود سن بھی لیں جبکہ قرآن مجید میں واضح ہے کہ آپ قبر والوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے۔

جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حجر اسود سے خطاب فرمایا:

((اِنی لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنفَعُ وَلَوْلَا اَنِیْ لَرَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ))(مسلم وبخاری)

"میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔"

کیا یہ بات دلیل بن سکتی ہے کہ پتھر سنتے ہیں اگر نہیں سنتے تو خطاب کیوں کیا دوسری بات جب ہم اپنے گھر تنہائی میں قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں تو بار بار یایھا الذین امنوا پڑھتے ہیں خطاب کرتے ہیں تو کیا تمام ایمان والے ہمارے یا کے خطاب کو سن رہے ہوتے ہیں یہ بات تو مسلمانوں کی ہے مگر جب ہم اپنی مسجد میں نماز میں قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں اور وہاں پر کوئی کافر موجود نہیں ہوتا ہم کہہ رہے ہوتے ہیں قل یایھا الکفرون۔

کہہ دو اے کافرو تو کیا کافر ہماری بات کو سن رہے ہوتے ہیں اگر نہیں تو پھر خطاب کی کیا

ضرورت ہے جو جواب یہاں آپ کا ہوگا وہاں ہمارا بھی وہی جواب ہوگا۔

ثالثاً یہ دعائیہ کلمات کسی خاص ولی یا بزرگ یا نیک شخص کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر نیک و بد ہر شخص چاہے وہ چور ہو زانی شرابی ہو کم تولنے والا ہو جھوٹ بولنے والا ہو۔ اگر وہ مسلمان ہو تو اس قبرستان میں دعا و سلام کیا جائے گا اگر ہر شخص ہی سنتا ہے اور جواب دیتا ہے تو پھر پیروں اور فقیروں کی تو کوئی خوبی نہ رہی سب برابر ہیں۔ میرے بھائیو قبر تو ایسی جگہ ہے اگر کسی زندہ شخص کو بھی اس میں دفن کیا جائے تو اس پر کئی من مٹی ڈالی جائے تو پھر اوپر سے سلام کیا جائے تو بیچارہ زندہ آدمی بھی سن نہیں سکتا تو مردہ کیسے سنے گا یہ لڑائی دراصل پہلے ہی ختم ہو جانی چاہیے جب مردہ سامنے چارپائی پر پڑا ہوتا ہے۔ اُسی وقت سلام کر کے مشاہدہ کر لینا چاہیے کہ مردہ سنتا ہے یا نہیں جواب دیتا ہے یا نہیں مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔

غور فرمائیں مردہ تو بالکل محتاج ہو جاتا ہے چاہے کتنا نیک بزرگ ہی کیوں نہ ہو اپنے چہرے پہ بیٹھنے والی مکھی بھی خود نہیں اڑا سکتا بلکہ مکھی اڑانے میں بھی زندہ لوگوں کا محتاج ہے۔ مشاہدے کی بات جب کوئی بندہ نیک ہو کہ بد فوت ہو جاتا ہے تو اسے استنجاء بھی دوسرے لوگ کرواتے ہیں خود نہیں کر سکتا کہ وہ محتاج ہے اگر کسی غیرت مند شخص میں طاقت ہو تو وہ کبھی برداشت نہیں کرے گا کہ مجھے کوئی دوسرا شخص استنجاء کروائے عموماً میت کے کپڑے بڑے مشکل سے پھاڑ کر اتارے جاتے ہیں کہ یہ شخص نیک وکار ہو کر گناہگار کپڑے اتارنے میں بھی زندہ لوگوں کا محتاج ہے طاقت نہیں رکھتا کہ وہ یہ کام کر سکے پھر غسل دیا جاتا ہے یہ بزرگ خود غسل کرنے کی بھی قدرت نہیں رکھتا زندوں کا محتاج ہوتا ہے غسل دینے کے بعد اگر اس بزرگ کو کفن نہ پہنایا جائے تو خود پہن نہیں سکتا کیونکہ اس میں یہ کام کرنے کی طاقت نہیں۔ اس کے بعد قبرستان کی طرف خود چل کر نہیں جا سکتا۔

اس کی ٹانگوں میں چلنے کی قدرت نہیں اس لیے وہ زندہ لوگوں کا محتاج ہے لوگ اس کا جنازہ کندھوں پر اٹھا کر لے جاتے ہیں پھر قبر کے کنارے سے اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر قبر میں رکھتے ہیں وہ خود قبر میں اتر نہیں سکتا محتاج ہے یہ سارے کام کرنے کے بعد چھ فٹ زمین میں

دفن کے بعد ہم یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہاں تک تو آپ ہمارے محتاج تھے مگر اب ہم تیرے محتاج ہیں جب کبھی ہم پر مشکل آئی تو اسے ٹال دینا یہ تو ہمارا فہم ہے ہم سوچتے نہیں کسی بزرگ کی قبر پر جا کر کہتے ہیں کہ اگر ہمیں شفا ہوگئی تو تیرے نام پر ایک عدد دیگ پکا کر بطور نیاز دینگے اس بات پر ہم غور کیوں نہیں کرتے کہ اگر یہ بزرگ شفاء دینے پر قادر ہوتا تو خود بیمار ہو کر فوت نہ ہوتا بلکہ اپنے آپ کو موت سے بچالیتا۔

حیرت کی بات ہے کہ اچھا خاصہ صحت مند بندہ فوت شدہ بزرگ سے شفاء مانگتا ہے جبکہ وہ بزرگ بیمار ہو کر خود فوت ہو چکے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم بزرگ سے شفا نہیں مانگتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے اللہ سے شفاء کی دعا مانگیں تو میں یہ کہا کرتا ہوں کہ اگر وہ تجھے اللہ سے شفاء مانگ کر دے سکتے ہیں تو انہوں نے اپنی ذات کے لیے شفاء کیوں نہ مانگ لی۔

اور اپنے آپ کو موت سے کیوں نہ بچالیا۔ اگر موت آئی ہی نہیں فوت ہوئے ہی نہیں تو پھر ان بزرگوں کو کیوں زندہ دفن کر دیا؟ کیا یہ ان کی توہین نہیں؟ آج بہت سے ہمارے مسلمان بھائی قلت تدبر کی وجہ سے قبر پر جا کر اولاد کی درخواست کرتے ہیں اور ان بزرگوں سے بھی مانگتے ہیں۔ جنہوں نے زندگی میں دو شادیاں کی مگر ان کے ہاں اولاد نہیں ہوئی۔ مثلاً حضرت علی ہجویری نے دو شادیاں کیں مگر اللہ نے ان کو اولاد سے نہیں نوازا حوالہ کے لیے دیکھیں (سیرت گنج بخش صفحہ ۲۷ مؤلف اکمل اویسی پیرزادہ) سوچنے کی بات ہے اگر بندہ سمجھ جائے۔ لیکن ہم یہ سوچنے والی رحمت گوارہ نہیں کرتے ہم کہتے ہیں۔ جہاں کوئی لگا ہوا ہے ٹھیک ہے یاد رکھیں کہ مطلقاً پکار شرک نہیں ہے جیسے ہم اپنے بچوں کو پکار کر بلاتے ہین یا کسی دوست کو آواز دیتے ہیں اور کسی کو دُور سے نداء دیتے ہیں یہ شرک نہیں ہے اور نہ یہ پکارنا اختلافی ہے۔

جس پکارنے میں اختلاف اس کی ایک صورت ہے۔ وہ ہے جو لوگ قبر میں مدفون حضرات کو مافوق الاسباب طریق سے پکارتے ہیں۔ جیسے یا شیخ عبدالقادر شیاءًللّٰہ وغیرہ یہ پکارنا شرک ہی کے ذیل میں آتا ہے کیوں کہ پکارنے والا ان کی بابت یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہزاروں میل کے فاصلے کے باوجود یہ فوت شدہ بزرگ میری آواز کو سنتا ہے اور میرے حالات سے ہر طرح باخبر ہے وہ حاضر ناظر ہے اور کائنات میں ہر چیز پر تصرف کا اختیار رکھتا ہے اسی لیے وہ شخص

اس بزرگ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس کے نام کی نذر و نیاز دیتا ہے اس کے نام پر جانور قربان کرتا ہے اس کے نام کی دیگیں پکا کر تقسیم کرتا ہے۔ اس کی قبر پر چادریں چڑھاتا ہے اور اس کی ناراضگی سے ڈرتا ہے۔

اس کا عقیدہ ہوتا ہے کہ اگر میں نے گیارہویں نہ دی تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے میرے کاروبار میں میرا نقصان کر دینگے۔ حالانکہ عالم الغیب نفع ونقصان اپنے علم کے اعتبار سے حاضر و ناظر اور تمام اُمور میں تصرف کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی ہے۔

یہ تمام صفات اللہ کے لیے خاص ہیں جن میں اس کا کوئی شریک نہیں لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو یا دیگر بزرگوں کو پکارنے والا غائبانہ طور یہ تمام صفاتِ خداوندی ان بزرگوں میں تسلیم کرتا ہے جس طرح انسان کی سماعت محدود ہے بصارت بھی محدود ہے اللہ تعالیٰ کی سماعت و بصارت لامحدود ہے۔ اگر بزرگوں کی سماعت و بصارت کو بھی لامحدود سمجھیں تو یہ شرک فی الصفات ہوگا یہی اختلاف ہے کہ بزرگوں سے دعا مانگنا بھی شرک ہے کیوں کہ دعا عبادت ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلدُّ عاءَ ھوا الْعِبَادَۃُ))(مشکوۃ کتاب الدعوات صفحہ ۱۹۴)

''پکارنا دعا کرنا عبادت ہے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے علاوہ کسی ہستی سے دعا کرنا اسکی عبادت ہے لہٰذا یہ شرک ہے۔ ایک دلیل یہ بھی دی کہ ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا کہ اے چونٹیو! اپنے گھروں کو چلی جاؤ کہ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر بے خبری میں (سورۃ نمل)

الجواب: یہ بات بریلویت کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ یا حرف جو چیونٹی نے استعمال کیا وہ چونٹیاں اس وقت اس کے پاس موجود تھیں۔ غائبانہ طور پر پکارنا نہ تھا ایسے پکارنے میں تو کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ چیونٹی نے تو یہ بھی کہا تھا کہ سلیمانؑ اور ان کا لشکر بے خبری میں انہیں کچل نہ دیں چیونٹی کا بھی عقیدہ ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جناب سلیمان علیہ السلام کو تمام مخلوقات پر حکومت عطا فرمائی چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا مانگی:

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (۳۸/ ص:۳۵)

''اے پروردگار میری مغفرت فرما اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا کر کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔''

جناب سلیمان علیہ السلام کو اس دعا کے بدلے میں ایسی حکومت عطا فرمائی کہ پرندوں کی زبان حتی کہ تمام مخلوقات جو ان کے سامنے تھے اُس کی زبان کو سمجھتے تھے یہ ان کا خاصا تھا۔ لیکن غائبانہ طور پر ہونے والے کاموں سے وحی کے بغیر باخبر نہ ہوتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں واقعہ مذکور ہے:

﴿وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ۝ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۝ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ۝﴾

(۲۷/ النمل:۲۲)

''اور جب انہوں نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے کیا سبب ہے کہ ھُد ھُد نظر نہیں آتا کیا کہیں غائب ہو گیا ہے میں اسے سخت سزا دونگا یا ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے دلیل صریح پیش کرے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ھُد ھُد آ موجود ہوا اور کہنے لگے مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں اور میں آپ کے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔''

یہ واقعہ چیونٹیوں والا حفیظ الرحمٰن قادری صاحب کی دلیل نہیں بنتا اور نہ ہی غائبانہ طور پر غیر اللہ سے اس کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ سب کو حق بات تسلیم کرنے کی توفیق دے اصل بات یہ ہے کہ جیسے قرآن مجید میں ہے:

﴿الْمُرْسَلِيْنَ۝ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ (۲/ البقرہ:۲۵۳)

"یہ رسول جو بھیجے گئے ہیں ہم نے انہیں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر فضیلت دی ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور کچھ وہ ہیں جن کے درجات بلند کیے اور عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور اسکی روح القدوس سے مدد کی۔"

انبیاء ورسل کی سب سے بڑی فضیلت تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت اور رسالت عطا فرمائی اس لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے کسی پیغمبر پر فضیلت نہ دو نیز فرمایا کسی پیغمبر کو کسی دوسرے پر فضیلت نہ دو حتی کہ یونس بن متی پر بھی۔ (بخاری شریف، کتاب التفسیر، بحوالہ تیسیر القرآن، ج۱، ص:۱۷۹)

رہی جزوی فضیلتیں تو اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے کسی ایک رسول کو کسی ایک فضیلت سے نوازا اور کسی دوسرے کو کسی دوسری فضیلت سے جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کے فضائل خود ہی ذکر فرما دیئے اور یہاں فضائل سے مراد دراصل خصائص یا مخصوص معجزات ہیں جو دوسروں کو عطا نہیں ہوئے مثلاً موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اور اس زمین پر براہِ راست کلام کیا جو اور کسی سے نہیں کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے اور مٹی کے پرندے بنا کر ان میں روح پھونک کر اُڑا دیتے تھے وغیرہ۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی فضیلت دی تھی۔

حفیظ الرحمٰن قادری صاحب نے ایک دلیل پیش کی نماز کے اندر پکارنا:

(السلام علیك ایها النبی ورحمته الله وبرکاته)

"اے نبی سلام ہو تم پر اللہ کی رحمت اور برکت۔"

یہاں علیک میں ک واحد حاضر ضمیر مخاطب کے لیے بولا جاتا ہے مراد یہ ہے کہ جب تک ہم نماز میں سرکار ﷺ کو حاضر ناظر جان کر پکارتے نہیں ہماری نماز ہی نہیں ہوتی۔ (کتاب مذکورہ صفحہ ۳۰)

الجواب نماز میں السلام علیك ایها النبی جو پڑھا جاتا ہے جو بظاہر خطاب ہے لیکن اس میں آپ ﷺ کے خطاب کا عقیدہ نہیں ہوتا بلکہ یہ حکایۃً پڑھا جاتا ہے۔ خود رسول

اللہ ﷺ بھی نماز میں پڑھا کرتے تھے ظاہر بات ہے کہ اللہ کا حکم پا کر التحیات میں یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے وگرنہ آپ کا ﷺ کا خطاب کس سے ہوتا تھا آپ ﷺ کے مخاطب کون سا نبی تھا جس کو حاضر ناظر سمجھ کر آپ ﷺ خطاب فرمایا کرتے تھے۔

اگر یہ سلام بطور خطاب ہوتا تو اس کا جواب بھی ضروری ہوتا لیکن ظاہر بات ہے کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی مبارک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم التحیات میں یہ سلام پڑھتے تھے تو آپ ﷺ جواب نہیں دیتے تھے کیونکہ آپ ﷺ سنتے تھے اور نہ سنانا مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھا اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ تھا اب آپ کی وفات کے بعد یہ عقیدہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ بہر حال یہ سلام دعا ہے جس کا مقصد نبی ﷺ کے لیے دعا ہے یہ طریقہ بھی وہ ہے جو نبی ﷺ نے ہمیں سکھایا ہے۔ ہمارا خود ساختہ طریقہ نہیں ہے۔

جس طرح اُس وقت نماز میں پڑھا گیا اسی طرح اب بھی پڑھا جاتا ہے پکارا نہیں جاتا۔

دوسرا جواب: اگر خطاب کی ضمیر کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جائے کہ جس کو مخاطب کیا جائے وہ ضرور سنتا ہے۔

تو پھر غور فرمائیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود پتھر سے خطاب فرمایا تھا۔

((اِنی لَاَعلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنفَعُ وَلَوْلَا اَنِیْ لرَاَیتُ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ یُقَبِّلُکَ مَا قَبَّلْتُکَ))(مسلم وبخاری)

''میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔''

کیا خطاب کرنے سے یہ دلیل بن سکتی ہے کہ پتھر بھی سنتا اور جواب دیتا ہے اگر جواب نہیں دیتا تو پھر مخاطب کیوں کیا اس سے پتہ چلا کہ ہر مخاطب کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ سنتا بھی ہے اور جواب بھی دیتا ہے قرآن مجید میں ہے۔(قل یایھا الکفرون)''کہہ دو اے کافرو''پوری سورت میں کافروں سے ہم خطاب کرتے ہیں۔

جب ہم اپنی مسجد میں یا گھر میں قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے کافرو جس کی تم عبادت کرتے ہو اس کی میں عبادت نہیں کرتا اُس وقت ہمارے گھر میں کوئی کافر

موجود نہیں ہوتا نہ مسجد میں تو پھر یہ خطاب کیسا ہے؟

تیسرا جواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وفات نبوی کے بعد السلام علی النبی پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اس حدیث کے راوی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ (صحیح بخاری صفحہ ۹۲۶)

اس طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی علی النبی پڑھتے تھے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تشہد میں السلام علی النبی پڑھتے تھے۔ (مؤطا امام مالک صفحہ ۸۰)

ابن عبدالرزاق نے روایت کیا اخبرنا ابن جریج اجزانی عطاء ان الصحابة كانوا يقولون والنبي صلی اللہ علیہ وسلم حي السلام عليك ايها النبي فلمامات قالو اسلام على النبي یعنی عطاء نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے تھے جب آنحضرت زندہ تھے السلام عليك ايهاالنبي پھر جب آپ کی وفات ہوگئی تو کہنے لگے السلام على النبي۔

(شرح مؤطا امام مالک، صفحہ:۸۲)

ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سننے کا نہیں تھا اور ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ايها النبي اور على النبي دونوں طرح پڑھنا جائز ہے صحیح بات یہ ہے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا کہ معراج کی رات آپ کو ان الفاظ سے خطاب کیا گیا۔ (مکاتیب ورسائل صفحہ ۱۸۹)

اگر اس پکارنے کا مقصد یہ ہوتا تو سوچنے کی بات ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس نبی کو مخاطب کر کے پکارتے تھے لہٰذا اس کا مقصد صرف دعا ہے مخاطب کرنا نہیں موصوف کے موقف کی دلیل نہیں بن سکتا بہر حال یہ سلام دعا ہے جس کا مقصد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا کرنا ہے اور دعا کا یہ طریقہ بھی وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے ہمارا خود ساختہ طریقہ نہیں ہے اس لیے اس مسنون سلام سے نہ خود ساختہ سلام کا جواز مہیا ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی مردوں سے استمداد واستعانت کا اثبات ہو سکتا ہے۔

یہ جس طرح اُس وقت کہا گیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اسی طرح کہا کرتے تھے جس طرح ہم اپنی مسجد کے اندر نماز میں تلاوت کرتے ہیں۔ يايها الكفرون ''اے کافرو'' کیا مطلب کافر ہماری مسجد میں موجود ہوتے ہیں جنہیں ہم خطاب کرتے ہیں

بلکہ نہیں یہ اُس وقت کی بات ہے جبکہ کافر مخاطب تھے تو ہم بھی اُسی طرح مخاطب کی ضمیر سے ہی خطاب کرتے ہیں اس طرح نبی ﷺ پر سلام بھیجا جاتا ہے۔

جس طرح قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّمْلُ ٱدْخُلُوا۟ مَسَٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَٰنُ وَجُنُودُهُۥ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴾ (۲۷/ سورہ نمل:۱۸)

''اے چیونٹیو! اپنے گھروں کو چلی جاؤ کہ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان علیہ السلام اور اس کے لشکر بے خبری میں۔''

غور فرمائیں یہاں پر بھی ہم کہتے ہیں اے چیونٹیو! کیا اب بھی یہ چونٹیاں ہمارا خطاب سن رہی ہیں وہ چیونٹیاں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں تھیں کیا وہ اب بھی موجود ہیں اگر نہیں تو یقیناً نہیں کیوں کہ یہ اُس وقت کی بات تھی جب چیونٹیاں موجود تھیں اُس وقت ایک چیونٹی نے کہا تھا۔ ہم آج بھی اُسی طرح پڑھتے ہیں۔

کیوں کہ یہ اُس وقت کی بات تھی آج کی بات نہیں اسی طرح جس وقت نبی ﷺ موجود تھے تو آپ کو **السلام علیك یایها النبی** کہہ کر خطاب کیا گیا تھا یہ اُس وقت کی بات تھی مگر ہم آج بھی اسی طرح تلاوت کرتے ہیں موجود ہونے کا عقیدہ ہرگز درست نہیں اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے آمین۔

اس کے آگے موصوف نے حضرت شبلی کی خود ساختہ کہانی لکھی ہے ایسے قصے بے سند باتیں ہمارے لیے حجت نہیں اس لیے کہ جب دلیل ہی نہیں تو اس کا جواب کیا معنی رکھتا ہے۔

حفیظ الرحمٰن قادری صاحب اپنی لمبی چوڑی کہانی لکھتے ہیں کہ بندے کو داتا کہنا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اتنی جلدی عربی پولیس والے نے داتا کی اردو میں لکھی ہوئی کہانی پڑھ لی اور قادری صاحب کو گرفتار کر کے بھی لے گیا حقیقت میں یہ لوگ کہانی قصہ گھڑنے کے بہت ماہر ہیں کہ ان کا دین ہی ایسے قصے کہانیوں پر مبنی ہے۔ قرآن وحدیث سے انہیں کوئی واسطہ نہیں اتنی لمبی کہانی لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ بندے کو داتا کہنا جائز ہے۔ دوسری دلیل یہ دینے کی کوشش کی ہے کہ بندے بھی اللہ کی صفات میں شریک ہیں۔ بندے کو مولانا کہتے

ہیں جبکہ قران مجید میں ہے۔

﴿ أَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (۲/ البقرہ:۲۸۶)

''تو ہمارا مولا ہے تو کافروں پر ہمیں مدد دے۔''

کہتے ہیں پھر یہ شرک نہیں ہوتا ایک اور دلیل قادری صاحب کی:

﴿ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل:۱)

''بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔''

انسان کے بارے میں کہا:

﴿ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾ (۷۶/ الدھر:۲)

''تو انہیں سنتا دیکھتا کردیا۔''

دیکھو اللہ عزوجل خود اپنی صفت سمیع اور بصیر سننے والا اور دیکھنے والا بتلا رہا ہے اور خود ہی فرما رہا ہے کہ میں نے انسان کو سمیع اور بصیر بنایا اس طرح بندہ سمیع اور بصیر بھی ہوا اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔

﴿ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۹/ توبہ:۱۲۸)

''مسلمانوں پر کمال مہربان ہیں۔''

اس طرح سورہ حشر میں فرمایا:

ترجمہ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں بادشاہ نہایت پاک سلامتی دینے والا امان بخشنے والا حفاظت فرمانے والا۔ اسی طرح کچھ اور صفات کو ذکر کرنے کے بعد قادری صاحب کہتے ہیں کہ یہ صفات اللہ کی ہیں بندوں میں بھی پائی جاتی ہیں تو کیا یہ شرک نہیں یعنی وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ خدائی صفات کو بندوں میں تسلیم کرنا شرک نہیں انہوں نے جو باتیں لکھی ہیں کہتے ہیں کہ یہ صفات اللہ کی ہیں اور بندوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ (کتاب مذکورہ صفحہ ۴۴)

الجواب: حق و باطل میں فرق تو یہاں سے واضح ہو جاتا ہے کہ:

یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہرانے کے راستے تلاش کر رہے ہیں اور ہم اللہ کے لاشریک ہونے کے دلائل پیش کر رہے ہیں میرے بھائیو! یہ بات یاد رکھو کہ اللہ کا نہ کوئی ذات میں

شریک ہے نہ صفات میں وہ ہر لحاظ سے وحدہ لا شریک ہے۔

قادری صاحب کہتے ہیں کہ اللہ بھی سمیع بندہ بھی سمیع اللہ بصیر بندہ بھی بصیر لیکن موصوف کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ اللہ جو سمیع ہے ہر وقت ہر زبان ہر بولی ہر جگہ سے ہر ایک پکار کو سننا اللہ کی صفت ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں کی مخلوق جو کچھ سنتی ہے یہ سب ماتحت الاسباب ہے اسباب کے علاوہ دور و نزدیک سے سننا مخلوق کی صفت نہیں ہے مخلوق جو سنتی ہے اس کی سماعت محدود ہے لامحدود نہیں کیوں کہ جس کسی بندے کو آواز دی جائے تو وہ ایک رینج تک آواز سنتا ہے اگر رینج کے باہر سے اُسے پکارا جائے تو وہ نہیں سنتا مثال کے طور پر محلّہ کی مسجد میں اذان بغیر لاؤڈ سپیکر کے دی جائے تو لوگوں کو سنائی نہیں دیتی جو مسجد کے تھوڑے فاصلے پر ہوں کیوں کہ بندوں کی سماعت محدود ہے۔ پھر اللہ نے اپنی قدرت دکھانے کے لیے بعض لوگوں کو سماعت کی قوت سے محروم رکھا کہ بندے کو میں قوت سماعت عطا نہیں کروں تو کوئی دے نہیں سکتا۔ بندے کی سماعت فانی ہے اللہ کی سماعت لافانی ہے۔

بندہ سمیع بننے میں اللہ کا محتاج ہے اللہ کسی کا محتاج نہیں پھر سمیع ہونے میں برابر کیسے ہو گئے اللہ بندے کو سمیع بنانے والا بندہ بننے والا دونوں برابر کیسے ہو گئے۔ اللہ سمیع ہے جو مستوی عرش ہو کہ زمین پر چلنے والی چیونٹی کی آواز کو بھی سنتا ہے کیا کوئی بندہ بھی ایسا سن سکتا ہے۔

ایسی صفت بصیر اندھیرے میں اجالے میں خشکی وتری میں دور نزدیک سے ہر چھوٹی بڑی چیز دیکھنا اللہ کی صفت ہے کسی اور کی صفت نہیں کیوں کہ بندے کا دیکھنا محدود ہے ایک حد تک انسان کی نگاہ کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے۔

روشنی میں بندہ دیکھ سکتا ہے مگر اندھیری رات میں بغیر کسی روشنی کے کچھ نہیں دیکھ سکتا۔

اسی طرح اللہ بصیر ہے مستوی عرش ہو کر زمین کے اندر نیچے سمندر کی گہرائیوں میں بھی مکمل دیکھتا ہے کیا کوئی بندہ بصیر ہونے کے لحاظ سے ایسا دیکھ سکتا ہے؟

یقیناً نہیں دیکھ سکتا تو پھر وہ اللہ کی اس صفت میں برابر کیسے ہوا؟

اگر کوئی یہ صفت اُسی طرح کسی بندے میں تسلیم کرتا ہے جیسے اللہ کی صفت ہے یہ شرک ہو گا کیوں کہ اللہ اپنی صفات میں بھی لاشریک ہے۔

دوسرا جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا﴾

(٦/ انعام:١٥١)

''(اے نبی) آپ کہہ دیجئے آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا حرام کیا ہے تم اللہ کے ساتھ ذرا سا بھی شرک نہ کرو۔''

قرآن مجید کے دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا﴾ (٧/ اعراف:٣٣)

''(اے نبی) آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً میرے پروردگار نے کھلی اور پوشیدہ بے حیائی کو گناہ اور ناحق زیادتی کو اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے کو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی حرام کیا ہے۔''

ان آیات سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو حرام قرار دیا ہے اور اس کی قرآن میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی غیر کے سمیع وبصیر ہونے کی دلیل اللہ نے قرآن میں نازل کی ہے اس طرح جو بندوں کی محدود صفات ہیں جو قرآن میں موجود ہیں تو یہ شرک نہیں ہو سکتا کیوں کہ شرک کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل ہی نہیں فرمائی۔

اگر یہ عارضی صفات شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ انسانوں کو یہ صفت عطا نہ فرماتا ایک طرف اللہ شرک کو حرام اور اس پر سخت عذاب کی وعید سناتے ہیں اس کو ظلم عظیم قرار دے اور دوسری طرف انسان کی تخلیق ایسے فرمائے کہ شرک کا نہ ہونا محال ہو جائے۔

اس کا ہرگز کوئی اہل ایمان تصور بھی نہیں کر سکتا

کیوں کہ خالق اور مخلوق کی صفات یکساں ومشابہ نہیں ہو سکتی اللہ دل کی دھڑکنوں کو بھی سنتا ہے خفیہ آواز کو بھی سنتا ہے۔

جب کے انسان کی صفات محدود ہیں پس بندے اور رب کی صفت کا زمین آسمان کا فرق ہے دونوں کی صفات کو ایک قرار دینا ظلم عظیم ہے۔

اللہ کسی سبب کا محتاج نہیں جبکہ بندہ اسباب کا محتاج ہوتا ہے۔

اللہ کی صفت اختیار کلی ہوتا ہے اس کی کوئی حد نہیں ہوتی جبکہ مخلوق کی صفت جزوی اور محدود ہوتی ہے اللہ کی صفت ابدی ہوتی ہے مخلوق کی عارضی ہوتی ہے۔

بندے کو داتا کہنا:

الجواب: داتا ہندی زبان میں اسم صفت ہے اس کے معانی دینے والا۔

اسباب کے ذریعے تو ہر انسان نیک و بد کافر مشرک عیسائی یہودی مسلم غیر مسلم ہر کوئی دے سکتا ہے۔ اگر اُس کے پاس دینے کے لیے کوئی چیز موجود ہو بغیر اسباب کے صرف اللہ ہی دے سکتا ہے۔ قرآن مجید میں انك انت الوهاب۔ ''بے شک تو ہی دینے والا ہے''۔ داتا وہ ہے جو ساری مخلوق کو روزی دیتا ہے۔

تمام مخلوقات کو روزی دینا صرف اللہ ہی کا کام ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا: الحمد اللہ رب العالمین۔ ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے''۔ حضرت علی ہجویری داتا ہیں سوچنے کی بات ہے جب وہ پیدا نہیں ہوئے تھے اُس وقت زمین داتا سے خالی تھی ان کے والدین کا داتا کون تھا انہیں کون دیتا تھا۔

داتا تو وہ ہے جو ہر ایک کی سنتا ہے ہر وقت حضرت علی ہجویری تو فوت ہو چکے ہیں اب اگر کسی نے کوئی چیز مانگنی ہو تو وہ کس سے مانگے کیوں اللہ تعالیٰ قبر والوں کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿وَمَآ أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ﴾ (۳۵/ فاطر:۲۲)

''(اے پیغمبر) آپ قبر والوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے۔''

اگر نبی ﷺ قبر میں پڑے ہوئے لوگوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے تو ہمارے بھائی حضرت علی ہجویری کو قبر میں اپنی حاجت کیسے سنا سکتے ہیں۔

ساری کائنات کا رزاق صرف اللہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ ۖ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (۲۹/ عنکبوت:۱۷)

''جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے پس

اللہ ہی کے ہاں رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ﴾ (۲۷/ النمل:٦٤)

''بھلا کون خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا پھر اس کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے کون تم کو آسمان زمین سے رزق دیتا ہے تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔''

حقیقت میں سب کچھ دینے والا اللہ ہے مگر یہ لوگ دوسروں کو بھی حصہ دار بناتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ۝ ﴾ (۱٦/ النحل:٥٦)

''ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے ایسی چیزوں کا حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو جانتے ہی نہیں اللہ کی قسم کہ جو تم افتراء کرتے ہو اس کی تم سے ضرور پرسش ہوگی۔''

ہر چیز کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے کسی اور کی ہرگز نہیں چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۝ ﴾ (۱۱/ هود:٦)

''اور زمین پر چلنے پھرنے والے نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی یہ سب کچھ کتاب روشن میں لکھا ہوا ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝ ﴾ (۲۹/ عنكبوت:٦٠)

''اور بہت سے جانور اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سب سننے والا جاننے والا ہے۔''

روزی تنگ کرنا فراخ کرنا صرف اللہ کے اختیار میں ہے اور کسی کے اختیار میں نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (۲۹/ عنکبوت:٦٢)

''اللہ ہی اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا تنگ کر دیتا ہے بیشک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴾ (٦٥/ الطلاق:٣)

''جو اللہ پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا اللہ اپنے کام کو پورا کر دیتا ہے اللہ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔''

﴿ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ (٣٤/ سبا:٢٩)

''کہہ دو کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور تم جو خرچ کرو گے اور وہ اس کے عوض دے گا وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔''

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴾ (١٦/ سورہ النحل:٧٣)

''اور اللہ کے علاوہ ایسوں کو پوجتے ہیں جو ان کو آسمان اور زمین میں روزی دینے کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ طاقت رکھتے ہیں۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ ﴾ (۳۵/ فاطر:۳)

''لوگو اللہ کے جو تم پر احسانات ہیں ان کو یاد کرو کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے اس کے سوا کوئی نہیں پس تم کہاں بہکے پھرتے ہو۔''

جس کو اللہ عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا جسے عطا نہ کرے اُسے کو دے نہیں سکتا چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ (۳۵/ فاطر:۲)

''اللہ جو اپنی رحمت کا دروازہ کھول دے تو کوئی اس کو بند کرنے والا نہیں اور جو بند کر دے تو اس کے بعد کوئی کھولنے والا نہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۝ ﴾

(۶۷/ الملك:۲۱)

''بھلا وہ اپنا رزق بند کر لے تو کون ہے جو تم کو رزق دے لیکن یہ سرکشی اور نفرت میں پھنسے ہوئے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حضرت مُغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر نماز کے بعد یہ پڑھتے تھے۔

((لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ))

(صحیح بخاری، باب الذکر بعد الصلوۃ، حدیث: ۸٤٤؛ مسلم: ۵۹۳)

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اسکا کوئی شریک نہیں اُسی کی بادشاہی ہے

وہی حمد وثنا کے لائق ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ نہیں روک سکتا جو آپ
عطا کریں اور کوئی نہیں دے سکتا جو آپ روک دیں اور نہیں فائدہ دے سکتی کسی
دولت مند کو آپ کے عذاب سے دولت۔''

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا کوئی داتا نہیں دینے والا صرف اللہ ہے اللہ کی علاوہ سب فقیر ہیں مانگنے والے ہیں ایک ہی سب کو دینے والا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴾

(۳۵/ فاطر:۱۵)

''اے لوگو تم (سب) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے پرواسزا وار حمد ثنا ہے۔''

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے دربار پر کوئی نذر و نیاز دینگے تو ہم مصیبت سے بچ جائیں گے ہمیں وہ بزرگ بچالیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اٹل فیصلہ فرمایا ہے:

﴿ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴾ (۴۸/ الفتح:۱۱)

''کہہ کہ اگر اللہ تم لوگوں کو نقصان پہنچانا چاہے یا تمہیں فائدہ پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو کون ہے جو اس کے سامنے تمہارے لیے کسی بات کا اختیار رکھے بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے۔''

اس آیت مبارکہ سے واضح ہو چکا ہے کہ اللہ کے سوا نہ کسی کے پاس نفع کا اختیار ہے نہ نقصان کا پھر ہمیں ہر حال میں اُسی پر ہی بھروسا کرنا چاہیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے غلو کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَن يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ﴾ (۵/ مائدہ:۱۷)

''کہہ دو کہ اگر اللہ عیسیٰ ابن مریم کو ان کی ماں کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے۔''

رہا یہ مسئلہ کہ اللہ مولا ہے اور بندے کو بھی مولانا کہتے ہیں یہ شرک نہیں تو عرض ہے کہ لفظ مولانا کے کئی معنی ہیں سب سے معروف معنی دوست ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بندوں کے لیے بھی استعمال کیا ہے ارشاد فرمایا:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ ﴾ (۳۳/ احزاب: ۵)

''مومنو لے پالکوں کو اپنے باپوں کے نام سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں لفظ موالیکم آیا ہے مولا کی جمع موالی ہے جس کے معنی دوست ہیں جب یہ لفظ غیر اللہ کے لیے استعمال ہوگا تو معنی محدود اور مخصوص ہونگے۔ اگر کوئی شخص کسی عالم کو مولانا کہتا تو اگر وہ اللہ کی تمام تر صفات کسی شخص میں مانتا ہے تو یہ شرک ہے اگر یہ سمجھتا ہے کہ اللہ غائبانہ طور پر مشکل کشا ہے اور وہ بھی ہے۔ اگر اللہ اپنے علم کی اعتبار سے ہر جگہ ہے اور وہ بھی ہے اللہ ہر ایک کو دینے والا ہے اور وہ بھی دینے پر قادر ہے اللہ دلوں کے حال جانتا ہے اور وہ بھی جانتا ہے۔

اللہ دل میں چھپی غیب کی باتوں کو جانتا ہے اور وہ بھی جانتا ہے۔

اللہ مشکل کشا ہے اور وہ بھی مشکل کشا ہے اور اللہ ہر ایک کے حالات سے واقف ہے اور وہ بھی ہے اور اللہ پر مشکل نہیں اُس مولانا پر بھی مشکل نہیں۔

اللہ پر موت نہیں اُس پر بھی موت نہیں اللہ ہر ایک کی پکار کو سنتا ہے وہ بندہ بھی ہر ایک کی پکار کو سنتا ہے ان اعتقادات کے ساتھ جو کسی انسان کو مولانا کہہ کر پکارتا ہے تو یہ مشرک فی الصفات ہے اگر کوئی محض دوست کے معنوں میں لفظ مولانا کسی شخص کے لیے یہ استعمال کرتا ہے تو یہ قرآن سے بھی ثابت ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے بھی ثابت ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((من كنت مولاه فعلي مولاه)) (مسند احمد، ۵/ ۱۴۱۹؛ طبرانی کبیر)
مسند بزار وغیرہ میں ہے جس کا میں (نبی ﷺ) دوست ہوں اس کا علی رضی اللہ عنہ بھی دوست ہے قرآن وسنت سے جو بات ثابت ہے۔ان الفاظ کا استعمال جائز ہے۔

اگر یہ شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ بندوں کے لیے استعمال نہ کرتے مگر داتا کا لفظ مخلوق کے لیے جو لوگ استعمال کرتے وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم جو کام کر رہے ہیں جس طرح اللہ کی نظر میں ہے اس طرح حضرت علی ہجویری کے علم میں بھی ہے۔جس طرح ہر جگہ اللہ ہماری پکار کو سنتا اور قبول کرتا ہے اسی طرح یہ بزرگ بھی سنتا اور قبول کرتا ہے۔جس طرح اللہ ہمارے دلوں کے چھپے راز جانتا ہے۔اسی طرح بزرگ بھی جانتا ہے جس زبان میں کوئی اللہ کو پکارتا ہے وہ ہر زبان جانتا ہے اسی طرح بزرگ بھی جانتا ہے۔اسی طرح وہ ہماری مشکلات کو دور کرتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات میں شریک ٹھہرانا ہے۔

اسی طرح حضرت علی ہجویری کو گنج بخش کہنا یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔جس کا معنی ہے خزانے دینے والا۔لیکن گنج بخش صرف اللہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلِلَّهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝﴾

(۶۳/ المنافقون:۷)

''آسمان اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے قبضے میں ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔''

منافق تو نہیں سمجھتے مگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

حالانکہ نبی کریم ﷺ بھی گنج بخش نہ تھے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ﴾ (۶/ انعام:۵۰)

''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجئے میں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔''

اگر نبی ﷺ کے پاس اللہ کے خزانے نہیں تھے تو آپ ﷺ سے بڑا کون ہوگا جو کسی کو خزانے بخشنے والا ہوگا۔

حضرت علی ہجویری نے خود فرمایا کہ میں گنج بخش نہیں مگر لوگ سمجھتے نہیں ۔ حضرت علی ہجویری اپنی کتاب کشف الاسرار میں اپنے آپ کو مخاطب ہو کر کہتے ہیں ۔

اے علی تجھے خلقت گنج بخش کہتی ہے اور عجب لطف ہے کہ تو ایک دانہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا اس بات کا کہ مخلوق تجھے گنج بخش کہتی ہے ۔ کبھی خیال تک بھی نہ لا ورنہ محض دعوے اور غرور ہوگا گنج بخش یعنی خزانے بخشنے پر قادر تو صرف اس کی ایک ذات ہے جو بے چوں و بے چگوں اور بے شک وشبہ مالک الملک ہے اور اس کے ساتھ شرک نہ کر بیٹھنا ورنہ زندگی تباہ ہو جائے گی بے شک وہی اکیلا خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں (سیرت گنج بخش صفحہ ۹۷، اکمل اویسی پیرزادہ)

ہمارا کام ہے بتا دینا تمہارا کام ہے مانو نہ مانو ۔ ہماری نہ مانو مگر اپنے پیر کی ہی مان لو اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ان بزرگوں کو صرف بطور وسیلہ پکارتے ہیں ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ وہ خدائی صفات سے متصف ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ محض گپ ہے ۔

خدائی صفات تسلیم کیے بغیر ان کو مافوق الاسباب طریقہ سے پکارنے کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا مگر ایک نظم میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اندر تمام خدائی صفات کا اثبات کیا گیا ہے ۔ جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ بریلوی حضرات کا عقیدہ ان بزرگوں کے بارے میں کیا ہے نظم پیش خدمت ہے غور تو کریں ذرا......!

خدا کے فضل سے ہم پر ہے سایہ غوث اعظم کا
ہمیں دو جہاں میں سہارا غوث اعظم کا

ہماری لاج کس کے ہاتھ میں ہے بغداد والے کے
بلائیں ٹال دینا کام کس کا غوث اعظم کا

جہاز تاجراں گرداب سے فوراً نکل آیا
وظیفہ جب انہوں نے پڑھ لیا یا غوث اعظم کا

گئے ایک وقت میں ستر مریدوں کے یہاں آقا
سمجھ میں آ نہیں سکتا معمہ غوث اعظم کا

شفا پاتے ہیں صدھا جاں بلب امراض مہلک سے
عجب دارالشفا ہے آستانہ غوث اعظم کا

بلاد اللہ ملکی تحت حکمی سے یہ ظاہر ہے
کہ عالم میں ہر ایک شے پر ہے قبضہ غوث اعظم کا

تحکمی نافذ فی کل حال سے ہوا ظاہر
تصرف انس و جن سب پر ہے آقا غوث اعظم کا

ہوا موقوف فوراً ہی برسنا اہل محفل پر
جو پایا ابر باراں نے اشارہ غوث اعظم کا

جو حق چاہے وہ یہ چاہیں جو یہ چاہیں وہ حق چاہے
تو مٹ سکتا ہے کس طرح چاہا غوث اعظم کا

فقیہوں کے دلوں سے دھو دیا ان کے سوالوں کو
دلوں پر ہے بنی آدم کے قبضہ غوث اعظم کا

وہ کہہ کر قُم باذن اللہ جلا دیتے تھے مردوں کو
بہت مشہور ہے احیائے موتی غوث اعظم کا

فرشتے مدرسے تک ساتھ پہنچانے کو جاتے تھے
یہ دربارِ الٰہی میں ہے رتبہ غوث اعظم کا

لعاب اپنا چٹایا احمد مختار نے ان کو
تو پھر کیسے نہ ہوتا بول بالا غوث اعظم کا

رسول اللہ نے خلعت پہنایا برسرِ مجلس
بجے کیوں کر نہ پھر عالم میں ڈنکا غوث اعظم کا

ہمارا ظاہر اور باطن ہے ان کے آگے آئینہ
کسی شے سے نہیں عالم میں پردہ غوث اعظم کا

(ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ جلد ۱۵، شمارہ ۶ مئی ۱۹۷۳ء)

اس نظم کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں جو ہم نے دلائل اس سے پہلے تحریر کیے ہیں اور جو بعد میں آیات قرآنی لکھیں گے اس پر غور کرنا اس عقیدے کو قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھنا کہ رب کا حکم کیا ہے اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کیا ہے اور ہمارے ان بھائیوں کا عقیدہ کیا ہے پھر فیصلہ خود کرنا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے پاس بھی اللہ کے خزانے نہ تھے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ﴾ (۱۱/ ھود:۳۱)

''میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔''

اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء کے پاس بھی اللہ کے خزانوں کا اختیار نہیں اللہ کے رسولوں کے پاس بھی خزانے نہیں تو اور کسی کو خزانے کہاں سے بخشیں گے جب انبیاء گنج بخش نہیں ہو سکتے تو کوئی دوسرا گنج بخش کیسے ہو سکتا ہے۔

گنج بخش صرف اللہ کی ذات ہے اہل ایمان کو اُسی ذات پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

جبریل علیہ السلام نے لڑکا عطا کیا:

حفیظ الرحمٰن قادری صاحب لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک لڑکا میرے ساتھ پڑھا کرتا تھا۔کافی عرصے کے بعد ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ اتنے عرصے کے بعد ملے ہو کہنے لگا حافظ صاحب اصل بات یہ ہے کہ آپ شرک کرتے ہیں جس کی وجہ سے میں آپ سے ملنے سے گریز کرتا ہوں میں نے کہا بھائی شرک کرنا تو ظلم عظیم ہے آپ مجھے بتاؤ کہ میں کہاں شرک کرتا ہوں کہنے لگا تم دربار جاتے ہو تو کہتے ہو'' لے لکڑ تے دے پتر۔''

یعنی تم پیروں سے لڑکے مانگتے ہو یہ تو صفت اللہ عزوجل کی ہے اور تم مخلوق سے مانگتے ہو لہٰذا یہ شرک ہے میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور مسجد میں لے گیا (قرآن سے شرک کی بو) سورہ مریم ۱۹ پارہ ۱۶ میں یہ واقعہ درج ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے حجرے میں جبریل امین علیہ السلام لباس بشری میں حاضر ہوئے حضرت مریم علیہا السلام دیکھ کر فرمانے لگیں میں تجھ سے عزوجل کی پناہ چاہتی ہوں تو کیسے یہاں آیا جبریل علیہ السلام فرمانے لگے:

﴿قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ (۱۹/ مریم:۱۹)

''بولا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔''

اس آیت مبارکہ سے صاف پتہ چل رہا ہے کہ جبریل امین علیہ السلام نے بیٹا دیا ہے اگر

جبریل امین علیہ السلام بیٹا عطا کر سکتے ہیں تو اللہ کی بارگاہ میں جو مقبول ہیں ان کا مقام کیا ہو گا؟
(کتاب بدعت کیا ہے صفحہ ۳۴)

الجواب: اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے شرک کے چور دروازے نکالنے ہوتے ہیں وہ اسی طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں کاش کہ قادری صاحب نے اللہ کے قرآن کو پڑھا ہوتا تو وہ ایسی جہالت کی بات نہ کرتے وہ خالق سے اختیار خالقیت چھین کر مخلوق کو دینے کی ناکام کوشش نہ کرتے جب کہ اس واقعہ میں صاف ظاہر ہے کہ مریم کا بیٹا رب نے دیا جبریل علیہ السلام کا پیغام سنتے ہی حضرت مریم نے کہا:

﴿ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ ﴾
(۱۹/ مریم: ۲۰)

''میرے ہاں لڑکا کیسے ہو گا مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔''

﴿ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ﴾ (۱۹/ مریم: ۲۱)

''بات تو اسی طرح ہے لیکن تیرے پروردگار کا ارشاد ہے کہ وہ مجھ پر بہت ہی آسان ہے۔''

اگر جبریل علیہ السلام بیٹا دیتے تو یہ نہ کہتے کہ تمہارے رب نے کہا یہ کام میرے لیے آسان ہے۔ نسبت بیٹا دینے کی جبریل علیہ السلام نے رب کی طرف کی یہ نہیں کہا کہ یہ کام میرے لیے آسان ہے کیوں کہ بیٹا اور بیٹی دینا یہ کسی کے اختیار میں نہیں پوری کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

دوسرا جواب:

﴿ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾

(۳/ آل عمران: ۴۸)

''مریم نے کہا پروردگار میرے ہاں بچہ کیسے ہو گا کہ کسی بشر نے مجھے ہاتھ تک تو لگایا نہیں فرمایا اللہ اسی طرح جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا

ہے ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو ہو جاتا ہے۔''

اس سے پہلی آیت مبارکہ پر غور کیا جائے تو مسئلہ اور واضح ہو جاتا ہے۔

﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ﴾

(۳/ آل عمران: ٤٥)

''جب فرشتوں نے مریم سے کہا اے مریم اللہ تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح ابن مریم ہوگا جو دنیا اور آخرت میں باآبرو اور اللہ کے خاصوں میں سے ہوگا''

غور فرمائیں کہ مریم علیہا السلام کو بیٹا دینے کی بشارت کون دے رہا ہے رب جبریل علیہ السلام کے ہاتھ دے رہا ہے جس کا نام عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام ہوگا عیسیٰ علیہ السلام کا نام رب نے خود رکھ دیا۔ تو قادری صاحب کہتے ہیں کہ بیٹا عیسیٰ علیہ السلام جبریل علیہ السلام نے دیا کتنا بڑا ظلم ہے کہ خالق کو خالق نہ مانا اور مخلوق کو خالق مان لیا۔

بنتی نہیں ہے بات بناوٹ سے بال بھر
کھل جاتی اخیر کو رنگت خضاب کی

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ﴾ (٤٢/ شوریٰ: ٤٩-٥٠)

''(تمام) بادشاہت اللہ ہی کی ہے آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی وہ جو چاہتا پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے وہ جاننے والا اور قدرت والا ہے۔''

اب مسلمانوں اپنے ضمیر سے پوچھ کر بتاؤ کہ قرآن کے مطابق بیٹے بیٹیاں دینا تو اللہ کا

کام ہے تو جبریل علیہ السلام نے کیسے بیٹا دے دیا حالانکہ مریم علیہا السلام کو تو بیٹا رب نے دیا لیکن مولوی صاحب نے قرآن کی مخالفت کر ڈالی جبریل علیہ السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کا خالق بنا دیا اور رب کے خالق ہونے کا انکار کر دیا یہ ظلم عظیم ہے اس سے توبہ کریں اور فوراً کریں کیوں کہ زندگی......!!

تعصب ہے وہ بری بلا کہ خدا کسی کو نہ دے
دے موت اور یہ بد ادا کسی کو نہ دے

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا کرنا ایک اعجاز تھا یہ پوری انسانی تاریخ کا فقط ایک ہی واقعہ ہے۔ قادری صاحب کہتے ہیں جبریل علیہ السلام بیٹا دیتے ہیں کتنا بڑا دھوکا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک کنواری لڑکی یہ کہہ سکتی ہے اے جبریل علیہ السلام مجھے بیٹا دے یا کوئی بیوہ عورت کہے مجھے بیٹا دے بلکہ آج کل جتنی بھی ناجائز اولاد پیدا ہو رہی ہے بقول قادری صاحب کے اسے جبریل علیہ السلام کی طرف ہی منسوب کیا جا سکتا ہے اور جب جبریل علیہ السلام بیٹا دے سکتا ہے اور دوسرے مقبولان خدا بھی دے سکتے ہیں۔ گزارش ہے! جو نبی علیہ السلام ہوتا ہے اللہ کو سب بندوں سے زیادہ مقبول ہوتا ہے۔ مگر نبیوں علیہم السلام میں سے کسی نے آج تک دعویٰ نہیں کیا کہ ہم اولاد دیتے ہیں۔ جب انہیں اولاد کی ضرورت پڑی تو انہوں نے اپنے رب سے ہی مانگا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا فرماتے ہیں۔

﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ ۝ ﴾ (۳۷/ الصفت:۱۰۰)

''اے میرے رب مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔''

حضرت ذکریا علیہ السلام اولاد مانگتے ہوئے فرماتے:

﴿ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ ﴾

(۳/ آل عمران:۳۸)

''پروردگار مجھے اپنی جناب سے اولاد صالح عطا فرما تو بیشک دعا سننے والا ہے۔''

جب دعا قبول ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بیٹا یحییٰ عطا فرمایا:

بالفرض اگر مقبولان خدا انبیاء علیہم السلام اولاد دینے والے ہوتے تو ضرورت کے وقت رب

سے اولاد نہ مانگتے مگر ان کا عقیدہ توحید پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے وہ جانتے تھے کہ رب کے علاوہ کوئی بھی اولاد دینے پر قادر نہیں جو قادری صاحب نے عقیدہ پیش کیا یہ قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

حفیظ الرحمٰن قادری صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ کیا غیر اللہ کے نام کی چیز حرام ہے غیر اللہ کے نام پر کوئی چیز دی جائے تو شور شرابا ہوتا ہے کہ تم غوث پاک کے نام پر نیاز دلاتے ہو داتا صاحب کے نام امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر تو یہ غیر اللہ کے نام کی تمام چیزیں حرام ہیں۔

(کتاب مذکور، ص: ۳۹)

الجواب : نذر ایک عبادت ہے یہ صرف اللہ کا حق ہے غیر اللہ کے لیے حرام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا مقام ساری کائنات کی مخلوقات سے بلند تر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت کرتے تھے اس کے باوجود پورے ذخیرہ احادیث میں ایک حدیث بھی آپ کو نہیں ملے گی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے نام کی نذر دیتے تھے یا نیاز مانتے تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر گائے وغیرہ دیتے تھے ایک لاکھ سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے بھی نہیں ملتا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کوئی دن مقرر کر کے نذر دیتے تھے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو اپنے نام کی نذر ماننے کی تعلیم نہیں فرمائی۔

قادری صاحب فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کی نذر و نیاز دینے سے شور شرابا ہوتا ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ قادری اپنے مذہب کی کتابوں سے بھی واقف نہیں ہیں فقہ حنفی کی تمام معتبر کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ نذر ایک مالی عبادت ہے نذر صرف اللہ کا حق ہے میں آپ کو اپنے ہی آئینے میں چہرہ دکھاتا ہوں۔

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زباں میری ہے بات انکی
انہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

آپ کے حنفی مذہب کی معتبر کتاب فتاوٰی عالمگیری میں لکھا ہے۔

((وَالنَّذْرُ الَّذِیْ یَقَعُ مِنْ اَکْثَرِ الْعَوَامِ بِاَنْ یَّاتِیَ اِلٰی قَبْرِ بَعْضِ الصَّلَحَاءِ وَیَرْفَعُ سَتْرَهٗ قَائِلاً یَا سَیِّدِیْ فُلَانُ اِنْ قَضَیْتَ حَاجَتِیْ فَلَكَ فِیْ مِنَ الذَّهَبِ کَذا بَاطِلٌ اِجْمَاعًا))

(فتاوٰی عالمگیری صفحہ ۲۱٦ ج اول باب الاعتکاف طبع مصر)

''اکثر عوام میں جو یہ رواج ہے کہ وہ کسی نیک آدمی کی قبر پر جا کر نذر مانتے ہیں کہ اے فلاں بزرگ اگر میری حاجت پوری ہوگئی تو اتنا سونا تمہاری قبر پر چڑھاؤں گا یہ نذر بالاجماع باطل ہے''

مزید لکھا ہے کہ جو دینار و درہم یا اور چیزیں اولیاء کرام کی قبروں پر ان کا قرب حاصل کرنے کے لیے دی جاتی ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں۔ (فتاوٰی عالمگیر حوالہ مذکور)

فقہ حنفی کی معتبر کتاب درمختار میں ہے:

((واعلم ان النذر یقع بلاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الدراھم ولشمع والذیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالا جماع باطل حرام))

(دُر مختار آخر کتاب الصوم، ج۱، ص: ۵۹۰)

''معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر عوام مردوں کے نام پر نذریں نیازیں دیتے ہیں چڑھاوے چڑھاتے ہیں اولیاء اکرام کا تقرب حاصل کرنے کے لیے مالی نذرانے پیش کرتے ہیں اوران کی قبروں پر چراغ اور تیل جلاتے ہیں یہ سب چیزیں بالاجماع باطل اورحرام ہیں۔''

اسی طرح دُرِّ مختار کی مشہور شرح ردالمختار میں اس کی شرح یوں کی گئی ہے۔

((قوله باطل وحرام لوجوه منها انهٗ نذر المخلوق والنذر لمخلوق

لایجوز لانہٗ عبادۃ والعبادۃ لاتکون لمخلوق ومنھا ان المنذولہ میّت والمیت لایملك انہٗ ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللّٰہ تعالیٰ وعتقادہٗ ذالك کفر))

(ردالمختار، جلد دوم، صفحہ: ٤٣١ طبع مصر: ١٩٦٦)

''یعنی اس نذر غیر اللہ کے باطل اور حرام ہونے کے کئی وجوہ ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ قبروں کے چڑھاوے وغیر مخلوق کے نام کی نذریں ہیں اور مخلوق کے نام کی نذر جائز ہی نہیں اس لیے کہ نذر بھی ایک عبادت ہے اور عبادت کسی مخلوق کی جائز نہیں ایک اور وجہ یہ ہے کہ جس کے نام کی نذر دی جاتی ہے وہ مردہ ہے اور مردہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نذر دینے والا شخص مردوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں حالانکہ مردوں کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے۔''

اس کے متعلق فقہ حنفی میں بہت سارے حوالہ جات موجود ہیں۔ مگر میں نے بطور نمونہ چند ہی پیش کیے ہیں تا کہ قادری صاحب اہل حدیث پر برسنے کی بجائے اپنے مسلک و حنفی مذہب کا ہی مطالعہ کر لیں تو ان پر نذر غیر اللہ کی حرمت واضح ہو جائے گی۔ ہم نے اپنی طرف سے کسی پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا بلکہ آپ کا فتویٰ آپ کے سامنے پیش کیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ ﴾

(٥/ المائدہ:٣)

''تم پر حرام ہوا جانور اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔''

نیز فرمایا:

﴿ تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ﴾ (٢/ البقرہ:١٧٣)

''اس نے تم پر مرا ہوا جانور اور خون اور سُور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے۔''

آیات مذکور میں لفظ اھل معنی پکارا گیا، نامزد کرنا، آواز لگانا، اور ذکر کرنا مراد ہے مشرکین کا اصل شرک یہی تھا کہ وہ اپنی آمدنی سے اللہ کے نام پر دینے کے ساتھ ساتھ اپنے شریکوں کا حصہ بھی نکالا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے شرکیہ عمل کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح کیا:

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَٰذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا لِشُرَكَائِنَا﴾ (٦/ انعام:١٣٦)

''اور (یہ لوگ) اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں یعنی کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں اور اپنے خیال سے کہتے ہیں کہ یہ حصّہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا۔''

معلوم یہ ہوا کہ مکہ والے اللہ کے نام پر بھی دیتے تھے نذر میں اپنے بتوں کو بھی اللہ کا شریک بناتے تھے۔ اگر کسی کو بتایا کہ بھائی یہ نذر و نیاز دینا صرف اللہ کے نام پر جائز ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بزرگوں کو ایصال ثواب کرتے ہیں ہم نے جانور تو اللہ کے نام پر دیا ہے۔ یہ بات دیکھنے والوں کو معقول لگتی ہے مگر ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ قبر والا بزرگ ہمارے حالات جانتا ہے اور حالات کو بدلنے کی بھی طاقت رکھتا ہے نفع و نقصان دینے کی قوت رکھتا ہے عالم الغیب مختار کل ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔

غور فرمائیں اگر محض ثواب پہنچانا ہے تو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا تعین کس لیے کیا جاتا ہے پھر ہر مہینے کی گیارہ تاریخ مقرر کرنے میں کیا راز ہے کیا ایصال ثواب کے لیے اُمت میں کوئی اور شخصیت نظر نہیں آتی۔

نعوذ باللہ اگر ان کو گنہگار سمجھ کر ان کو ثواب پہنچانے کی فکر میں ہو تو یہ ان کی بے ادبی ہے کیونکہ وہ تو اللہ کے نیک و صالح بندے تھے۔

اگر ان کو نیک سمجھ کر انہیں ایصال ثواب کا مستحق سمجھ لیا گیا ہے تو پھر ان سے بڑھ کر بھی

امت میں ایسی شخصیات موجود ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر ان میں ممتاز شخصیات عشرہ مبشرہ:

(۱) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۳) عثمان غنی رضی اللہ عنہ

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۵) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (۶) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

(۷) حضرت سعد رضی اللہ عنہ (۸) حضرت سعید رضی اللہ عنہ (۹) حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

(۱۰) حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ

ان کے علاوہ تابعین تبع تابعین ہیں کبھی ان کو بھی ایصال ثواب کیا ہے؟

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ نذر و نیاز عبادت ہے اور یہ خاص اللہ کا حق ہے اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

﴿وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ (۱۸/ کھف: ۱۱۰)

''اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کریں۔''

لیکن لوگوں کی کیفیت کچھ ایسی ہو چکی ہے کہ جہالت کی وجہ سے مزارات پر عورتوں کو بھی بطور چڑھاوا پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ سید عبدالوھاب اکابر اولیائے کرام میں سے ہیں۔ حضرت سیدی احمد بدوی کبیر کے مزار پر بہت بڑا میلہ اور ہجوم ہوتا تھا۔ اس مجمع میں چلے آتے تھے ایک تاجر کی کنیز پر نگاہ پڑی فوراً نگاہ پھیر لی کہ حدیث میں ارشاد ہوا پہلی نظر تیرے لیے ہے اور دوسری نظر تجھ پر یعنی پہلی نظر کا کچھ گناہ نہیں اور دوسری کا مواخذہ ہوگا خیر نگاہ تو آپ نے پھیر لی مگر وہ آپ کو پسند آئی جب مزار شریف پر حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا عبدالوھاب وہ کنیز پسند ہے۔ عرض کی ہاں اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانا نہ چاہیے۔ ارشاد فرمایا اچھا ہم نے تم کو وہ کنیز ہبہ کی اب آپ سکوت میں ہیں کہ کنیز تو اُس تاجر کی ہے اور حضور ہبہ فرما رہے ہیں معاً وہ تاجر حاضر ہوا اور اُس نے وہ کنیز مزار اقدس کی نذر کی خادم کو اشارہ ہوا۔ انہوں نے آپ کی نذر کر دی ارشاد فرمایا عبدالوھاب اب دیر کیا ہے کہ فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔

(ملفوظات اعلیٰحضرت حصہ سوئم صفحہ ۳۱۰)

احمد رضا خان صاحب کے قول سے ظاہر ہے کہ عورت بطور نذر و نیاز دی جا سکتی ہے اس

میں نہ ہی کوئی شرعی ممانعت ہے اور نہ ہی دنیا کی ملامت کیونکہ بریلوی عقیدہ کی رو سے بزرگوں کو خوش کرنا عین عبادت اور خوشنودی مولا کا موجب ہے خصوصاً حضرت پیر صاحب کو خوش کرنا تو بریلوی بالکل رضائے الٰہی کا موجب مانتے ہیں۔

مگر حدیث میں ہے۔

((لعن اللّٰہ من ذبح لِغیر اللّٰہ)) (مسند احمد ٩٥٤ نسائی ٤٤٣٢)

''اللہ کی لعنت ہو اُس آدمی پر جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا۔''

نماز میں ہر بندہ اس بات کا اقرار کرتا ہے:

((التحیات للّٰہ والصلوات والطیباتُ))

''زبان کی تمام عبادتیں، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔''

کچھ لوگ کسی درخت کے پاس جا کر اپنی نذر و نیاز مانتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ شہید بابا کی بیٹھک ہے اس کو احمد رضا خان صاحب بریلوی نے بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ اُن سے سوال کیا گیا کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت اس صورت میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں اور فلانے طاق میں شہید مرد رہتے ہیں اور اس درخت اور اس طاق کے پاس جا کر ہر جمعرات کو فاتحہ شرینی اور چاول وغیرہ لاتے ہیں ہار لٹکاتے ہیں لوبان سلگاتے ہی مرادیں مانگتے ہیں اور ایسا دستور اس شہر میں بہت جگہ واقع ہے کیا شہید مردان درختوں اور طاقوں میں رہتے ہیں اور یہ اشخاص حق پر ہیں یا باطل پر جواب عام فہم مع دستخط تحریر فرمائیے۔

الجواب: یہ سب واہیات وخرافات اور جاہلانہ حماقات و بطلات ہیں ان کا ازالہ لازم ہے۔

(احکام شریعت صفحہ۵۱ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی)

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ غیر اللہ کی نذر و نیاز دینا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے ثابت ہے غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا موجب لعنت ہے اور فقہ حنفی کے حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ نذر غیر اللہ حرام اور باطل ہے الغرض قرآن وسنت سے نذر غیر اللہ ثابت نہیں لہٰذا اہل ایمان کو چاہیے کہ ایسی چیزوں سے اجتناب کیا

جائے تمام تر نذر و نیاز صرف ایک اللہ کے لیے دینی چاہیے۔

اللہ کے فضل سے اب لوگ بہت تیزی سے صحیح بات کو سمجھ رہے ہیں شرک و بدعت کے بادل چھٹ چکے ہیں دین حق کی معرفت ہو رہی ہے۔

بقول شاعر:

آثار سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا
ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

حفیظ الرحمٰن قادری صاحب نے اس مضمون کے آخر میں دو قرانی آیات لکھی ہیں۔

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴾ (٥/ المائدہ:٨٧)

''اے ایمان والو! حرام نہ ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں کہ اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔''

دوسری آیت:

﴿ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴾

(٦/ الانعام:١١٨)

''کھاؤ اس چیز سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو۔''

الجواب ان آیات مبارکہ کا نذر غیر اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے پہلی آیت میں ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے اس کو حرام نہ ٹھہراؤ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی نذر و نیاز کو کہاں حلال قرار دیا ہے جس کو ہم حرام قرار دیتے ہیں قرآن کی کونسی آیت ہے۔ نبی پاک ﷺ کی کونسی حدیث ہے جس میں غیر اللہ کی نذر و نیاز کو حلال قرار دیا گیا ہے۔

دوسری آیت میں ہے کہ اللہ کا نام لے کر حلال چیزیں کھاؤ نہ کہ حرام۔

ہر چیز اللہ کا نام لے کر کھانے سے حلال نہیں ہو جاتی حرام کا ارتکاب کرنے سے بھی حلال چیز حرام ہو جاتی ہے مثلاً اگر کوئی کسی کی چوری کر کے حلال چیز کھائے تو وہ حرام ہو جاتی

ہے۔اگر چہ وہ چیز پاکیزہ کیوں نہ ہواگر کوئی سود کی کمائی کر کے بسم اللہ پڑھ کر کھائے تو دلیل پیش یہ کرے کہ اللہ کا نام جس پر لیا جائے اس کو کھانا حلال ہے تو کوئی عقلمند اس کی اس دلیل کو تسلیم کرے گا ہرگز نہیں لہٰذا ان آیات کا آپ کے موضوع سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

قادری صاحب نے نذر غیر اللہ کے حلال ہونے پر کوئی آیت بطور دلیل پیش کی نہ حدیث رسول اللہ ﷺ نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل پیش کر سکے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غیر اللہ کی نذر ونیاز دیتے تھے بغیر دلیل کے دعویٰ باطل ہو جاتا ہے۔

اور نہ ہی فقہ حنفی سے نذر غیر اللہ کو حلال ثابت کر سکے ہم نے فقہ حنفی سے اور قرآن سے نذر غیر اللہ کو حرام ثابت کیا ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو حق بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ہم کریں بات دلیلوں سے تو رد ہو جائے
ان کے ہونٹوں کی خاموشی بھی سند ہو جائے

تقلید کیا ہے؟

حفیظ الرحمان قادری صاحب فرماتے ہیں کہ کیا تقلید شرک ہے شریعت کے احکامات میں ہم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اس طرح کوئی تقلید میں شافعی ہے کوئی مالکی ہے اور کوئی حنبلی ہے ان آئمہ اربعہ یعنی چاروں اماموں کے پیروکار اہل سنت و جماعت کہلاتے ہیں لیکن کچھ افراد اس تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں۔ (شرک کیا صفحہ ۴۴)

الجواب: محترم قادری صاحب یہ مسئلہ ہم سے پوچھنے سے پہلے اگر اپنے پیر سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھ لیتے تو اہل توحید سے سوال کرنے کی زحمت نہ ہوتی چنانچہ اہل توحید اور اہل تقلید میں فرق یوں بیان کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں اہل توحید صاحب عنایت اور تحقیق ہوتے ہیں۔

اور اہل تقلید صاحب دنیا اہل شکایت اور مشرک ہوتے ہیں۔ (توفیق الہدایت صفحہ ۱۶۷)

پیر صاحب مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ ''کلید اور تقلید میں فرق'' کہتے ہیں۔ کلید سراسر جمعیت ہے اور تقلید بے جمعیتی اور پریشانی بلکہ اہل تقلید جاہل اور حیوان سے بھی برتر ہوتے ہیں۔ (توفیق الہدایت صفحہ ۲۰)

تقلید پر مزید بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ تقلید کی تعریف بیان کی جائے تاکہ ہر عام وخاص پر واضح ہو جائے کہ تقلید کسے کہتے ہیں اور اس لفظ کے معنی کیا ہیں۔

((اَلتَّقْلِیْدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَیْرِمِنْ غَیْرِ حُجَّۃٍ)) (مسلم الثبوت حنفی صفحہ ۳۵۰ مصری)

''بغیر دلیل کسی کے قول پر عمل کرنا تقلید ہے۔''

مختصر ابن حاجب میں ہے التقلید العمل بقول غیرك من غير حجة

(مختصر ابن حاجب مطبوعہ صفحہ ۲۳۱)

((اَلتَّقْلِیْدُ اِتِّبَاعُ الْغَیْرِ عَلٰی ظَنِّ اَنَّہٗ مُحِقٌّ بِلَا نَظَرٍ فِی الدَّلِیْلِ))

(نامی شرح حسامی حنفی صفحہ ۱۹۰)

"غیر نبی کی پیروی کرنا اس گمان سے کہ وہ لائق تر ہے بغیر کسی دلیل کے تقلید ہے۔"

بغیر دلیل ۔کے کسی کی رائے پر عمل کرنا تقلید ہے(قول سدید حنفی مطبوعہ مصر صفحہ ۶ بحوالہ)۔

(استحصال التقلید صفحہ ۱۲)

ہم نے تقلید کی تعریف کو حنفی کتب سے ہی پیش کیا تا کہ حنفی بھائی پڑھتے وقت پریشان نہ ہوں اب پیش کرتے ہیں کہ تقلید کے معنی کیا ہیں حفیظ الرحمٰن قادری خود بیان فرماتے ہیں۔

تقلید کے دو معنی ہیں ایک لغوی اور دوسرا شرعی لغوی معنی سے مراد ہے اپنے گلے میں ہار یا پٹہ ڈال لینا شرعی معنی میں کسی کے قول وفعل کو اپنے اوپر لازم کر لینا کہ یہ شریعت سے واقف ہیں اور تقلید کا مفہوم یہ بھی ہے کہ غیر کے قول کو اس کی دلیل کی معرفت کے بغیر اپنانا اور اس پر عمل کرنا۔(شرک کیا ہے مع بدعت کی حقیقت صفحہ ۴۵)

تقلید کے معنی بیان کرتے ہیں حنفی مفتی اعظم سہارنپور "تقلید کے معنی پٹہ ڈالنا قربانی کے گلے میں ہوتی ہے یا درخت وغیرہ کی چھال رسی وغیرہ میں ہار بنا کر ڈالنا۔(معلم الحجاج صفحہ ۶۸)

قارئین کرام مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں تقلید کی تعریف ومعنی آسانی سے آپ سمجھ چکے ہونگے کے کسی غیر نبی کی بات کو بغیر دلیل کے ماننا تقلید ہے۔لیکن قرآن مجید اس بات کو قبول نہیں کرتا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل:۳۶)

"جس چیز کا تجھے علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کر۔"

دوسری آیت مبارکہ میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (۲/ البقرہ:۱۱۱)

"کہہ دو اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔"

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ قرآن کریم ہمیشہ سے اللہ کی اطاعت اور نبی ﷺ کی اتباع کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اتباع سنت سے اعراض کرنے

والوں کو عذاب کا مستحق ٹھہراتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی اطاعت اور نبی ﷺ کی اتباع کرنے کے فوائد اور سعادتیں بیان کرتا ہے چنانچہ اتباع رسول کا پہلا فائدہ فرمایا:

﴿ إِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ﴾ (۲۴/ النور: ۵٤)

''میرے نبی کی اتباع کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔''

معلوم ہوا کہ ہدایت نبی پاک ﷺ کی اتباع سے مشروط ہے اس کے بغیر کوئی شخص اپنے ہدایت پر ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

دوسرا فائدہ اللہ تعالیٰ محبت اور مغفرت کا راز اتباع رسول ﷺ میں چھپا ہوا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ﴾

(۳/ آل عمران: ۳۱)

''(اے نبی) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔''

دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا:

﴿ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝ ﴾

(۳/ آل عمران: ۳۲)

''کہہ دو کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔''

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ اپنی امت سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ کی محبت کے حصول کے طلبگار ہو تو میری اتباع واطاعت کرو اور اللہ نہ صرف تم سے محبت کرے گا بلکہ تمہارے سابقہ گناہوں کو بھی معاف کردے گا اطاعت رسول کے بہت سے فائدے ہیں مگر ہم اپنے مقام پر ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ

اب صرف تقلید کا رد پیش کرتے ہیں قرآن وحدیث سے اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ (۷/ الاعراف:۳)

''اپنے رب کی طرف سے نازل ہونے والے پیغامات اور احکامات کی پیروی کرو اور اس کو چھوڑ کر اولیاء کی پیروی نہ کرو تم بہت کم سمجھتے ہو۔''

تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ ما انزل سے مراد کتاب سنت ہے اور بس۔ (قرطبی ج ۷/ ۱۶۱)

یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن وحدیث کے دلائل کی موجودگی میں علماء واولیاء کی آراء کو چھوڑ دینا چاہیے اس میں تقلید کا واضح رد موجود ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ (۴/ النساء:۶۵)

''تیرے پروردگار برحق کی قسم یہ لوگ اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے تمام معاملات وتنازعات میں تمہیں حاکم نہ مانیں اور پھر آپ کے دیے ہوئے فیصلے پر سر تسلیم خم نہ کریں۔''

ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کی تابعداری ہی میں مکمل نجات اور ہدایت ہے اور جنت میں داخلہ آپ ﷺ کی تابعداری کے ذریعے ہی ممکن ہے نبی ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا۔ (صحیح بخاری)

تو مومنوں کو تقلید کی کوئی حاجت نہیں رہتی

تقلید کا رد کرتے ہوئے رب کائنات فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

(۲/ البقرہ:۴۔۵)

''مومن وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لائے اور آپ ﷺ سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں پر ایمان کے ساتھ ساتھ

آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔صحیح معنوں میں یہی لوگ ہدایت یافتہ اور اصل کامیابی سے ہمکنار ہیں''

مذکورہ آیت مبارکہ میں بما انزل سے مراد قرآن وحدیث ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت وفلاح کو کتاب وسنت کی اتباع پر موقوف کیا ہے۔

جن لوگوں نے زندگی قرآن وسنت کے مطابق نہ گزاری ان کو آخرت میں بڑا افسوس ہوگا۔چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَٰلَيْتَنَآ أَطَعْنَا ٱللَّهَ وَأَطَعْنَا ٱلرَّسُولَا۠ ﴿٦٦﴾ وَقَالُوا۟ رَبَّنَآ إِنَّآ أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَأَضَلُّونَا ٱلسَّبِيلَا۠ ﴿٦٧﴾﴾

(۳۳/ احزاب:۶۶۔۶۷)

''جس دن ان کے منہ آگ میں الٹائے جائیں گے کہیں گے اے کاش ہم اللہ کی فرمانبرداری کرتے اور رسول کا حکم مانتے۔اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انہوں نے ہمیں رستے سے گمراہ کردیا''

یہ آیت مبارکہ تقلید کے باطل ہونے پر واضح دلیل ہے اور ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث کی تابعداری میں ہی ہدایت کا راز مضمر ہے قرآن وحدیث سے ہٹ کر کسی تیسرے کی تابعداری کا نتیجہ صرف اور صرف گمراہی ہے دینی اُمور میں اگر یہ مقلد کتاب وسنت کو سمجھتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے تو یہ ہدایت یافتہ ہے لیکن ایسی صورت میں وہ مقلد نہیں بلکہ متبع قرآن وسنت کہلائے گا۔اگر قرآن وحدیث کو نہیں سمجھتا تو یہ جاہل ہے۔اور کسی صورت میں بھی یہ نہیں جانتا کہ مقلد بن کر ہدایت پا رہا ہوں۔یہ تمام اعتراضات کا جواب ہے جن میں مقلدین حضرات اپنے آپ کو ہدایت یافتہ امام کے تابع بنا کر خود کو اس امام کے بل بوتے پر ہدایت یافتہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جب دین رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پورا ہو گیا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (۵/ المائدہ:۳)

''آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔''

اس آیت مبارکہ کو ۹ ذی الحج سنہ ۱۰ ہجری میدان عرفات میں نازل فرمایا اس کے بعد آپ ﷺ بہت تھوڑا وقت دنیا میں رہے۔ آپ کی نبوت سے جو غرض تھی یعنی دین اسلام کو مکمل کرنا جب وہ پوری ہو چکی تو اللہ کے حبیب ﷺ وہ پورا کامل دین اور غیر ناقص دین ہمیں سونپ کر دنیا سے رخصت ہوئے اور اُمت کو وصیت کر گئے کہ:

((قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنَ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ))

(رواہ الحاکم صحیح الترغیب والترھیب للالبانی جزء اول، رقم الحدیث: ۳۱)

''میں تمہارے درمیان وہ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔''

ایک دوسری حدیث میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((قال رسول اللّٰہ ﷺ انی قد ترکت فیکم شیئین لن تضلّوا بعدھما کتاب اللّٰہ وسنتی))

(رواہ الحاکم صحیح جامع الصغیر جزء ثالث رقم الحدیث: ۲۹۳۷)

''میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر ان پر عمل کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت''

قارئین محترم دو چیزوں پر دین اسلام کامل اور تمام ہوا اختلاف امت جو آخری زمانے میں ہوگا۔ اُس کا نقشہ کھینچ کہ بھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُس وقت برحق وہ جماعت ہوگی جو اس پر ہو جس پر میں اور میرے صحابہ ۔ (ترمذی)

پس اس سے معلوم کہ جو قرآن وحدیث میں ہے وہ شریعت ہے۔

جو آ گیا زبان پہ سخن ناز ہو گیا
تل جو پڑا جبیں پر وہ انداز ہو گیا

یہی دو چیزیں آپ امت کو عمل کے قابل بتا کر دنیا سے گئے۔ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس یہی دو چیزیں عمل کے لیے تھیں۔ تابعین اور تبع تابعین کا تعامل بھی انہی دو چیزوں پر رہا خیر القرون والے انہی دو چیزوں کے مطابق اپنا عمل وعقیدہ رکھتے تھے نہ کسی تیسری چیز کی انہیں ضرورت محسوس ہوئی نہ کوئی تیسری چیز انہوں نے ایجاد کی اور نہ کوئی تیسری چیز دین میں شامل ہوئی تھی نہ کوئی تیسری چیز ان دو چیزوں کے مقابلہ آ سکتی تھی۔ مکمل حجت اور دلیل مستقل صرف یہی دو چیزیں مانی جاتی تھیں۔

اور یہی دو چیزیں اس قابل بھی تھیں بقول مقلدین کہ تقلید مسلمانوں پر واجب ہے۔

کیا چاروں امام مسلمان نہ تھے انہوں نے جن لوگوں سے علم حاصل کیا ان کی تقلید کیوں نہ کی اگر تقلید کے بغیر انسان پکا مسلمان نہیں بن سکتا تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تقلید کے بغیر پکے مومن مسلمان نہ تھے تو پھر رضی اللہ عنہ کا سرٹیفکیٹ کیسے ملا؟

مقلدین حضرات کہتے ہیں کہ تقلید کے بغیر گزارہ نہیں تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گزارہ ہو گیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان دو چیزوں پر چل کر کامیاب ہوئے تو اگر آج کوئی چاروں مذاہب کے بغیر قرآن وسنت پر عمل کرے تو وہ شخص ناکام کیوں کر ہوگا۔

کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی صحابی حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی نہیں تھا پھر بھی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

لوگ کہتے ہیں فقہ کے بغیر مسائل حل نہیں ہوتے اس لیے فقہ پر چلنا ضروری ہے۔

تو عرض ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسائل فقہ حنفی کے بغیر قرآن وحدیث سے حل ہو گئے تو کیا ہمارے مسائل ان سے بھی زیادہ ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نماز پڑھتے تھے روزہ رکھتے تھے حج کرتے تھے زکوٰۃ دیتے تھے ان کے مسائل کہاں سے حل ہوتے تھے۔؟

اگر مقلد ہونا کوئی بُری بات ہے تو بتائیں یہ چاروں امام بھی تو غیر مقلد تھے جس طرح آج کل لوگ کہتے ہیں غیر مقلد گمراہ ہیں تو تم جس امام کی تقلید کرتے ہو وہ بھی تو غیر مقلد ہے۔ اگر امام ہی گمراہ ہوگا تو اس کے پیچھے چلنے والے کیسے راہِ راست پر ہوں گے۔؟

مذاہب اربعہ وآئمہ اربعہ کا ثبوت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ اس کی ضرورت تھی نہ اب ہے۔ اور مذاہب اربعہ نبی ﷺ کے زمانے میں بھی نہ تھے۔ ایک دین کی بجائے چار بنانے کی کیا حاجت ہے۔ دین تو مکمل ہو چکا تو پھر مذاہب اربعہ کو قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہمارا دین اسلام ہے اور ہم مسلمان ہیں پھر حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہلانے کی ضرورت کیا ہے۔ جس کو ہم نے اپنے اوپر لازم کرلیا۔

اگر کسی کے ساتھ نسبت کرنا ہی ہے تو وہ نسبت ایک ہی ہے جس کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں کہ تم سب محمدی بن جاؤ تو تمہیں کسی اور نسبت کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ انشاء اللہ ہم نے حلال وحرام کا اختیار اماموں کو دے دیا جو اللہ کا حق تھا چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (۹/ توبہ:۳۱)

''انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنالیا تھا۔''

یہ آیت اگر چہ یہود ونصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن یہ بات بالا تفاق قانون کی حیثیت رکھتی ہے کہ یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کے سبب کے خصوص شانِ نزول کا اعتبار ہوتا کہ اصل مسئلہ کیا ہے یہود ونصاریٰ والی برائی ہم میں تو نہیں آ گئی۔

اس سے مراد یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ نے اپنے مولویوں اور پیروں کو حرام اور حلال کا اختیار دے رکھا تھا ان کے کہنے پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال جانتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی عیسائیت سے تائب ہوکر مشرف بالاسلام ہوئے اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سورہ براۃ کی مذکورہ آیت سنی تو نبی ﷺ سے سوال کیا کہ ہم نے تو ان کو الٰہ اور معبود نہیں بنایا تھا نبی ﷺ نے جواب دیا جب وہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کہتے تو تم ان کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم نے فرمایا کہ ایسا ہی کرتے رہے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہی تو ان کی عبادت ہے۔ (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ توبہ)

کسی کی تقلید کرنا بھی اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ﴾

(۴۲/ شوریٰ:۲۱)

''کیا انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کے لیے دینی قوانین بناتے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔''

کیونکہ فقہ کے گھڑے ہوئے مسائل کی اللہ کی طرف سے کوئی اجازت نہیں اس لیے اس کا ماننا بھی اسی زمرے میں آتا ہے یہ سب کچھ تقلید ہی کا کرشمہ ہے۔

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا تھا:

ہے فقد توحید و سنت امن و راحت کا طریق
فتنہ جنگ وجدل تقلید سے پیدا نہ کر

رسول اللہ ﷺ کس منہج پر تھے جو اللہ نے خود بیان فرمایا:

﴿ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾

(۴۳/ الزخرف:۴۳)

''پس تمہاری طرف جو وحی کی گئی ہے اس کو مضبوط پکڑے رہو بیشک تم سیدھے رستے پر ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے دو شراکتوں کی نفی کی ہے ایک شراکت وہ جس کی عبادت میں ہو۔ عبادت کی شراکت قبول نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴾ (۱۸/ کھف:۱۱۰)

'' کہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔''

جس طرح اللہ تعالیٰ نے عبادت میں شراکت کی نفی ہے اس طرح اپنے نظامِ قانون اور اپنے امر میں شراکت کو قبول نہیں کیا ارشاد فرمایا:

﴿ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴾ (۱۸/ کھف:۲۶)

''اور وہ کسی کو اپنے حکم میں شریک نہیں کرتا۔''

لوگ کہتے ہیں کہ چار مذاہب میں سے کوئی ایک مذہب کا پیروکار ہونا ضروری ہے۔
حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے چار لکیریں کھینچ کر مسئلہ حق سمجھا دیا صراط مستقیم کی نشان دہی فرما دی:

((عن جابر بن عبداللّٰہ قال کنا عندالنبی ﷺ فخط خطا و خط خطین عن یمینہٖ خط خطین عن یسارہٖ ثم وضع یدہ فی الخط الاوسط فقال ھذا سبیل اللّٰہ ثم تلا ھذہٖ الایۃ، واَن ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتعبو السبل متفرق عن سبیلہٖ))

(ابن ماجہ باب اتباع سنۃ رسول اللہ رقم الحدیث ۱۱)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور اس کی دائیں جانب دو لکیریں اور بائیں جانب دو لکیریں کھینچیں اور اس طرح پھر درمیان کی سیدھی لکیر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: یہی اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے اس پر چلو اور اِدھر اُدھر کی (چاروں) راہوں میں کسی راہ پر نہ چلو ورنہ راہ راست سے بھٹک جاؤ گے۔''

سوچنے کی بات ہے کہ جب چاروں امام پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو اس سے پہلے کیا زمین پر اللہ کا دین موجود نہ تھا صحابہ وتابعین کس دین پر تھے کیونکہ یہ امام تو بہت بعد میں پیدا ہوئے:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ۹۳ یا ۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔

ہر مسلک والا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم پہلے تم بعد کی پیداوار ہو مگر میں کہتا ہوں کہ باپ سے پہلے بیٹا نہیں ہوتا یہ ایک ایسا اصول ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔
معلوم یہ ہوا کہ اسی ''۸۰'' ہجری سے پہلے حنفی مذہب نام کا کوئی مسلک زمین پر موجود نہ

تھا اس سے پہلے حنفی مقلد نامی کوئی مسلمان زمین پر موجود نہ تھا کیونکہ امام پہلے ہوگا پھر تقلید کرنے والے بعد میں آئیں گے۔

۹۳ ہجری سے پہلے مالکی مذہب کا کوئی گروہ موجود نہ تھا۔

۱۵۰ ہجری سے پہلے شافعی مذہب نام کا کوئی مسلک زمین پر موجود نہ تھا۔

۱۶۴ ہجری سے پہلے حنبلی مذہب کا کوئی گروہ موجود نہ تھا۔

اگر گروہ موجود تھا تو وہ محمدی گروہ قرآن وسنت کو ماننے والے رسول اللہ ﷺ کے دور میں بھی موجود تھے اس وقت اللہ کا دین کامل موجود تھا جو رسول اللہ ﷺ لوگوں کو دے کر گئے تھے۔

تقلید ایک ایسی برائی ہے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی منع کیا ہے۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((اما العالم فان اهتدى فلا تقلدوه دينكم))۔

(حلية اولياء، ۵/ ۹۷ بسند حسن قال ابو نعيم الاصبحانى هو الصحيح)

''اگر عالم ہدایت پر بھی ہو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لا تقلدوا دينكم الرجال))

(السنن الكبرٰى بيهقى ۲/ ۱۱۰ وسنده صحيح)

''تم اپنے دین میں لوگوں کی تقلید نہ کرو۔'' (بحوالہ علمی مقالات ج۱ص۲۲۰)

یہی وجہ ہے کہ جس چیز سے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منع کرتے تھے آج اُسی چیز سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پہ چلنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہم عقیدہ وھابی منع کرتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی صحابی رضی اللہ عنہ مقلد نہ تھا۔ سب متبع سنت تھے مقلدین حضرات حقیقت میں اماموں کی بات بھی نہیں مانتے کیونکہ چاروں اماموں نے تقلید سے منع فرمایا تھا۔

چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

((حرام على من لم يعرف دليلى ان يفتى بكلامى))

(میزان شعرانی صفحہ ٤٨ جلد ١)

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس کو میرے کہنے کی دلیل معلوم نہ ہو اس کو میرے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے۔

ایک دوسرے مقام پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پوری عبارت نقل کر دیتا ہوں

((قال ابو حنیفه لااقلدالتابعي لانهم رجال ونحن رجال ولا یصح تقلیده)) (طبع یوسفی، صفحه: ٢١٩)

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تابعی کی تقلید نہیں کرتا اس لیے وہ بھی ہماری طرح انسان ہیں اس کی تقلید جائز نہیں۔''

ایک اور مقام پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

((قال ابو حنیفه لا یحل لا حدان یا خذبقولی مالم یعلم من این قلتهٗ ونهی عندالتقلید وندب الی الدلیل))

(مقدمه عمدة الرعایه، صفحه: ٩ بحواله استیصال التقلید، صفحه: ٣٠)

''ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کسی کو حلال نہیں کہ میرے قول کو لے جب تک یہ نہ جانے کہ میں نے کہاں سے کہا تقلید سے منع کیا۔''

قارئین محترم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو واضح اپنے موقف کا اظہار فرمادیا:

اگر کوئی ان کی بات کو نہیں مانتا تو اس کا وبال اُسی پر ہوگا۔انہوں نے اظہار حق فرمادیا اپنا فریضہ ادا کردیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((کان الامام مالك یقول مامن احد الا وماخذ من کلامه ومردودٌ علیه الارسول الله ﷺ)) (میزان شعرانی، ج ١، ص: ٤٨)

''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ کوئی وجود ایسا نہیں جس کا ہر کلام قابل عمل ہو سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔'' (بحواله استیصال التقلید صفحه ٣١)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا:

((قال الشافعی اذا قلت قولا و کان النبی ﷺ قال خلاف قولی فما یصح من النبی ﷺ اولیٰ فلا تقلدو نی۔ (عقد الجید صفحہ ٤٥)
فقد صح عن شافعی انهٗ نهی عن تقلیدهٖ و تقلید غیرہ

(عقد الجید، صفحہ: ٤٥)

''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب میں کوئی مسئلہ بتاؤں اور نبی ﷺ کا ارشاد میرے قول کے خلاف ہو تو جو مسئلہ صحیح حدیث سے ثابت ہو وہی زیادہ تر لائق ہے میری تقلید مت کرو۔ (عقد الجید صفحہ ۴۵) پھر فرمایا جب صحیح حدیث مل جائے پس وہی میرا مذہب ہے میرا کلام حدیث کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل کرو اور میرے کلام کو دیوار پر دے مارو میری تقلید مت کرو۔
دوسرے قول کا ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقلید اور غیر کی تقلید سے منع فرمایا:

(بحوالہ استیصال التقلید صفحہ ۳۱)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

((و کان الامام احمد یقول لیس لا حد مع الله ورسوله کلا م لا تقلدونی ولا تقلدن مالکا ولا الا وزاعی ولا النخعی وغیر هم))
''امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے نہ میری تقلید کرنا نہ مالک کی نہ اوزاعی اور نہ نخعی کی اور نہ کسی اور کی کتاب سنت سے احکام لو جہاں سے انہوں نے لیے''۔
(عقدالجید صفحہ ۵۲ بحوالہ استیصال التقلید صفحہ ۳۲)
غور فرمائیں کہ چاروں امام تو تقلید سے منع فرمائیں مگر ان کے مقلدان کی نافرمانی کرتے ہیں۔ تقلید کو واجب فرض بتائیں اور دعویٰ یہ کہ ہم چار اماموں کی بات مانتے ہیں کیونکہ چاروں اماموں کا مذہب مقلدین حضرات سے الگ ہے کہ وہ تو سب غیر مقلد تھے کسی شاعر نے کیا خوب کہا تھا:

یہ آئی کون سی منزل نہ ساحل ہے نہ دریا
شناور بحر غم کا اب کہاں ڈوبے کہاں نکلے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چوتھی صدی والے بھی کسی شخص خاص کی تقلید پر مجتمع نہیں تھے۔ (حجة الله البالغه صفحه ٢٢)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝ ﴾

(٤٧/ محمد:٣٣)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (اور اس سے ہٹ کر) اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔"

معلوم ہوا کہ جو اعمال اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں کیے جائیں گے وہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں اور جو اس سے ہٹ کر کیے جائیں گے وہ سب مردود ہیں۔

لیکن ہمارے معاشرے میں لوگ تقلید میں بری طرح گرفتار نظر آتے ہیں اور چھوڑنے کو بھی تیار نہیں اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح کیا کرتے تھے چنانچہ یہ بات آج کی نہیں بلکہ ہزاروں سال پرانی بات ہے قرآن مجید نے اس نظریے کو جابجا بیان کیا ہے:

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾

(٢/ البقره:١٧٠)

"اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے اتارا ہے اس پر چلو تو جواب دیتے ہیں نہیں جی ہم تو اسی طریقے پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھے راستے پر ہوں (یعنی تب بھی وہ انہی کی تقلید کریں گے)۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

جب ابراہیم علیہ السلام کو وحی کی طرف دعوت دی تو انہوں نے یہی جواب دیا:

﴿ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ ﴾ (٢١/ انبياء:٥٣)

''ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے ہوئے پایا۔''

اس کے جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے کہا: (لقد کنتم انتم و ابائو کم فی ضلال مبین)''تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے ہیں۔''۔

ایک اور مقام پر ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے ہم تیری تبلیغ سے اپنے آبائی مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے ہم وہی کریں گے جو وہ کرتے تھے۔

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَآ ۚ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَٰنُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴾

(۳۱/ لقمان: ۲۱)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے اسکی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا بھلا اگرچہ شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو۔''

ایک اور مقام پر دعوت الی اللہ کے جواب میں کہتے ہیں:

﴿ حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَآ ﴾ (۵/ المائدہ: ۱۰۴)

''جس طریق پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہی ہمیں کافی ہے۔''

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو اللہ کے دین کی طرف بلایا دلائل پیش کیے تو قوم نے جواب دیا:

﴿ قَالُوٓا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُۥ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ ءَابَآؤُنَا ﴾

(۷/ الاعراف: ۷۰)

''وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں ان کو چھوڑ دیں۔''

کچھ اور گمراہ مشرکوں نے کہا:

﴿ قَالُوٓا إِنَّا وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم مُّهْتَدُونَ ﴾

(۴۳/ الزخرف: ۲۲)

''کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رستے پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے

قدم بقدم چل رہے ہیں ۔‘‘

یہ ایک روش ہے کہ یہ نہیں دیکھنا کہ آباء کے عقائد واعمال درست تھے یا غلط تھے تحقیق نہ کرنا اندھا دھند آباء کی راہ پر چلنا بغیر دلیل کے یہی تو تقلید ہے بغیر دلیل کے بڑوں کی بات دینی مسائل میں ماننا۔ تمام انبیاء ورسل اپنی امتوں کے سامنے دلائل پیش کرتے تھے علم وعرفانی کے دریا بہاتے تھے لیکن ان کی امتیں بغیر دلیل کے اپنے بڑوں کی بات مانتی تھیں گویا کہ تمام امتوں کے گمراہ لوگوں کا یہی عقیدہ تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ ﴾

(۴۳/ الزخرف:۲۳)

’’اور اسی طرح ہم نے تم سے پہلے کسی بستی میں کوئی ہدایت کرنے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم قدم بقدم ان ہی کے پیچھے چلتے ہیں۔‘‘

جب انبیاء کرام لوگوں کو پوچھتے کہ تم جہالت کے کام کیوں کرتے ہو تو وہ آگے سے جواب دیتے:

﴿ بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾ (۲۶/ شعراء:۷۴)

’’انہوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا۔‘‘

علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا تھا

اگر تقلید بودے شیوہ خوب
پیغمبر ہم رہ اجداد رفتے

ترجمہ: اگر تقلید اچھا طریقہ ہوتا تو رسول اپنے آباؤ اجداد کے راستے پر چلتے

مقلدین کے تقلیدی دلائل کے تحقیقی جوابات

﴿فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (١٦/ النحل:٤٣)

''اے لوگو!علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔''

قادری صاحب نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید ثابت کرنے کے لیے یہ آیت مبارکہ پیش کی ہے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۵ پر۔

الجواب: پہلی بات کہ یہ آیت اہل کتاب یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے،اس کا شان نزول تفسیر ابن جریر اور دیگر تفاسیر میں ہے اور آیت کے سیاق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی۔

اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ آیت عام ہے پھر بھی اس سے مروجہ تقلید ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِن کنتم لا تعلمون کی قید لگائی ہے تو کیا مقلد عالم ہوتا ہے یا جاہل۔

اگر عالم ہوتا ہے تو پھر تقلید کی ضرورت کیوں محسوس کرتا ہے اور اگر جاہل ہوتا ہے تو اس آیت سے تقلید کے اثبات پر اس نے استدلال کیسے کیا؟

تیسری بات یہ ہے کہ اس میں اھل الذکر کا لفظ آیا ہے کہ عوم الناس علماء سے مطلوبہ مسائل کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم کریں گے اور علماء کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بتائیں گے جس کے نتیجے میں عوام الناس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل پیرا ہو جائیں گے اور علماء ان تک حق کی رسائی کا ذریعہ اور واسطہ بن جائیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ تم علماء کی رائے پر عمل کرو اور ان کی بے دلیل باتوں پر عمل کرو یا ان کی تقلید کرو۔

میں حیران ہوں کہ قادری صاحب کو ہر چیز میں تقلید نظر آتی ہے اگر یہی چیز تقلید ہے تو پھر آج کل جو لوگ علماء احناف سے سوال کرتے ہیں کیا وہ ان ہی علماء کے مقلد ہیں مگر یہ کلیہ

آپ کے ہاں رائج نہیں ہے بلکہ وہ سوال پوچھنے کے باوجود بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہی مقلد ہیں تو علمائے اہل حدیث سے پوچھنے کے بعد بھی وہ متبع رسول ہی رہیں گے ان علماء حق کے مقلد نہیں ہونگے۔ ایک حنفی عالم ایک جاہل حنفی کو وہی مسئلے بتاتا ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے تعلق رکھتے ہوں گے اور وہ جاہل حنفی بھی حنفی عالم سے اس لیے سوال کرتا ہے کہ وہ عالم اسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مابین صرف واسطہ ہوتا ہے۔

بات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہی ہوتی ہے اور اس لیے وہ حنفی ہی رہتا ہے بالکل اسی طرح ایک عام اہل حدیث ایک اہل حدیث عالم سے سوال کرتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ عالم ہے۔ وہ اسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بات بتائے گا اور وہ عالم دین یقیناً اسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی بات بتاتا ہے اور وہ عالم دین اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُس عام اہل حدیث مسلمان کے درمیان واسطہ ہوتا ہے لہٰذا وہ مسلمان اس عالم دین کی بات سن کر اس عالم دین کا مقلد نہیں بنتا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطیع رہتا ہے۔ ایک مسلمان جب کسی عالم دین سے سوال پوچھتا ہے تو اس حسن ظن کی بنیاد پر پوچھتا ہے کہ وہ عالم اسے اپنی رائے کا مقلد نہیں بنائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتائے گا برخلاف اس کے ایک مقلد اپنے عالم سے تو یہی توقع رکھتا ہے۔ کہ وہ اسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بتائے گا یہاں پہنچ کر غالباً آپ یہ کہیں گے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بات ہوگی گویا کہ جاہل حنفی اور اللہ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مابین وہ حنفی عالم اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دونوں واسطے کا ہی کام کررہے ہیں۔

لہٰذا وہ جاہل اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی متبع ہوا نہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تو پھر سوال یہ ہے کہ آپ کیوں اسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد کہتے ہیں پھر یوں کیوں نہیں کہتے کہ وہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہے۔ اگر آپ اس طرح کہنے لگیں تو تقلید کا صفایا ہو جائے گا لیکن غالباً آپ کو یہ منظور نہیں کہ تقلید اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت ختم کی جائے تو پھر اسکا مطلب یہ نکلے گا کہ آپ کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پسند نہیں۔ کیا یہ مومن کا شعار ہے؟

قادری صاحب کا اس آیت سے استدلال یہ ہے کہ جو بے علم شخص عالم سے مسئلہ پوچھ

کر عمل کرے گا تو یہ تقلید ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بے علم آدمی کون سے علماء سے مسائل کا حل طلب کرے گا۔ ان سے جو وفات پا چکے ہیں یا ان سے جو زندہ ہیں۔

تصفیہ طلب مسائل کے حل کے لیے فوت شدگان کا انتخاب ناممکن ہے تو لامحالہ زندہ علماء کرام سے ہی رابطہ کرنا پڑے گا جو کہ قرآن وحدیث کے موافق جواب دیں گے تو ایسی صورت میں بے علم شخص نہ تو حنفی رہ سکے گا اور نہ شافعی وحنبلی نہ مالکی وغیرہ بلکہ وہ متبع کتاب وسنت کہلائے گا۔

اگر ان پڑھ آدمی جس عالم سے پوچھ کر عمل کرے گا تو پھر اسی عالم کا مقلد ہوگا نہ کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کیوں کہ اُس نے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مسئلہ پوچھا ہی نہیں ہر طرح آدمی اپنی مسجد کے امام کا مقلد بن جائے گا۔

اگر کسی سے سوال پوچھنے سے انسان اُس کا مقلد بن جاتا ہے تو پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب مدرسہ میں پڑھ رہے تھے تو اپنے اساتذہ سے سوال پوچھتے رہے وہ اپنے اساتذہ کے مقلد کیوں نہ بنے اسی طرح دوسرے کسی امام سے دین کا مسئلہ پوچھنا کس طرح تقلید بن جاتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس آیت مبارکہ کا تقلید سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

یہ مقلدین کی سینہ زوری ہے ورنہ اللہ کی کتاب کا تقلید کی تعلیم سے کوئی واسطہ نہیں

حفیظ الرحمٰن قادری کی دوسری دلیل:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

(٤/ النساء:٥٩)

''اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔'' (کنز الایمان)

الجواب: اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((نَزَلَتْ فِيْ عَبْدِاللّٰهِ بِنْ حُزَافَتَه بِنْ قَيْسِ بِنْ عَدِيّ اِذْ بَعَثَهُ النبيُّ ﷺ فِيْ سَرِيَّةٍ)) (صحيح بخاري، كتاب التفسير: ١٤٧)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ سَرِيَّةً وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهَا رَجُلاً مِنَ الأَنْصَارِ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يُطِيعُوهُ)) (صحیح بخاری، المغازی، صفحہ: ٥٦٥)

''یہ آیت حضرت عبداللہ بن حزافہ رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک لشکر پر امیر بنا کر روانہ کیا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ کیا اُس پر آپ ﷺ نے ایک انصاری کو امیر مقرر کیا اور اہل لشکر کو حکم دیا کہ ان کی اطاعت کریں۔''

پھر امیر کسی وجہ سے غصہ ہو گئے اور اپنے فوجیوں سے پوچھا کہ کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے میری اطاعت کرنے کا حکم نہیں فرمایا تھا سب نے کہا ہاں فرمایا ہے انہوں نے کہا پھر تم سب لکڑیاں جمع کرو انہوں نے لکڑیاں جمع کیں تو امیر نے حکم دیا کہ اس میں آگ لگاؤ اور انہوں نے آگ لگا دی۔ اب انہوں نے حکم دیا کہ سب اس میں کود جاؤ فوجی کود جانا ہی چاہتے تھے کہ انہیں میں سے بعض نے بعض کو روکا اور کہا کہ ہم تو اس آگ ہی کے خوف سے رسول اللہ ﷺ کی طرف آئے ہیں ان باتوں میں وقت گزر گیا اور آگ بھی بجھ گئی اس کے بعد امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا جب اس کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ اس میں کود جاتے تو پھر قیامت تک اس میں سے نہ نکلتے اطاعت کا حکم صرف نیک کاموں کے لیے ہیں۔ (بخاری، کتاب المغازی، حدیث:۴۳۴۰)

اس سے معلوم ہوا کہ امام خلیفہ پیر و مرشد کی اطاعت صرف قرآن و حدیث کے مطابق احکام کے اندر ہے اگر وہ خلاف بات کہیں تو پھر ان کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔

قادری صاحب آپ بتائیں یہ مرفوع احادیث کیا بتلا رہی ہیں کیا ان احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اولوالامر سے مراد امراء ہیں جب کہ احمد رضا خان کا جو ترجمہ آپ نے نقل کیا ہے اس نے ہی مسئلہ حل کر دیا کہ ان کا حکم مانو جو حکومت والے ہیں اس سے مراد خلیفہ وقت حکمران ہیں نہ کہ کوئی مولوی امام سوال یہ ہے کہ: اولی الامر میں لفظ امر واقعہ ہوا ہے بتلا رہا ہے یہ امراء کا مادہ ہے یا علماء کا علماء کا مادہ تو علم ہے کہ امر پھر آپ کیسے علماء اور امام مراد لیتے ہیں؟

آج کل بھی کئی مشرک لوگ کہہ دیتے ہیں کہ آؤ اس مسئلہ میں آگ میں چھلانگ لگاتے ہیں کہ کون سچا ہے اس بات کا بھی اس حدیث مبارکہ میں رد موجود ہے۔ یہ باتیں وہی لوگ کرتے ہیں جن کا دامن قرآن وسنت کے دلائل سے خالی ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قادری صاحب فرمائیں گے اولوالامر سے مراد چاروں امام اس یا کہ ایک مذکورہ آیت کے کس لفظ سے آپ آئمہ اربعہ اور ان میں سے کسی ایک امام کی تقلید کو واجب کہتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے تقلید شخصی کیسے ثابت ہوگئی؟ تقلید شخصی کا اس آیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں کاش آپ تقلید شخصی کے ثبوت میں کوئی آیت پیش کرتے۔ یہاں ایک اور لفظ بھی قابل غور ہے کہ ''منکم'' جو تم میں موجود ہوں۔

میری گزارش یہ ہے کہ آپ اللہ کو گواہ بنا کر بتلائیں کہ اس آیت سے مراد زندہ علماء امراء مراد ہیں کہ فوت شدہ اگر زندہ مراد ہیں تو پھر آپ فوت شدہ کی تقلید کیوں کرتے ہیں اگر فوت شدہ امیر کی اطاعت لازم ہو تو پھر بڑا فساد پیدا ہوگا موجودہ امیر کیا یہ برداشت کرے گا کہ اس کی اطاعت تو نہ کی جائے بلکہ ایک فوت شدہ امیر کی اطاعت کی جائے یہ تو انتہائی مشکل مرحلہ ہوگا کہ فوت شدہ امیر کی تو اطاعت کی جائے اور زندہ کی نافرمانی کی جائے، پھر فوت شدہ امیروں میں سے اگر کسی ایک کی اطاعت لازمی ہوگی تو بتائیں اسکا انتخاب کیسے ہوگا؟

اگر کوئی غور کرے تو اس بات کا جواب اس آیت کے اگلے جملے میں موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (٤/ النساء:٦٣)

''اگر کسی معاملہ میں تمہارا باہم اختلاف ہو جائے تو اس معاملے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو اگر اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔''

مقلدین سے ایک ایسا سوال کرتے ہیں جس پر غور کرنے سے تقلید کا صفایا ہو جاتا ہے۔

اے جماعت مقلدین تم سلف وخلف تمام علماء کی تقلید جائز جانتے ہو؟

یا کہ بعض کی تقلید جائز اور بعض کی نا جائز؟

اگر سب کی تقلید جائز ہے تو پھر ایک کے پیچھے پڑ جانے کی کیا وجہ؟

جیسے امام کی ذات قابل تقلید ہے۔ دوسرے امام کی بھی ہے کیا وجہ کہ عمر بھر اسی ایک امام کی مانی جائے۔ اسی کے بتائے ہوئے حرام وحلال کو سمجھا جائے اور بر سرے حق بھی صرف اسی ایک کو سمجھا جائے کیا وجہ کہ اس کی ایک بات بھی نہ چھوڑی جائے اور دوسرے امام کی ایک بات بھی نہ مانی جائے حالانکہ عالم یہ بھی ہے عالم وہ بھی اور تقلید اس کی بھی جائز تقلید اس کی بھی جائز۔ اگر واقعی ان کی تقلید دین ہے تو ان کے اقوال بھی دین ہیں پھر جن کے اقوال آپ نے چھوڑ دیے وہ بھی دین تھا جس سے آپ دست بردار ہو گئے اور اگر ان کے اقوال دین نہیں ہیں تو پھر ان کا ماننا کیسا' بہرصورت یوں اور دوں تمہاری تقلید تو باقی رہ نہیں سکتی آؤ اس کی وضاحت سنو جس کی تقلید آپ کرتے ہیں جب اس سے کسی مسئلے میں دو قول مروی ہوئے ہیں تو تمہارے نزدیک دونوں قابل عمل ہیں دونوں مذہب میں داخل ہیں۔ جب یہ ہے تو جیسے یہ مجتہدین دوسرے مجتہدین دوسرے مجتہد کے قول کو جو ان کے قول کے خلاف ہے۔

انہی کے قول کا درجہ دیکر دونوں کے قول مثل اس ایک یا دو قول کے کیوں داخل مذہب اور قابل نہیں جانتے؟ بہت ممکن ہے بلکہ ایسا واقع ہے کہ اس امام کے قول سے اس امام کا قول کتاب وسنت کے قریب اور قبولیت کے زیادہ لائق ہوتا ہے۔ (علام الموقعین صفحہ ج ا صفحہ ۵۱۱)

مقلدین کو دعوت فکر دینے کے لیے چند لا جواب سوالات

مولانا حفیظ الرحمٰن قادری سمیت تمام حنفی مقلدین میں سے کسی نے آج تک ان سوالوں کے جوابات نہیں ہے۔

① کیا تقلید شخصی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے زمانے میں تھی؟

② خود چاروں اماموں نے تقلید کے متعلق کیا فرمایا؟

③ اجماع کی تعریف کریں اور کن لوگوں کا اجماع معتبر ہے کیا تقلید شخصی پر اجماع ہوا ہے اگر ہوا ہے تو کب کہاں اور کن کا؟

④ مجتہد کسے کہتے ہیں کیا ہر مجتہد کی تقلید فرض ہوتی ہے؟ کیا چودہ سو سالوں میں صرف چار ہی مجتہد پیدا ہوئے ہیں؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ علیہم میں سے کوئی مجتہد نہیں ہوا؟

⑤ ان چار آئمہ نے کیسے تعلیم پائی بذریعہ وحی یا دیگر آئمہ سے؟ اگر دیگر آئمہ سے انہوں نے تعلیم حاصل کی تو کیا ان کے اساتذہ ان سے افضل تھے یا مفضول؟ اگر افضل تھے تو ان کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟

⑥ چاروں آئمہ افضل ہیں یا چاروں خلفائے الرشدین رضی اللہ عنہم؟ اگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم افضل ہیں تو ان کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟

⑦ اگر چار میں سے کس ایک امام کی تقلید کرنا ہے تو ہمیں کیا خبر کہ ان میں سے کس کے مسائل صحیح ہیں؟ اور کس کے غلط؟ اگر یہ چاروں مذہب برحق ہیں جیسا کہ مقلدین حضرات کہا کرتے ہیں تو ایک مذہب پر عمل کرنے سے حق کے تین حصے ہم چھوڑ جاتے تھے؟

⑧ چاروں اماموں سے پہلے بھی یہ تقلید جاری تھی یا نہیں اور اگر تھی تو کس کی؟

⑨ اس وقت اس امام کی تقلید فرض ہے واجب ہے یا مباح تھی یا نہیں اگر تھی تو کیوں اور نہیں تھی تو کیوں اور پھر ان اماموں کے آنے سے منسوخ کیوں ہوئی؟

⑩ چار اماموں سے پہلے جس امام کی تقلید جاری تھی اس کا نام کیا تھا اور اب بھی اس کی تقلید فرض واجب یا مباح ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیوں کب منع ہوئی کس نے اس منصب پر آئمہ کو پہنچایا؟

⑪ چاروں امام امامت کی حیثیت سے دنیا میں آئے اس سے پہلے اسلام پر سو سال سے زائد عرصہ بیت چکا تھا۔ تب تک یہ امام نہ تھے اور نہ یہ مقلد تو اس وقت کے مسلمان مسلمان بھی تھے یا نہ تھے اور مسلمان تھے تو پورے یا ادھورے کیوں کہ تقلید تو اس وقت تھی ہی نہیں بلکہ امام بھی نہ تھے جن کی تقلید عرصہ دراز بعد شروع ہوئی اگر باوجود تقلید نہ کرنے کے، وہ لوگ مسلمان تھے اور کامل مسلمان تھے تو آج اسلام کا کون سا روپ مارا جاتا ہے؟

جو تقلید کی ایجاد کی ضرورت پیش آئی کیا صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ علیہم کا اسلام ہمیں کافی نہیں جو نئے نویلے اسلام کی ضرورت ہو۔؟

⑫ چار اماموں سے قبل چاروں خلیفہ کی تقلید کی جاتی تھی یا نہیں جب نہیں کی جاتی تھی تو پھر اماموں کی تقلید کیوں کی جائے؟

⑬ چاروں امام مقلد تھے یا کہ نہیں اگر مقلد تھے تو کس کے اگر نہیں تھے تو کیوں؟ (ماخذ ضرب محمدی)

⑭ کیا تقلید کے بغیر دین پر عمل کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ اگر ممکن ہے تو پھر تقلید کو کیوں فرض قرار دیا جاتا ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کسی بھی امام کی تقلید کے بغیر دین پر عمل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تقلید کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر تقلید کے بغیر دین پر عمل نہیں ہو سکتا تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور امت کا بہت بڑا حصہ مقلدین کے نزدیک بے دین اور بے عمل ٹھہرا کیوں کے انہوں نے تو کسی امام کی تقلید نہیں کی اور یہ سوچ رکھنا گستاخی اور بدنصیبی کی بات ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کو بے دین اور بے عمل کہا جائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تقلید کی کوئی ضرورت نہیں اگر ہے تو جواب دیا جائے؟

⑮ کیا کتاب وسنت اپنی توضیح میں امام رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے اقوال کے محتاج ہیں یا امام صاحب کے اقوال کتاب وسنت کے محتاج ہیں۔ اگر کتاب وسنت امام صاحب کی شرح کے محتاج ہیں تو پھر ایسی آیت حدیث مطلوب ہے جس کی تشریح یا تفسیر امام صاحب نے کی ہو جو کہ کبھی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی اور اگر امام صاحب کے اقوال قرآن وسنت کے محتاج ہیں جو کہ حقیقت بھی ہے۔ تو پھر مسلمانوں کو اس شخص کا محتاج کیوں بنایا جاتا ہے جو کہ خود محتاج ہے امام صاحب کے اقوال کی صحت یا ابطال کے لیے قرآن وحدیث سے تو دلیل لی جا سکتی ہے۔ لیکن قرآن وحدیث کے لیے امام صاحب کے اقوال کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا اگر بنایا جا سکتا ہے تو دلیل پیش کریں؟

⑯ کیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید میں مکمل دین پر عمل کیا جا سکتا ہے یا بعض پر عمل ہو سکتا ہے اور بعض پر نہیں اگر کوئی یہ کہے کہ امام صاحب کی تقلید سے سارے دین پر عمل کرنا ممکن ہے کیونکہ اس میں فقہ حنفی پر ہوتا ہے۔ جس میں سارا دین بیان ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام صاحب کی فقہ کا دو تہائی حصہ تو امام محمد اور امام ابو یوسف کے اختلاف کی وجہ سے غیر معتبر ٹھہرا ہے۔ کیونکہ اکثر مسائل میں صاحبین نے امام صاحب کی مخالفت کی ہے اب ان میں سے

کون حق پر ہے اور کون باطل پر اس کا تعین خود احناف ہی کریں گے دونوں تو حق پر ہو نہیں سکتے کیوں کہ کسی مسئلے میں صندین کا اجتماع باطل ہے۔ یہ بھی ممکن بلکہ ایسا واقع ہوا ہے کہ انہوں نے اکثر مسائل میں امت کے دیگر علماء کی مخالفت کی ہے اور یہ بھی ایک غلطی ہے تو فقہ حنفی کا اکثر حصہ صاحبین اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے باہمی اختلاف سے مشتبہ ٹھہرا اور کچھ حصہ دیگر علماء کرام سے مخالفت کی وجہ سے غیر معتبر ہوا تو کیا ایسی صورت میں فقہ حنفی پر عمل کرنے سے پورے دین پر عمل ممکن ہے؟ امام صاحب کی تقلید کی وجہ سے دین کے کچھ حصے پر عمل بھی نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس میں بھی شک کا احتمال ہے اس بحث کے حوالے سے تقلید کے دو نقصان قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ آدمی تقلید کی وجہ سے دین کے بڑے حصے پر عمل کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ جس حصے پر عمل کرتا ہے اس میں بھی شک کا احتمال پایا جاتا ہے؟

⑰ آپ مقلدین ہیں یا مجتہد اگر مقلد ہیں تو تقلید کے اثبات کے لیے آپ استدلالات بعیدہ کیوں کرتے ہیں جبکہ بقول مقلدین کے استدلال کرنا صرف مجتہد کا کام ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں آپ تقلید کے دائرے سے کیوں نکلے؟

اور اگر آپ کہتے ہیں کہ میں مجتہد ہوں تو اس طرح تقلید کا خاتمہ ہوتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ مقلدین کے نزدیک اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے اس طرح آپ کے مجتہد بننے سے اجتہاد کا دروازہ بھی کھل جائے گا۔

⑱ تقلید جاہل پر فرض ہے یا عالم پر یا دونوں پر؟

اگر عالم پر فرض ہے تو اس سے قرآن مجید کی آیت **ان کنتم لاتعلمون** کی مخالفت لازم آتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ علماء کرام کے متعدد مراتب ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سے مرتبہ کے حامل علماء پر تقلید فرض ہے؟ اور اگر تقلید جاہل پر فرض ہے تو وہ کس کی تقلید ہے؟ کیونکہ اس کا تو کوئی مذہب نہیں ہوتا اور اگر دونوں پر فرض ہے تو پھر بھی مذکورہ نقصانات واعتراضات وارد ہونگے؟

⑲ کیا تقلید ہر مسلمان پر فرض ہے اگر فرض ہے تو چاروں امام بھی تو مسلمان تھے انہوں نے تقلید کی اس وصیت پر عمل کیوں نہ کیا؟

⑳ تقلید شخصی کے متعلق قرآن وحدیث میں کیا حکم ہے اگر تقلید کا حکم ہے تو آیت اور حدیث صاف صاف تحریر فرما دیں اور یہ بھی بتائیں کے چاروں امام مقلد تھے کہ غیر مقلد اور مسلمان ہوتے ہوئے جو خالص قرآن وسنت پر عمل کرے چاروں اماموں میں سے کسی امام کی تقلید نہ کرے کیا اس کی نجات ممکن ہے کہ نہیں اگر ممکن ہے تو تقلید کا پٹہ گلے میں ڈالنے کی ضرورت کیا؟

حفیظ الرحمٰن قادری صاحب اس سے آگے لکھتے ہیں کہ مجتہد اور محدث میں فرق اپنی طرف سے خود ساختہ فرق بیان کیا ہے کہ محدث کا کام صرف احادیث مبارکہ کو اکٹھا کرنا ہے اوراس کے پیش نظر حدیث کی صحت یا غریب ہونا ہوتا ہے مسائل کا استنباط نہیں۔

(کتاب مذکورہ، صفحہ:۴۶)

الجواب: یہ بات سراسر غلط ہے کہ جو محدث ہوتا ہے وہ مجتہد نہیں ہوتا حالانکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دنیا کے نامور محدث ہونے کے ساتھ دنیا کے ایک بڑے مجتہد بھی تھے صحیح بخاری کے ابواب پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دنیا کے نامور فقیہہ بھی تھے مجھے قادری صاحب کی بات پڑھ کر حیرت ہوئی کی حدیث کی صحت کے بارے میں مجتہد کو محدث سے زیادہ علم ہے۔ حالانکہ احادیث مبارکہ کو جمع کرنے والے محدثین سے زیادہ حدیث کی صحت کو کوئی زیادہ نہیں جانتا ہزاروں محدثین مجتہد بھی تھے اور محدث بھی جنہوں نے مسائل کا استنباط بھی کیا۔

محدث سے زیادہ فقیہہ کو احادیث کا علم نہیں ہوتا حدیث کا علم ہوگا تو پھر ہی مسائل کا حل قرآن وحدیث سے تلاش کرلے گا ورنہ تو ایسے ہی اٹکل پچو لگا کے یا جس طرح اکثر فقہ حنفی کے خود ساختہ مسائل ہیں ان میں نہ قرآن کا علم ہے نہ حدیث سے سروکار۔

ان لوگوں کے پاس جب دلائل نہیں ہوتے تو پھر ادھر ادھر کی مثالیں دیتے ہیں۔ کبھی میڈیکل ڈاکٹر کی طرف بھاگتے ہیں کبھی پنساری کی مثالیں گھڑتے ہیں ان دلائل کا دین وشریعت سے کوئی تعلق نہیں اکثر یہ لوگ مثالیں دیتے رہتے ہیں یہ باتیں بے اصل ہیں۔ آگے ایک حدیث کا ٹکڑا نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوگی آپ علیہ السلام نے جو فرمایا بجا فرمایا کہ امت اس گمراہی پر کب اکٹھی ہوئی سوائے

کوفیوں کے گروہ کے امت ساری کب تقلید پر اکٹھی ہوئی نہ ہوئی ہے نہ ہوگی یہ راہ ہدایت نہ تھی اس پر اُمت اکٹھی نہیں ہوگی اور نہ قیامت تک ہوگی۔

قادری عجیب منطق کہتے ہیں کہ چاروں امام برحق ہیں ان کے مقلد بھی برحق ہیں خود ہی سوال پیدا کر کے جواب دیتے ہیں کہ ایک امام کہتا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھو دوسرا کہتا ہے۔ فاتحہ خلف الامام نہ پڑھو۔ ایک امام کہتا ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی دونوں برحق کیسے ہو سکتے ہیں؟

جواب دیتے ہیں کہ ان میں سے ایک درست ہوگا اور دوسرا غلط لیکن کیوں کہ مجتہد کو غلطی پر بھی ثواب ملتا ہے لہٰذا اس کے پیچھے چلنے والے بھی ثواب پائیں گے اور درست والے کو دونوں ثواب ملیں گے۔ (شرک کیا ہے بدعت کی حقیت صفحہ ۴۷)

الجواب قادری صاحب کو یہ بھی علم نہیں کہ اجتہاد ان مسائل میں کیا جاتا ہے، جس مسئلہ کی وضاحت پر قرآن حدیث میں کوئی واضح دلیل نہ ملتی ہو جس مسئلہ کی سینکڑوں دلیلیں حدیث مبارکہ میں ملتی ہوں تو وہاں پر اللہ کے رسول ﷺ کی بات کے سامنے اپنا اجتہاد اور قیاس پیش کرنے والا اپنے ایمان کی خیر منائے جس طرح فاتحہ ہے۔ ہمیں اماموں کی لڑائی کا تماشائی بننے کی بجائے اپنے رسول اللہ ﷺ کی سنت و فرمان کی طرف توجہ دینی چاہیے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰی صَلٰوةً لَمْ یَقْرَأْ فِیْهَا بِاُمِّ الْقُرْآنَ فَهِیَ خِدَاجٌ ثَلٰثًا غَیْرُ تَمَامٍ فَقِیْلَ لِاَبِیْ هُرَیْرَةَ اِنَّا نَکُوْنُ وَرَآءَ الْاِمَامِ فَقَالَ اِقْرَأْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ))

(صحیح مسلم شریف، ج ۱، صفحہ: ۱۶۰، حدیث: ۳۹۵، کتاب الصلوٰۃ باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے وہ نماز سے ناقص ہے تین مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا پوری نہیں ہوئی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ جب ہم امام کے

پیچھے ہوتے ہیں تو پھر آپ نے فرمایا اپنے دل میں یعنی آہستہ پڑھ۔"

((عَنْ انَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَ النَّبِی ﷺ صَلّٰی بِاَصْحَابِہٖ فَلَمَّا قَضٰی صَلٰوتَہٗ اَقْبَلَ عَلَیْھِمْ بِوَجْھِہٖ فَقَالَ اَتَقْرَؤُنَ فِیْ صَلٰوتِکُمْ وَالْاِمَامُ یَقْرأ فَسَکَتُوا فَقَالَ لَھَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ قَائِلٌ اَوْقَائِلُوْنَ اِنَّا نَفْعَلُ قَالَ لَا تَفْعَلُوا وَلْیَقْرَأ اَحَدُ اکُمْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ بِنَفْسِہٖ))

(جزء القرآت مترجم، صفحہ: ۱۱۳)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی فارغ ہو کر ان کی طرف منہ کر کے پوچھا کیا تم اپنی نماز میں پڑھتے ہو خاموش رہے تیسری مرتبہ سوال پر جواب دیا ہاں ہم ایسا کرتے ہیں فرمایا نہ کرو تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ فقط سورہ فاتحہ آہستہ پڑھ لیا کرے۔"

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب القرآت میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرمایا اس کی سند صحیح ہے۔ دوسرے مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ ﷺ لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ خَلْفَ الْاِمَامِ))(کتاب القرآت عربی، صفحہ: ۵۶)

"حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوگی۔

امام بیہقی نے کتاب القرآت میں روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

ایک مقام پر فرمان رسول اللہ ﷺ ہے۔

((عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ کُنَّا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَثَقُلَتْ عَلَیْہِ الْقِرَأۃُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّکُمْ تَقْرَؤُنَ خَلْفَ اِمَامِکُمْ قُلْنَا نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لَاتَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحِۃِ الْکِتَابِ اَنَّہٗ لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْبِھَا))

(ابو داؤد، صفحہ: ۱۱۹)

''حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ ہم فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے قراءت کی جو کہ آپ پر بوجھل ہو گئی جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو تو ہم نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو مگر سورہ فاتحہ پڑھا کرو کیونکہ جو کوئی نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص ہے اسکی نماز ناقص ہے ناقص ہے۔

(موطا امام مالک صفحہ ٦٦)

ایک جگہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں۔ (صحیح مسلم، حدیث: ٣٩٤)

ہم کہتے ہیں:

اماموں کی امامت بے شک بجا ہے
مگر اطاعت کے لائق صرف مصطفیٰ ﷺ ہے

ابن عمر رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُولَ ﷺ: **((لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ))** (کتاب القرات صفحہ ٢٩)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

عَنْ عُبَادَہَ بِنْ الصَّامِتِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ ﷺ: **((لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ))** (بخاری شریف، جلد اول، صفحہ: ١٩٤؛ کتاب الاذان، باب وجوب القرائۃ ملامام والمأموم، حدیث: ٧٥٦)

حضرت عباد بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں۔''

اس حدیث مبارکہ میں مَن لفظ عموم کے لیے ہے چنانچہ جیون صاحب حنفی نورالانوار میں فرماتے ہیں کہ لفظ من اور ما کی نسبت لکھتے ہیں من اور ما کے اصلی معنی عموم کے ہیں پس جب من کا لفظ عموم کے لیے ثابت ہو چکا تو اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ نماز بغیر سورہ فاتحہ کسی کی نہیں ہوتی۔

ایک حدیث میں ہے:

((فَلَا تَقْرَؤُوْا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرآنِ اِذَا جَهَرْتُ اِلَّا بِأُمِّ الْقُرآنِ))

(ابو داؤد، كتاب الصلوة، باب من تدلك القرأت، حديث: ٨٦٤)

"جب (یعنی امام) اونچی آواز سے قرأت کروں تو قرآن سے سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ بھی نہ پڑھو۔"

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق مشکوۃ میں امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا جبکہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔

حضرت ابن ابی رافع سے روایت ہے:

((عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ اَنَّه كَانَ يَامُرُ اَنْ يُقْرأ خَلفَ الْاِمَامِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))

(بيهقى صفحه ٦١)

تحقیق حضرت علی رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی بہت سی احادیث موجود ہیں سینکڑوں احادیث وآثار موجود ہیں مگر طوالت کے خوف سے صرف چند کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے کہ میرے مسلمان بھائیوں کو علم ہو جائے کہ ہم اماموں کی لڑائی اور تقلید کی وجہ سے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کو کیوں چھوڑے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں کسی امام کی تقلید کا حکم نہیں دیتا بلکہ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کا راستہ ہے۔

جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑا وہ گمراہی کے طوفان کی نظر ہو کر تباہ و برباد ہو گیا۔ قادری صاحب تحریر کرتے ہیں الحمد اللہ عزوجل حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے

مسائل قرآن وحدیث کے عین مطابق ہیں یہی وجہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں اکثریت حنفیوں کی ہے۔ (کتاب شرک کیا ہے صفحہ ۴۹)

الجواب: قادری صاحب کے دعویٰ کی حقیقت کیا ہے کہ فقہ حنفی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل قرآن وحدیث کے عین مطابق ہیں یہ دعویٰ سچا ہے یا جھوٹا فیصلہ خودنہیں کرنا۔ قارئین محترم پر چھوڑتا ہوں فقہ حنفی اور حدیث نبوی کو آپ کے سامنے پیش کر دیتا ہوں۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ فقہ حنفی قرآن وحدیث کے مطابق ہے یا کہ مخالف حوالہ جات پر غور فرمائیں اور عدل وانصاف پر فیصلہ فرمائیں کہ حدیث نبوی اور فقہ حنفی میں کتنا بُعد ہے۔

فقہ حنفی قرآن وحدیث کے مخالف ہے یا مطابق؟

فقہ حنفی کی تقریباً تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ سر کے چوتھے حصے کا مسح فرض ہے۔

(ہدایہ ج اص ۶۱ اور دیگر کتب فقہ حنفی)

قرآن مجید: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾ (۵/ المائدہ: ۶)

''پورے سر کا مسح کرو۔''

حدیث مبارکہ اور رسول اللہ ﷺ نے پورے سر کا مسح کیا۔ چوتھے حصے کی فرضیت کا ذکر کسی بھی حدیث میں نہیں

فقہ حنفی: ((ولایجوز المسح علی العمامة)) ۔''عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں۔''

(ہدایہ ج اص ۶۱)

حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے عمامہ پر مسح کیا۔

(صحیح مسلم ج اص ۱۴۳؛ مشکوۃ ج اص ۴۶)

فقہ حنفی مغرب سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ (ھدایہ ج اص ۸۲ شرح وقایہ ج اص ۱۵۰)

حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اذان کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھو۔ (بخاری صفحہ ۱۵۴ ج ۱؛ مشکوۃ ج اص ۱۰۴)

فقہ حنفی خطبہ کے دوران نماز نہیں ہوتی۔ (ھدایہ ج اص ۸۶)

حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ جو جمعہ کے دن مسجد میں آئے اور امام خطبہ

دے رہا ہو تو وہ مختصر دو رکعتیں نماز پڑھ لے۔ (صحیح مسلم ج ا ص ۲۴۷؛ مشکوۃ ج ا ص ۱۲۳)

یہ آپ ﷺ کی قولی حدیث ہے اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔

فقہ حنفی ترجیع کے ساتھ اذان نہیں ہے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے ترجیع کے ساتھ اذان دیتے ہوئے غلطی ہوگئی تھی۔ (ہدایہ ج ا ص ۸۷)

صاحب ہدایہ نے صحابی رضی اللہ عنہ کی طرف ناکردہ غلطی منسوب کر کے اپنے مذہب کو ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے حالانکہ نبی ﷺ کی قولی حدیث میں ترجیع کا ذکر آیا ہے۔

(مشکوۃ، ج ا، ص: ۶۳)

فقہ حنفی تثویب مستحب ہے۔ (ہدایہ ج ا ص ۸۹: شرح وقایہ ج ا ص ۸۶)

حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ تثویب بدعت ہے۔ (ابوداؤد ج ا ص ۸۶)

فقہ حنفی مغرب کی اذان اور نماز کے درمیان کوئی وقفہ نہیں۔ (ہدایہ ج ا ص ۹۸)

جبکہ حدیث میں آتا ہے کہ ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے۔

(بخاری، ج ا، ص: ۱۸۷)

فریقین کا موقف آپ کے سامنے ہے ایک طرف پیارے پیغمبر ﷺ کی احادیث میں اور دوسری طرف احناف کی مخالفت فیصلہ آپ پر ہے۔

کچھ مزید:

فقہ فجر سے پہلے اذان دینا جائز نہیں۔ (ہدایہ ج ا ص ۹۱ تا ۹۳)

اور حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ کے دور میں اذان قبل الفجر ہوتی تھی۔

(صحیح بخاری باب الاذان قبل الفجر ج ا ص ۸۷)

فقہ: نماز میں اللہ اکبر کی جگہ خدا بزرگ است اور اللہ اجل کہنا جائز ہے۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۰۰)

حالانکہ نبی ﷺ کے دور سے لے کر آج تک مسلمانوں نے نہ اس پر عمل کیا ہے اور نہ اس کو جائز سمجھتے ہیں آخر ان خود ساختہ فرضی مسائل کی ضرورت ہی کیا ہے۔

فقہ: امام ربنا لك الحمد نہیں پڑھے گا۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۰۶)

حالانکہ نبی ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ (بخاری مسلم مشکوۃ ج ا ص ۱۱۳ باب القنوت)

فقہ: صرف ناک یا صرف پیشانی پر بھی سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۰۸)

اور نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(بخاری، ج ا ص ۱۲۳؛ مشکوۃ، ج ا ص ۸۳)

نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں ناک اور پیشانی دونوں کو زمین پر لگانا ضروری ہے۔

(بیہقی، ج ۲ ص ۱۰۴؛ بخاری، ج ا ص ۱۱۲)

فقہ: غلام اور نابینا کی امامت مکروہ ہے۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۱۲)

حالانکہ نبی ﷺ نے نابینا صحابی ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں امام مقرر کیا تھا اور سالم رضی اللہ عنہ جو کہ غلام صحابی رضی اللہ عنہ تھے امامت کراتے تھے۔

(صحیح بخاری، ج ا ص ۹۶؛ ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، باب امامۃ الاعمی، حدیث: ۵۹۵؛ کتاب الاذان: ۶۹۲)

فقہ: عورتوں کا اکیلے جماعت کرانا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ امام کو درمیان میں کھڑا ہونا پڑتا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۲۳)

اور حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے ام ورقہ رضی اللہ عنہا کو ایک محلے میں عورتوں کے لیے امام مقرر کیا تھا۔ (ابوداؤد ج ا ۹۴ باب امامۃ النساء)

اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث میں آتا ہے کہ ام سلمہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا نماز پڑھاتی تھیں۔ (ابن ابی شیبہ ۲ ص ۸۸۔۸۹)

فقہ: ممیز معصوم کی امامت نہیں ہوتی۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۲۳)

حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے سات سال کی عمر میں نزول وحی کے دور میں امامت کرائی۔ (بخاری مشکوۃ، ج ص ۱۰۰؛ صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث: ۴۳۰۲)

فقہ: فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۲۸)

حدیث میں آتا ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ فرض نماز پڑھتے تھے۔ اور پھر اپنی قوم کو جا کر وہی نماز مستقل کی حیثیت سے پڑھاتے تھے۔ (بخاری ج ا ص ۹۴: مشکوۃ ج ا ص ۱۰۳)

فقہ حنفی: وتر صرف تین رکعت پڑھی جا سکتی ہے ایک رکعت پڑھنا دین میں نہیں۔

(ہدایہ ا ص ۶۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ احَبَّ اَنْ یُّوتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْیَفْعَلْ)) ''جوایک وتر پڑھنا چاہے پڑھ لے۔'' (ابوداود، ترمذی مشکوۃ، ج۱، ص: ۱۱۲)

ہر مسئلے پر کئی کئی احادیث موجود ہیں مگر طوالت کے خوف سے صرف ایک ایک یا دو دو حوالے تحریر کیے ہیں۔ فقہ حنفی جس نے سنتیں نہیں پڑھی اور فجر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو اس چاہیے کہ پہلے سنتیں پڑھے۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۵۲)

حالانکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جب فرض نماز کے لیے اقامت ہو جائے تو پھر فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہوتی۔

(صحیح مسلم، ج ا ص: ۲۵۰ کتاب الصلوۃ المسافرین، باب کراھۃ الشروع فی نافلۃ، حدیث: ۷۱۰، ۷۱۲)

فقہ حنفی نماز قصر کے لیے سفر کی زیادہ سے زیادہ میعاد (۱۵) دن ہے۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۶۶)

حالانکہ میعاد نبی ﷺ سے منقول نہیں ہے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مقام پر انیس دن ٹھہرے اور نماز قصر پڑھی۔ (بخاری مشکوۃ ج ا ص ۱۱۸)

فقہ حنفی صلوۃ کسوف میں جہری قراءت نہیں ہے۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۷۵)

لیکن حدیث میں جہری قراءت کا ثبوت ملتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۱۴۵)

فقہ حنفی صلوٰۃ کسوف کے بعد خطبہ نہیں ہے۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۷۶)

جبکہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا ہے۔ (بخاری ج ا ص ۱۴۵)

فقہ حنفی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں استسقاء میں نماز نہیں ہے۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۷۶)

حالانکہ نبی کریم ﷺ نے استسقاء کی نماز پڑھی ہے۔ (بخاری ج ا ص ۱۳۶؛ مشکوۃ ج ۱۳۷)

فقہ: نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں۔ (ہدایہ ج ا ص ۱۸۰)

حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھی ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سورۃ الفاتحہ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھانے کے ساتھ فرمایا: ((لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ)) یعنی میں نے سورہ الفاتحہ کے ساتھ نماز اس لیے پڑھائی ہے تاکہ تم جان لو جنازے میں سورۃ الفاتحہ پڑھنا نبی ﷺ کی سنت ہے۔ (بخاری شریف، کتاب الجنائز، ج ا ص: ۸۷؛ ماخذ حقیقۃ التقلید صفحہ ۱۸۲)

اس مسئلہ پر بہت سی احادیث مبارکہ موجود ہیں جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

قارئین محترم فقہ حنفی کے ہزاروں مسائل قرآن وحدیث کے مخالف ہیں میں نے صرف چند مسائل حفیظ الرحمٰن صاحب کے دعوے کو عوام کی عدالت میں پیش کرنے کے لیے صرف ان کو اپنے آئینے میں چہرہ دکھانے کی کوشش کی ہے ورنہ تو ایسے ایسے گندے مسائل موجود تھے۔لیکن میں نے جان بوجھ کر فقہ حنفی کے ان مسائل کو نہیں چھیڑا کیونکہ میرا مقصد کسی کو شکست دینا نہیں بلکہ دعوت فکر دینا ہے تاکہ ہم سب محمدی بن جائیں اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ حق پر چل کر دنیا وآخرت میں کامیابی حاصل کریں۔

جس طرح رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خالص قرآن وحدیث پر عمل کر کے کامیابی حاصل کی۔اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو حقیقی کامیابی سے ہمکنار فرمائے آمین۔

حفیظ الرحمٰن قادری صاحب لکھتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی گئی یا رسول اللہ شام کے لیے دعا فرمائیں تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی اس طرح یمن کے لیے دعا کی درخواست کی گئی نبی پاک ﷺ نے دعا کی اور پھر نجد کے لیے دعا کی رخواست کی گئی تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا فرمایا اس میں زلزلے آئیں گے اور ایک شیطان کا سینگ نکلے گا۔

(بخاری شریف جلد ۱ ص ۴۴۸)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ وہ محمد بن عبدالوھاب نجدی تھا جس نے تقلید کو شرک قرار دیا۔

(کتاب مذکور صفحہ ۵۰)

الجواب: حقیقت یہ ہے کہ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ وہ مظلوم شخص ہے جس نے شرک وبدعت کو مٹانے کی کوشش کی اور توحید وسنت کا علم لہرانے کی انتھک محنت کی۔لیکن خالص توحید وسنت کے مخالفین نے اس بطل حریت اسلام کے عظیم داعی پر جی بھر کر تبرا کیا۔

میرا مقصد محمد بن عبدالوھاب رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کا پرچار کرنا نہیں مگر حق بات کرنا تو مومن کی شان ہے ہم تو نہ ان کے مقلد ہیں اور نہ ہی اس کی طرف ہماری نسبت ہے جو عام لوگوں میں مشہور ہے کہ اہل حدیث جماعت کا بانی محمد بن عبدالوھاب رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھا جاتا ہے یہ لوگوں کی جہالت اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔وگرنہ اس بات کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔اگر ہماری نسبت اس شخص سے ہوتی تو اس کا نام تو محمد تھا عبدالوھاب تو اس کے باپ کا نام ہے۔

ہمارے نزدیک شیخ محمد بن عبدالوھاب رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت ایک عالم دین کی سی ہے اس کا قول وفعل ہمارے لیے حجت نہیں ہے جس طرح دوسرے ائمہ اربعہ اور دیگر اماموں کی بات حجت ودلیل نہیں ہے۔ جو بات ان کی قرآن وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے اُس کو مانتے ہیں اور اس طرح دوسرے ائمہ کی بات بھی مانتے ہیں اور جو بات قرآن وسنت کے مطابق نہ ہوگی وہ چاہے کسی امام کی ہو یا کسی پیر کی ہو یا شیخ محمد بن عبدالوھاب رحمۃ اللہ علیہ کی ہو اُسے دیوار پر مارتے ہیں۔

اور رہا قادری صاحب کا یہ کہنا علماء کہتے ہیں کہ شیطان کے سینگ سے مراد محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو انہوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا کہ کونسے علماء کہتے ہیں بریلوی یا دیو بندی یا ائمہ محدثین فقہاء مؤرخین لیکن یہ بات وہی شخص کرسکتا ہے جس کے پاس قرآن وحدیث کا علم نہ ہو۔ من قبل المشرق کی ذیل میں نقل کرکے ثابت کیا ہے کہ فتنوں اور گمراہ فرقوں کا ظہور مدینہ منورہ سے مشرق کی جانب علاقہ یعنی نجد عراق ہی سے ہوگا اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

(نجد کا لغوی معنیٰ) نجد مصدر ہے جس کا معنی رفعت یا بلند ہے گویا کہ محاورہ عرب میں ہر اونچی اور نمایاں چیز کو نجد کہا جاتا ہے۔ ہر نشیبی زمین کے مقابلے میں اونچی زمین کے علاقہ کو نجد کہا جاتا ہے۔ جس طرح فارسی میں اونچی سطح والی زمین کو سطح مرتفع اور اردو میں اوتار کہا جاتا ہے چنانچہ وہ تمام اونچی سطح والی زمین کا علاقہ جو تہامہ غور یا سمندر کے کنارے سے شروع ہوکر یمن شام اور عراق تک پھیلا ہوا ہے۔ نجد کہلاتا ہے جو تقسیم اور محل وقوع کے لحاظ سے مختلف حصوں اور ناموں سے مشہور ہے نجد کا لغوی معنیٰ لغت عرب کی تمام کتب مثل صراح نہایہ، ابن اثیر، لسان العرب، قاموس، مصباہ المنیز ،تاج العروس اور منجد وغیرہ میں یوں ہے ان النجد ما اشرف من الارض سطح مرتفع زمین کو نجد کہتے ہیں۔ اسی طرح جغرافیہ عرب کی مستند کتاب معجم البلدان میں ہے کہ نجد کا معنی ہر وہ اونچی زمین ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر وقسطلانی اور شارحین احناف علامہ کرمانی وعینی حنفی نے بھی اپنی اپنی شروح صحیح بخاری میں نجد کا معنی بالاتفاق یوں لکھا ہے کہ نجد کوئی خاص ملک نہیں بلکہ اونچی سطح

زمین کا علاقہ جو اپنے بالمقابل غور علاقہ زمین سے بلند ہو نجد نام سے پکارا جاتا ہے۔ سطور فوق سے ثابت ہو چکا ہے کہ اہل عرب ہر اونچی زمین کو جو غور سے بلند ہو نجد کہتے ہیں۔ اسی اعتبار سے ملک عرب میں کئی ایک نجد اونچی زمین کے علاقے ہیں۔ جیسے دوسرے ملکوں میں بھی عام طور پر اوتار وہتھاڑ ہیں وہ اپنے اپنے ناموں سے موجود ہیں۔ ملک عرب کے نجد نام علاقوں کی مختصر فہرست مستند اور قدیم جغرافیہ عرب معجم البلدان اور لغت عرب کی کتاب تاج العروس شرح قاموس سے پڑھیے۔

(۱)۔نجد البرق (۲)۔نجد اجار (۳)۔نجد عقیر یمامہ

اور اس کا نواحی نجد یمامہ کے نام سے موسوم ہے تہامہ ملک یمن کا وہ علاقہ ہے جو مکہ اور یمن کے درمیان واقع ہے یہ تہامہ کے غور یا ڈھلان سے شروع ہو کر یمن کے ڈھلان تک ہے اور عہد حاضرہ میں نجد سعودیہ کے نام سے شہرہ آفاق ہے۔ نجد خال، نجد کبکب، نجد مربع، نجد شری، نجد الوذ، نجد حجاز، نجد عقاب یہ دمشق میں واقع ہے۔ نجد عراق یا نجد بادیہ عراق یہ وہ نجد ہے جو کسریٰ ایران کی خندق سے مقام حرہ عراق تک یہ مکہ سے شروع ہو کر کوفہ وغیرہ پر ختم ہوتا ہے۔ (ملخصاً معجم البلدان، صفحہ نمبر ۷ تاج العروس جلد ثانی بحوالہ اکمل البیان فی شرح حدیث قرن الشیطان صفحہ ۱۷)

نجد قرن الشیطان نجد عرب کی فہرست میں سے نجد قرن الشیطان وہ علاقہ ہے۔

جو مدینہ منورہ سے مشرق میں ہے جس کی نشان دہی معجم البلدان ایسے مسلمہ جغرافیہ عرب میں خندق کسریٰ ایران سے مقام حرہ تک اور تاج العروس نہایہ ابن اثیر وغیرہ مستند کتب لغت میں خندق کسریٰ ایران سے سواد عراق یا تہامہ سے شروع ہو کر کوفہ عراق وغیرہ پر ختم ہوتا ہے۔ گویا کہ کسریٰ ایران کی خندق اور تہامہ حجاز یا مکہ مکرمہ کے درمیان کی سرزمین عراق کا اونچا علاقہ ہے یہی نجد قرن الشیطان ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ امت مسلمہ پر آنے والے خطرناک فتنے عراق ہی سے اٹھے اور تمام گمراہ و بدعتی فرقوں کا ظہور بھی عراق ہی سے ہوا گویا کہ قرن الشیطان کا مصداق عراق ہی ہے۔ شارحین حدیث نے وضاحت کی ہے۔

علامہ کرمانی حنفی فرماتے ہیں کہ تہامہ سے عراق تک اونچی زمین کا علاقہ یہی وہ نجد ہے حضور ﷺ نے جس نجد کو گمراہ فرقوں کا موجب اعلان فرمایا ہے وہ نجد عراق ہے۔ جو مدینہ

منورہ سے عین مشرق کی جانب ہے جیسا کہ لغت عرب و حدیث اور جغرافیہ عرب کے ماہر امام خطابی نے اعلان کیا ہے اس سے مراد نجد عراق ہے۔ اور اس سے بہت سے فتنے اٹھے۔ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تحقیقی و مایہ ناز تصنیف میں عراق مشرق اور فتن اسلام کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ مستند اور معتبر حدیثوں میں پوری تشریح کے ساتھ بروایت کثیرہ مذکورہ ہے کہ اسلام میں فتنوں کا آغاز مشرق کی طرف سے ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی سے اشارہ کر کے بار بار فرمایا کہ ادھر سے شیطان کی سینگیں یعنی سورج کی کرنیں نکلتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اشارہ مدینہ منورہ سے مشرق کی جانب تھا اور مدینہ کی مشرقی جانب عراق ہے۔

① حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا فتنہ عراق سے اٹھ کر مصر تک پھیلا۔

② جمل کی جنگ اسی سرزمین عراق پر ہوئی۔

③ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہیں شہید ہوئے۔

④ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جنگ صفین یہیں پیش آئی۔

⑤ خوارج جو اسلام کا پہلا گمراہ فرقہ ہے یہی کوفہ سے نکلا۔

⑥ جبریہ اور قدریہ وغیرہ۔

⑦ اسلام کے دیگر تمام فرقوں کی سب بدعتیں جنہوں نے اسلامی عقائد کی سادگی کو پارہ پارہ کر دیا تھا یہیں عراق سے پیدا ہوئے۔

⑧ جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ یہیں فرات کے کنارے لٹا۔

⑨ مختار ثقفی نے دعویٰ نبوت کا ذبہ کا فتنہ یہیں عراق سے پیدا کیا۔

⑩ شیعیت جس نے اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کیا یہی عراق کی پیداوار ہے۔

⑪ حجاج کی سفاکیاں اسی سرزمین سے ہوئیں حجاج عراق ہی کا گورنر تھا۔

⑫ ترک اور تاتار کی غارت گریوں کے نتائج جنہوں نے اسلام کی رہی سہی طاقت اور خلافت عربی کا تاتار الگ کر دیا یہیں عراق سے رونما ہوئے۔

⑪ حتیٰ کہ اس جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء میں بھی واحد اسلامی طاقت خلافت عثمانیہ کو ترکیہ کے ساتھ غداری کے نتائج بھی اولاً عراق ہی سے ظاہر ہوئے اور پھر اسی کے اثرات بعد کو اور

اطراف میں بھی رونما ہوئے۔ (سیرت النبی ج ۳ ص ۶۰۷،۶۰۸ بحوالہ اکمل البیان صفحہ ۳۰تا۳۱)

علامہ شبلی نعمانی حنفی فرماتے ہیں کہ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق اور عراق میں خاص طور پر کوفہ تھا۔ (سیرۃ النعمان عنوان درس وافتاو بقیہ زندگی صفحہ ۴۴ ج ۱)

خارجیوں کا صدر مقام بصرہ تھا اور واصل بن عطا و عمر بن عبید جو مذہب اعتزال کے بانی ومروج تھے بصرہ ہی کے رہنے والے تھے جہم بن صفوان جو فرقہ جہمیہ کا بانی ومقتدا ہے عراقی ہی تھا۔ (سیرۃ النعمان جلد ۲ ص ۱۵ بحوالہ اکمل البیان صفحہ ۳۱)

الغرض مدینہ منورہ کے پورب کی طرف عراق ہے عرب ایران وغیرہ ممالک واقع ہوئے ہیں ان ہی ممالک سے بہت سے فتنے شروع ہوئے شیطان کے سینگ کا اشارہ بہت سے فتنوں کی طرف اشارہ ہے دجال جو مشرق کے ملک کی طرف سے آئے گا اس طرف سے یاجوج ماجوج آئیں گے نجد سے مراد وہ ملک ہے عراق کا جو بلندی پر واقع ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے لیے دعا نہیں فرمائی کیونکہ ادھر سے بڑی بڑی آفتوں کا ظہور ہونے والا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اسی سرزمین میں شہید ہوئے۔ کوفہ بابل وغیرہ یہ نجد میں داخل ہیں اور بعض بے وقوفوں نے نجد کے فتنے سے شیخ محمد بن عبدالوھاب رحمۃ اللہ علیہ کا نکلنا مراد لے رکھا ہے۔

ان کو یہ معلوم نہیں کہ محمد بن عبدالوھاب رحمۃ اللہ علیہ تو مسلمان اور موحد تھے وہ تو لوگوں کو توحید اور اتباع سنت کی طرف بلاتے تھے اور شرک وبدعت سے منع کرتے تھے ان کا نکلنا تو رحمت تھا نہ کہ فتنہ اور اہل مکہ کو جو رسالہ انہوں نے لکھا ہے اس میں سراسر یہی مضامین ہیں کہ توحید اور اتباع سنت اختیار کرو اور شرکی بدعی امور سے اجتناب کرو۔ سب امور نہایت عمدہ اور سنت نبوی کے موافق ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اونچی قبریں گرانے کا حکم دیا تھا پھر محمد بن عبدالوھاب رحمۃ اللہ علیہ نے اگر اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کی پیروی کی تو کیا قصور کیا۔

(شرح صحیح بخاری ج ۸ ص ۳۵۰)

اس بات کی وضاحت صحیح بخاری کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے کہ قرن الشیطان

کون سا نجد ہے۔
چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرق کی طرف منہ کر کے یہ کہتے ہوئے سنا کہ بیشک فتنہ یہاں سے نکلے گا جہاں سے شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۰۵۰)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کب اور کس جگہ کھڑے ہوکر مشرق کی طرف اشارہ کیا تھا۔
اس کی تشریح کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک تیسری حدیث حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے لائے ہیں جس میں یہ الفاظ ہیں کہ **((انهٗ قام الی جنب المنبر))**

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۰)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات منبر کی جانب کھڑے ہوکر کہی تھی۔
اس حدیث مبارکہ سے یہ بات کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ قرن شیطان اس طرف سے نکلے گا اور مدینہ طیبہ سے عین مشرق کی طرف نجد عراق ہے جو کہ اہل الرائے کا مرکز ہے۔
مزید وضاحت اس روایت سے بھی ہو جاتی ہے کہ قرن شیطان عراق ہے۔
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے مدینہ کو ہمارے لیے برکت والا بنا اے اللہ ہمارے شام میں ہمارے لیے برکت عطا فرما۔
اے اللہ ہمارے یمن کو ہمارے لیے بابرکت بنا۔
ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عراق کے لیے بھی دعا فرمایئے کیوں کہ وہاں سے ہمارے لیے گندم اور دیگر ضروریات کا سامان مہیا ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس نے یہ دیکھ کر پھر گزارش کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر خاموش رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا وہاں زلزلے اور فتنے برپا ہونگے۔

(کنز العمال ج ۱۴ رقم الحدیث ۳۸۲۷۳)

تمام تر حوالہ جات اور تاریخی شواہد اور حدیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حفیظ الرحمٰن قادری صاحب کی ذکر کردہ حدیث مبارکہ شیطان کے سینگ

نکلنے کی جگہ نجد عراق ہے اور ویسے ہی جہالت کی وجہ سے لوگوں نے اس حدیث سے شیخ محمد بن عبدالوھاب رحمۃ اللہ علیہ لیا ہے۔ جس کا حدیث میں اشارہ تک نہیں ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح مسئلہ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین:

تعصب ہے وہ بری بلا کہ خدا کسی کو نہ دے
دے موت اور یہ بد ادا کسی کو نہ دے

شیخ محمد بن عبدالوھاب کا آبائی مسکن و مولد عینیہ ہے اور یہ نجد یمامہ ہے حدیملا میں آپ نے تعلیم و تربیت حاصل کی آپ کا آبائی وطن وادی یمامہ ہی ہے اور نجد یمن کا اکثر و بیشتر علاقہ یمامہ ہی کے ماتحت ہے چنانچہ معجم البلدان کے الفاظ یہ ہیں ویقال ان نجد کلھا من عمل الیمامة ''یعنی تہامہ اور یمن کا درمیانی علاقہ نجد یمامہ ہی کے نام سے مشہور ہے۔

(معجم البلدان بحوالہ اکمل البیان، صفحہ: ٥٠)

علم الغیب قرآن کی روشنی

اہل حدیث کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام اشیاء کا علم فقط ذات الٰہی کے لیے خاص ہے۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی کسی شے کا علم مافوق الاسباب اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ ان پر وحی نازل نہ ہو جائے۔

بریلوی حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو ہر اس واقعہ کا علم ہے جو ہو چکا ہے یا ہونے والا ہے، ان کی نظر سے کوئی چیز مخفی نہیں سارا علم ان کی نظر کی سامنے ہے۔ وہ دلوں کے حالات کو بھی جانتے ہیں ہر راز سے باخبر اور تمام مخلوقات سے واقف ہیں انہیں تمام چیزوں کا علم اور آنے والے دن کے حالات کی اطلاع ہوتی ہے۔

ماں کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس سے آشنا ہوتے ہیں ہر حاضر و غائب پر ان کی نظر ہوتی ہے اور مرنے کے بعد بھی لوگوں کے حالات سے آگاہ ہوتے ہیں۔

غرض کہ دنیا میں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے اولیاء سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

پہلے میں عقیدہ اہل حدیث کے دلائل قرآن مجید سے پیش کروں گا پھر اس مضمون کے آخر میں حفیظ الرحمٰن قادری کے شبہات کے جوابات دیئے جائیں گے۔ انشاءاللہ

اصل میں ان مسائل کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی نفرت کا طوفان برپا ہوتا ہے اس مسئلے کو پہلے قرآن کی آیات کی روشنی میں پڑھیں کہ حق پر کون ہے اس کے بعد حدیث کی روشنی میں مطالعہ فرمائیں ذہن سے تعصب کی غلاظت کو دور کر دیں اللہ سے ڈرتے ہوئے انصاف کریں۔

دلیل نمبر ۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی علم غیب نہیں جانتا:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ (۲۷/ النمل:۶۵)

''تم کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کب (زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے۔''

اللہ کے لشکروں کو اس کے سوا پوری طرح کوئی نہیں جانتا چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے۔

دلیل نمبر۲

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ﴾

(۷۴/ المدثر: ۳۱)

''تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ تو بنی آدم کے لیے نصیحت ہے۔''

دلیل نمبر۳

قیامت کا علم اللہ کے سوا کسی پاس نہیں چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿يَسْـَٔـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ﴾

(۷/ اعراف:۱۸۷)

''(لوگ) تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے کہہ اس کا علم تو میرے پروردگار ہی کو ہے۔''

دلیل نمبر۴

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿يَسْـَٔـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (۷/ اعراف:۱۸۷)

''یہ تم سے اسی طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تم اس سے بخوبی واقف ہو کہو کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔''

دلیل نمبر ۵

﴿يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾

(۳۳/ احزاب:۶۳)

''لوگ تم سے قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔''

ان آیات سے ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا کوئی بھی غیب کا علم نہیں جانتا اور نہ ہی قیامت کے بارے میں کہ قیامت کب آئے گی اس کے واقع ہونے کا وقت کیا ہے۔

دلیل نمبر ۶

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾

(۲/ البقرہ:۳۰)

''جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

فرشتوں نے عرض کی:

﴿قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ (۲/ البقرہ:۳۰)

''فرشتوں نے کہا کیا تو اس میں ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے گا اور خون بہائے گا اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جو باتیں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔''

سوال: اگر فرشتوں کو علم نہیں تھا تو انہوں نے یہ کیوں کہا کہ انسان کو نہ بنائیں یہ زمین میں خون ریزی کرے گا فساد پھیلائے گا ابھی یہ کام ہوا نہیں تھا بعد میں ہونے والا تھا۔

پہلا جواب یہ ہے عالم الغیب نہیں تھے بلکہ انہوں نے جنات پر قیاس کیا کہ جنات شرارتی اور فسادی ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر فرشتے غیب جانتے تھے تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ انی اعلم ما تعلمون جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو نام سکھائے پھر آدم اور فرشتوں سے سوال کیا کہ ان چیزوں کے نام بتائیں اگر تم اپنی بات میں سچے ہو فرشتوں نے جواب دیا۔

دلیل نمبر ۷

﴿ قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾

(۲/ البقرہ:۳۲)

''انہوں نے کہا تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں بیشک تو دانا حکمت والا ہے۔''

دلیل نمبر ۸

﴿ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ ﴾ (۲/ البقرہ:۳۳)

''فرمایا کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں ہی آسمانوں اور زمین کی غیب کی باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو سب مجھ کو معلوم ہے۔''

ان آیات سے ثابت ہوا کہ فرشتے بھی غیب کی بات کا علم نہیں رکھتے:

بعض لوگوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ فلاں شخص پر جن آتے ہیں اور وہ سارے حالات بتاتے ہیں بہت سے مرد اور عورتیں اس شخص کے پاس جا کر غیب کی باتیں پوچھتے ہیں فلاں کی چوری ہوگئی وہ کس نے کی وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ جنوں کو بھی غیب کا علم نہیں تھا۔

﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ ﴾ (۳۴/ سبا:۱۴)

''پھر جب ہم نے ان کے لیے موت کا حکم صادر کیا تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے جو ان (سیدنا سلیمان علیہ السلام) کے عصا کو کھاتا رہا جب عصا گر پڑا تب جنوں کو معلوم ہوا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ذلت کی

تکلیف میں نہ رہتے۔"

دلیل نمبر ۱۰

حضرت آدم علیہ السلام کو بھی غیب کا علم نہیں تھا۔قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ ﴾ (۷/ اعراف:۲۰۔۲۱)

"تو شیطان نے ان دونوں کو وسوسہ دیا تا کہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔"

غرض مردود نے دھوکہ دیکر ان کو کھینچ ہی لیا جب انہوں نے اس درخت کے پھل کو کھا ہی لیا تو ان کے ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ جنت کے درختوں کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے تب ان کے پروردگار نے ان کو فرمایا کہ میں نے تم کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور فرمایا نہیں تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے دونوں عرض کرنے لگے کہ اے پرودگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (سورۃ اعراف آیت ۲۲،۲۳)

اگر آدم علیہ السلام غیب کا علم جانتے ہوتے تو شیطان مردود کی قسموں کا اعتبار نہ کرتے اگر آپ علیہ السلام غیب دان ہوتے تو فرشتے بننے اور ہمیشہ رہنے کے چکر میں نہ آتے۔

اگر عالم الغیب ہوتے تو شیطان مردود کو پہچان جاتے اور کہتے تو وہی ہے جس نے مجھ پر اعتراض کیا تھا اور پھل کھانے کے بعد والے انجام سے باخبر ہوتے کہ اگر ہم نے پھل کھا لیا تو اس کی پاداش میں ہمیں جنت سے نکال دیا جائے گا اور ہم سے جنتی لباس چھن جائے گا۔ اور ہمارا پروردگار ہم سے ناراض ہو جائے گا اور ہمیں عرصہ دراز تک رونا پڑے گا۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ کو بعد والے انجام کا علم نہیں تھا اس لیے اس مردود کے چکر میں آئے۔

دلیل نمبر ۱۱

سیدنا یعقوب علیہ السلام بھی غیب کا علم نہیں جانتے تھے۔

﴿ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ ۝ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ ﴾

(۱۲/ یوسف:۸۔۱۰)

”جب انہوں نے آپس میں تذکرہ کیا کہ یوسف علیہ السلام اور اس کا بھائی ابا جان کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں کچھ شک نہیں کہ ابا جان صریح غلطی پر ہیں یوسف کو مار ڈالو یا کسی جگہ پھینک آ ؤ پھر ابا جان کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی اور اس کے بعد تم نیک ہو جانا ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرو کسی گہرے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گیر نکال لے جائے گا اگر تم کو کرنا ہے تو یوں کرو۔“

الغرض حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ خفیہ میٹنگ کی اور سارے بھائیوں میں یہ طے ہوا کہ یوسف علیہ السلام کو کسی کنوئیں میں پھینک دیا جائے تا کہ ابو کی نگاہوں سے دور ہو جائے چنانچہ یہ مشورہ کرنے کے بعد اپنے باپ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے پاس جا کر کہا:

دلیل نمبر ۱۲

﴿ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا

يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِينَ ﴿١٧﴾ (۱۲/ یوسف:۱۰۔۱۷)

’’کہنے لگے ابا جان کیا سبب ہے کہ آپ یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ خوب میوے کھائے اور کھیلے کودے ہم اس کے نگہبان ہیں فرمایا یہ بات مجھے غمناک کیے دیتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ تم اس سے غافل ہو جاؤ اور اسے بھیڑیا کھا جائے وہ کہنے لگے کہ اگر ہماری موجودگی میں کہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں اسے بھیڑیا کھا گیا تو ہم بڑے نقصان میں پڑ گئے غرض جب وہ اس کو لے گئے اور اس بات پر اتفاق کر لیا کہ اس کو گہرے کنوئیں میں ڈال دیں تو ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ تم ان کو اس سکون سے آگاہ کرو گے اور ان کو کچھ خبر نہ ہوگی۔ باپ کے پاس رات کے وقت روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ ابا جان ہم تو دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تو اسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے گو ہم سچ ہی کہتے ہوں۔‘‘

اگر یعقوب علیہ السلام کو علم ہوتا کہ یہ میرے بیٹے کو قتل کرنا چاہتے ہیں یا کسی کنوئیں میں پھینکنا چاہتے ہیں تو وہ بھی یوسف علیہ السلام کو ان کے سپرد نہ کرتے اور بھیڑیے کے کھا جانے کا نہ کہتے صاف فرما دیتے کہ تم نے فلاں جگہ پر میرے بیٹے کے خلاف یہ یہ مشورے کیے ہیں۔ میرے فلاں بیٹے نے قتل کے بارے میں کہا اور فلاں نے کنوئیں میں گرانے کے بارے میں کہا:

جب لے گئے اور کنوئیں میں ڈال دیا کسی جانور کا خون قمیض کے ساتھ لگا کر لے آئے تو فرما دیتے پہلے مجھے ساری بات کا علم تھا جان بوجھ کر نہیں بتایا اب تم عمل کر چکے ہو۔ میرا بیٹا یوسف فلاں کنوئیں میں ہے چلو اس کو نکال کر لے آتے ہیں جناب یوسف علیہ السلام کو قافلے والے کیوں لے جاتے اور بازار میں کیوں فروخت کرتے عزیز مصر کی بیوی کیوں قید میں

ڈلواتی چالیس سال یا اسی سال اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام رو رو کر اپنی بینائی کیوں ختم کرتے کنعان کا کنواں چند میلوں کے فاصلے پر تھا کیا وجہ ہے؟

جناب یعقوب علیہ السلام اتنا عرصہ ویسے ہی خوشی سے ہی روتے رہے یہ قابل غور باتیں ہیں۔قرآن مجید کی آیات میں یہ واقعہ پڑھنے کے بعد بھی کوئی شخص کہے کہ آپ عالم الغیب ہیں تو ایسے شخص کے لیے ہدایت کی دعا ہی کرنی چاہیے۔ساری بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے۔اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام جو کہ ہونے والے نبی تھے وہ بھی غیب نہیں جانتے تھے اگر جانتے ہوتے تو خود بھی نہ جاتے اور کہتے کہ آپ مجھے کنوئیں میں گرانا چاہتے ہیں میں تمہارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گا۔

دلیل نمبر ۱۳

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی غیب کا علم نہ جانتے تھے۔چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (۷/ اعراف:۱۴۳)

”اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر کوہ طور پر پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے اے پروردگار مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا ہاں پہاڑ کی طرف دیکھ سو اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا تو اس کا رب جب پہاڑ کے سامنے ظاہر ہوا تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب اسے ہوش آیا تو اُس نے کہا تُو پاک ہے میں نے تیری طرف توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سے پہلا ہوں۔“

اگر موسیٰ علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو پہلے سے جان لیتے کہ میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکوں گا تو دیکھنے کا سوال ہی نہ کرتے جس کی پاداش میں انہیں توبہ کرنے کی ضرورت پڑی۔

دلیل نمبر ۱۴

حضرت نوح علیہ السلام بھی عالم الغیب نہ تھے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (۱۱/ ھود:۳۱)

''اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں ایک فرشتہ ہوں اور نہ میں ان لوگوں کے بارے میں جنہیں تمہاری آنکھیں حقیر سمجھتی ہیں یہ کہتا ہوں کہ اللہ انہیں ہرگز کوئی بھلائی نہیں دے گا اللہ اسے زیادہ جاننے والا ہے جو ان کے دلوں میں ہے ایسا کروں تو ضرور میں ظالموں میں سے ہوں۔''

اس آیت مبارکہ میں روز روشن کی طرح واضح ہے اور نوح علیہ السلام کا اپنا اقرار ہے کہ میں غیب نہیں جانتا لیکن پھر بھی اگر کوئی شخص اپنے خودساختہ مذہب کو قائم رکھنے کے لیے ضد کرے کہ نہیں جی وہ غیب جانتے تھے تو ایسے شخص کے لیے ہدایت کی دعا ہی کی جا سکتی ہے کہ اللہ ہم سب کو حق پر قائم ودائم رکھے۔ آمین

دلیل نمبر ۱۵

قرآن مجید کے دوسرے مقام پر بھی وضاحت موجود ہے:

﴿ وَنَادٰي نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ڭ فَلَا تَسْـَٔــلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔــلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾ (۱۱/ ھود:۴۵-۴۷)

''نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا پس کہا اے میرے رب بیشک میرا بیٹا میرے

گھر والوں سے ہے بیشک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے فرمایا اے نوح علیہ السلام بیشک وہ تیرے گھر والوں سے نہیں اس کے عمل اچھے نہیں پس نہ سوال کر جس کا تجھے علم نہیں بے شک میں تجھے اس سے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے ہو جائے۔ اس نے کہا اے، میرے رب بیشک میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے اس بات کا سوال کروں جس کا مجھے کچھ علم نہیں اور تو نے اگر مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ پانے والوں میں ہو جاؤں گا۔"

ان آیات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ آپ علیہ السلام عالم الغیب نہ تھے اگر نوح علیہ السلام غیب جانتے ہوتے تو اپنے کافر بیٹے کنعان کے لیے دعا نہ فرماتے اور نہ ہی اپنے رب سے ڈانٹ ڈپٹ سنتے اگر ان کو اس بات کا علم ہوتا کہ اللہ میری اس دعا کو بیٹے کے حق میں قبول نہیں کرے گا بلکہ دعا کرنے سے ناراض ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن مجید میں تیسرے مقام پر اسی سورہ میں وضاحت ہے۔

﴿ تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا ۖ ﴾ (۱۱/ ھود:۴۹)

"یہ غیب کی خبروں سے ہے جنہیں ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اس سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم۔"

معلوم ہوا کہ غیب خبر کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جب تک اللہ خبر غیب کو وحی کے ذریعے ظاہر نہ کرے۔

دلیل نمبر ۱۷

سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی غیب کا علم نہ جانتے تھے۔

﴿ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ

مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ۝ وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۝ قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝﴾ (۱۱/ ھود:۶۹۔۷۲)

''بلاشبہ یقیناً ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے انہوں نے سلام کہا اس نے کہا سلام ہو پھر دیر نہیں کی کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا تو جب ان کے ہاتھوں کو دیکھا کہ اس کی طرف نہیں پہنچتے تو انہیں اوپرا جانا اوران سے ایک قسم کا خوف محسوس کیا انہوں نے کہا نہ ڈر بے شک ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں اور اس کی بیوی کھڑی تھی سو ہنس پڑی تو ہم اسے اسحاق علیہ السلام کی اور اسکے بعد یعقوب علیہ السلام کی خوش خبری دی اس نے کہا ہائے میری بربادی کیا میں جنوں گی جب کہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے۔ یقیناً یہ عجیب چیز ہے۔''

خود ابراہیم علیہ السلام اگر عالم الغیب ہوتے تو فرشتوں کو انسان سمجھ کر بچھڑے کا گوشت پیش نہ کرتے جوان کے نہ کھانے سے ڈر گئے وہ نہ ڈرتے فرشتے تسلی نہ دیتے کہ ہم فرشتے ہیں قوم لوط علیہ السلام کی تباہی کا نہ بتاتے۔

اس سے ایک مسئلہ اور بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر فرشتے لبادہ بشریت میں آئیں پھر بھی کھانا نہیں کھاتے۔ اگر بی بی سارہ عالم الغیب ہوتی تو جب فرشتوں نے بیٹے اسحاق علیہ السلام اور اسکے بعد یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی تو تعجب کا اظہار نہ کرتی کہ میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا۔
جس اللہ نے قربانی کا حکم دیا تو آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی کا ارادہ کرلیا ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے بیٹا بھی تیار ہو گیا تو یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ابراہم علیہ السلام کو علم تھا امتحان نہیں رہتا امتحان تب ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو یہی پتہ تھا کہ میرا بیٹا ذبح ہوجائے گا اور اسماعیل علیہ السلام کو یہی پتہ تھا کہ میں ذبح ہوجاؤں گا۔
قربانی تو پھر ہی بنتی ہے جبکہ دونوں باپ بیٹے کو غیب کا علم نہ ہو اور یہی بات تھی۔

بنتی نہیں ہے بات بناوٹ سے بال بھر
کھل جاتی ہے آخر کو رنگت خضاب کی

دلیل نمبر ۱۸

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی غیب کا علم نہ جانتے تھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ الْغُيُوبِ ﴾ (۵/ المائدہ:۱۱۶)

''جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو معبود مقرر کرو؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہے کیونکہ جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے اسے میں نہیں جانتا بے شک تو ہی ہے سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔''

اگر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو یہ نہ فرماتے: ''ولا اعلم مافی نفسك۔''

تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء غیب کا علم نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ ۖ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ الْغُيُوبِ ﴾ (۵/ المائدہ:۱۰۹)

''جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں بیشک تو ہی ہے سب غیبوں کا جاننے والا۔''

(ترجمہ احمد رضا خان صاحب بریلوی)

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو غیب کا علم نہیں تھا اگر کوئی اپنے خلافِ قرآن مذہبِ خود ساختہ کو بچانے کے لیے الٹی سیدھی تاویلیں کرے تو یہ فکر باطل کی عادت ہے کہ جتنا بھی قرآن کریم وحدیث مبارکہ سنائیں وہ یقین نہیں کریں گے۔

لباس خضر میں یہاں سینکڑوں راہزن بھی پھرتے ہیں
اگر دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر

دلیل نمبر۲۰

حقیقت یہ ہے کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ﴾ (٦/ الانعام:٥٩)

''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

دلیل نمبر۲۱

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا

﴿ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ ﴾

(١١/ هود:١٢٣)

''اور آسمان اور زمین کی چھپی چیزوں کا علم اللہ ہی کو ہے اور تمام امور کا رجوع اسی کی طرف ہے۔''

دلیل نمبر۲۲

﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴾ (٦/ الانعام:٧٣)

''وہی پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے اور وہی دانا اور خبردار ہے۔''

دلیل نمبر۲۳

﴿ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (١٦/ النحل:٧٧)

''اور آسمانوں اور زمین کا علم غیب اللہ ہی کو ہے اور قیامت کا آنا یوں ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ اس سے بھی جلد تر کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

دلیل نمبر۲۴

﴿ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ

وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴾ (۱۸/ کھف:۲٦)

''اُسی کے لیے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا کیا خوب دیکھنے والا ہے ساتھ اس کے اور خوب سننے والا ہے اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔''

دلیل نمبر ۲۵

حضرت عزیر علیہ السلام بھی غیب کا علم نہ جانتے تھے۔

﴿ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ ﴾ (/ البقرہ:۲۵۹)

''یا اس شخص کی مانند جس کا گزر اس بستی پر ہوا جو چھت کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی کہنے لگا موت کے بعد اس کو کیسے زندہ کرے گا تو اللہ نے اسے مار دیا سو سال کے لیے پھر اسے اٹھایا پوچھا کتنی مدت تم پر گزری ہے تو کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے تو سو سال مردہ رہا۔''

اگر حضرت عزیز علیہ السلام عالم الغیب ہوتے تو بتا دیتے کہ میں سو سال یہاں ٹھہرا ہوں سو سال کا ایک دن کہنا یا دن کا کچھ حصہ کہنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ غیب کا علم نہیں جانتے تھے ورنہ تو جھوٹ ہوگا جس کا صدور پیغمبر علیہ السلام سے ممکن نہیں کیونکہ ہر نبی علیہ السلام سچا ہوتا ہے اس سے یہی معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام کو علم نہیں تھا اس لیے سو سال کو ایک دن کہا یا دن کا کچھ حصہ اس سے ایک مسئلہ یہ بھی ثابت ہوا کہ وفات کے بعد کوئی نبی علیہ السلام بھی اپنے حالات سے باخبر نہیں ہوتا اور دوسروں کے حالات کی ان کو کیسے خبر ہوگی اور دوسرے فوت شدہ بزرگ اپنے مریدوں کے حالات سے کیسے واقف ہوتے ہیں کہ ان کی قبر پر کون دیگ لے کر آیا کون بکرا لے کر آیا اور لوگوں کے گھروں کے حالات سے وہ بزرگ کیسے واقف ہو سکتے ہیں جبکہ اللہ کے نبی حضرت عزیر علیہ السلام اپنے ذاتی حالات سے بھی بے خبر تھے۔

وہ شاید قفس ہی میں ہی عمر گنوائیں
گئی بھول صحرا کی جن کو فضائیں

دلیل نمبر ۲۶

﴿ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ ﴾

(۱۱/ ھود:۱۲۳)

"اور اللہ ہی کے پاس آسمانوں اور زمین کا علم غیب ہے اور سب کے سب کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔"

دلیل نمبر ۲۷

رسول اعظم حضرت محمد ﷺ بھی غیب کا علم نہ جانتے تھے۔

﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ (٦/ الانعام:٥٠)

"کہہ دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اسی حکم پر چلتا ہوں جو مجھے وحی کی جاتی ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں تین چیزوں کی نفی بیان کی گئی۔

① رسول اللہ ﷺ کے پاس اللہ کے خزانوں کا اختیار نہیں کہ جس کو چاہیں عطا کریں۔
② میں غیب کا علم نہیں جانتا کیونکہ غیب جاننا خاصہ خداوندی ہے۔
③ میں نوری فرشتہ نہیں ہوں بلکہ انسان ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا کتنا واضح اور شفاف فرمان موجود ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں اس کے باوجود بھی لوگ خودساختہ من گھڑت عقائد کو بچانے کی خاطر حق کے مخالف ہیں۔

دلیل نمبر ۲۸

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۝﴾ (۷/ الاعراف:۱۸۸)

”کہہ دو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو مومنوں کو ڈرا اور خوش خبری سنانے والا ہوں۔“

دلیل نمبر ۲۹

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا۝﴾ (۲۲/ الاحزاب:۶۳)

”لوگ تم سے قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہیں کہ کب آئے گی تو کہہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے اور تمہیں کیا معلوم شاید قیامت قریب آ گئی ہو۔“

دلیل نمبر ۳۰

اس طرح دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۝﴾ (۶۷/ الملک:۲۵-۲۶)

”اور کافر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو وعدہ کب پورا ہو گا۔ کہہ دو اس کا علم اللہ ہی کو ہے اور میں تو کھول کھول کر ڈر سنانے والا ہوں۔“

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا علم رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے علاوہ کسی پیغمبر علیہ السلام کو نہیں تھا۔

دلیل نمبر ۳۱

ایک مقام پر مزید وضاحت فرمائی:

﴿ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۗ وَإِنْ أَدْرِيْٓ أَقَرِيْبٌ أَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝ ﴾ (۲۱/ الانبیاء:۱۰۹)

''پس اگر پھر جائیں تو آپ فرما دیجئے کہ میں تمہیں نہایت صاف اطلاع کر چکا ہوں اور میں یہ نہیں جانتا کہ جس چیز کا تم سے وعدہ ہوا آیا وہ قریب ہے یا دور۔''

دلیل نمبر ۳۲

اللہ نے نبی ﷺ سے قرآن میں پھر اعلان کروایا کہ

﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ أَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۗ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوْحٰٓى إِلَيَّ وَمَآ أَنَا إِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (۴۶/ الاحقاف:۹)

''تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے اور میں نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا۔'' (ترجمہ احمد رضا خان صاحب بریلوی)

دلیل نمبر ۳۳

ایک اور جگہ اس طرح ارشاد فرمایا:

﴿ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ۗ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴾

(۹/ التوبہ:۱۰۱

''اور کچھ مدینے والے ان کی خو ہو گئی ہے نفاق تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔'' (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی)

دلیل نمبر ۳۴

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ ۗ وَمَا يَشْعُرُوْنَ أَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴾ (۲۷/ النمل:۶۵)

''کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

دلیل نمبر ۳۵

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ (٤٠/ المومن:١٧٨)

''ہم نے تم سے پہلے بہت سے رسول بھیجے ان میں کچھ ایسے ہیں جن کے حالات تم سے بیان کر دیئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کیے۔''

دلیل نمبر ۳۶

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا۝﴾

(١٨/ الكهف:٢٣-٢٤)

''اور کسی کام کی نسبت نہ کہنا کہ میں اسے کل کرونگا مگر اللہ چاہے تو اور جب اللہ کا نام لینا بھول جاؤ تو یاد آنے پر لے لو اور کہہ دو کہ امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کی باتیں بتائے۔''

اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ قریشیوں نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینے کے یہودی علماء کے پاس بھیجا کہ تم جا کر محمد ﷺ کی بابت کل حالات ان سے بیان کرو ان کے پاس ان کے انبیاء علیہم السلام کا علم ہے ان سے پوچھو ان کی آپ بارے کیا رائے ہے یہ دونوں مدینے گئے اور احبار مدینہ سے ملے حضور ﷺ کے حالات اوصاف بیان کئے آپ کی تعلیم کا ذکر کیا اور کہا کہ تم ذی علم ہو بتلاؤ ان کی نسبت کیا خیال ہے انہوں نے کہا دیکھو ہم تمہیں ایک فیصلہ کن بات بتلاتے ہیں تم جا کر ان سے تین سوالات کرو اگر جواب دے دیں تو ان کے سچے ہونے میں کوئی شک نہیں بے شک اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور اگر جواب نہ دے سکیں تو ان کے جھوٹا ہونے میں بھی کوئی شک نہیں پھر تم جو چاہو کرو۔

اس سے پوچھو کہ اگلے زمانے میں جو نوجوان چلے گئے تھے ان کا واقعہ بیان کرو وہ ایک عجیب واقعہ ہے اور اس شخص کے حالات دریافت کرو جس نے تمام زمین کا گشت لگایا تھا۔ مشرق و مغرب ہو آیا تھا اور روح کی ماہیت دریافت کرو اگر بتلا دے تو اسے نبی مان کر اس کی اتباع کرو اگر نہ بتلا سکے تو وہ شخص جھوٹا ہے۔ جو چاہو کرو یہ دونوں وہاں سے واپس آئے اور قریشیوں سے کہا لو بھئی آخری اور انتہائی فیصلے کی بات انہوں نے بتلا دی ہے اب چلو حضرت سے سوالات کریں۔ چنانچہ یہ سب آپ کے پاس آئے اور تینوں سوالات کئے آپ ﷺ نے فرمایا تم کل آؤ میں تمہیں جواب دوں گا۔ لیکن انشاء اللہ کہنا بھول گئے ۱۵ دن گزر گئے نہ آپ ﷺ پر وحی آئی نہ اللہ کی طرف سے ان باتوں کا جواب معلوم کرایا گیا۔ اہل مکہ کہنے لگے لیجئے صاحب کا کل وعدہ تھا۔ آج پندرھواں دن ہے لیکن وہ بتلا نہیں سکے ادھر آپ کو دھرا غم ستانے لگا۔ قریشیوں کو جواب نہ ملنے پر ان کی باتیں سننے کا اور وحی کے بند ہو جانے کا پھر جبریل علیہ السلام آئے سورۃ کہف نازل ہوئی اسی میں انشاء اللہ کہنے پر آپ کو ڈانٹا گیا اور ان نوجوانوں کا قصہ بیان کیا گیا اور سیاح کا ذکر کیا گیا یسئلونك عن الروح میں روح کی بابت جواب دیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۸۳)

اسی طرح بریلوی مفسر نعیم الدین مراد آبادی شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے جب اصحاب کہف کا حال دریافت کیا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں کل بتاؤں گا اور انشاء اللہ نہیں فرمایا تھا تو کئی روز وحی نہیں آئی پھر یہ آیت نازل فرمائی۔ (خزائن العرفان تفسیر القرآن صفحہ ۵۴۳)

اگر نبی ﷺ غیب کا علم جانتے ہوتے تو اہل مکہ کے سوالات کا فوراً جواب دیتے دوسرے دن جواب دینے کا وعدہ نہ فرماتے ۱۵ دن تک انتظار نہ فرماتے اور مکے والوں کی طرح طرح کی باتیں نہ سنتے اور وہ بھی فوراً ایمان لے آتے جوان کی شرط تھی۔ اگر آپ عطائی طور پر بھی عالم الغیب ہوتے تو پھر بھی ان کے سوالات کے جوابات دیتے۔ ان کی شرط یہ تو نہیں تھی کہ تم ذاتی علم سے جواب دو یا عطائی ان کو تو صرف سوالات کے جوابات مطلوب تھے جن کا آپ ﷺ کو علم نہیں تھا۔

دلیل نمبر ۳۷

رسول اللہ ﷺ کے پاس شاعری کا علم کبھی نہیں تھا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ ﴾

(۳۶/ یٰسین:۶۹)

”اور ہم نے ان کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کو شایاں ہے یہ تو محض نصیحت اور صاف صاف قرآن واضح حکمت پر ہے۔“

اس نص قطعی سے یہ بات بالکل آشکارا ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شعر کی تعلیم عطا ہی نہیں کی اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی تعلیم نہیں دی تو اور کہاں سے عطا ہوئی یا ہوسکتی ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ شعر کی تعلیم آپ ﷺ کی بلند اور رفیع شان کے لائق ہی نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ حقیقت کے ترجمان تھے اور آپ کی بعثت کا مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے بدون ادنی ترین کذب وغلو کے روشناس کرنا تھا ظاہر ہے کہ یہ کام ایک شاعر کا نہیں ہوسکتا اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ شاعری کا علم نہیں جانتے تھے۔

دلیل نمبر ۳۸

پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۧ ﴾ (۳۱/ لقمان:۳۴)

”اللہ ہی کو ہے قیامت کا علم اور وہی مینہ برساتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ کل کیا کمائے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اسے موت آئے گی بیشک اللہ ہی جاننے والا خبردار ہے۔“

دلیل نمبر ۳۹

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿ اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ ﴾ (۱٤/ ابراهیم:۹)

''کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے تھے قوم نوح اور عاد وثمود کی اور ان کی جو ان کے بعد تھے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

دلیل نمبر ۴۰

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَیَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴾ (۱۰/ یونس:۲۰)

''اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی پس آپ کہہ دو کہ غیب تو صرف اللہ کے پاس ہے پس انتظار کرو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔''

دلیل نمبر ۴۱

اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴾

(۷۲/ الجن:۲۵)

''تم فرماؤ میں نہیں جانتا آیا نزدیک ہے وہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے یا میرا رب اسے، کچھ وقفہ دے گا۔''

دلیل نمبر ۴۲

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾

(۳۵/ فاطر:۳۸)

"بے شک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کی غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے اور وہ تو دل کے بھیدوں تک کا جاننے والا ہے۔"

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ آسمانوں اور زمین کے غیبوں کا جاننے والا اور دلوں اور سینے کی باتوں کو جاننا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس میں نہ کسی نبی رسول ﷺ کو شریک کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی ولی بزرگ جن یا فرشتے کو۔ اللہ شریک سے پاک ہے۔

دلیل نمبر۴۳

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾

(۴۹/ الحجرات:۱۸)

"بیشک اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہے اور اللہ ہی تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ آسمان اور زمین کے سب غیبوں کو جاننے والا صرف ایک اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی سب کے تمام اعمال کو دیکھنے والا ہے نہ اللہ کے سوا کوئی غیب جاننے والا ہے اور نہ ہی اللہ کے سوا کوئی سب کے سب اعمال کو دیکھنے والا ہے۔

دلیل نمبر۴۴

﴿ تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا ۖ فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ (۱۱/ ھود:۴۹)

"یہ غیب کی خبروں سے ہے جنہیں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں اس سے پہلے نہ تو آپ ﷺ انہیں جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم پس صبر کریں بیشک اچھا انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔"

دلیل نمبر۴۵

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں:

﴿ وَكَذٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْإِيمَانُ ﴾ (۴۲/ شوریٰ:۵۲)

”اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تیری طرف بھیجی تم نہ کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو۔“

دلیل نمبر ۴۶

اصحاب کہف جو اللہ کے سچے حقیقی ولی تھے جن کی سچائی کو قرآن بیان کرتا ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندے تھے غیب کا علم وہ بھی نہیں جانتے تھے چنانچہ ارشاد ہے اصحاب کہف غار کے اندر کتنا عرصہ ٹھہرے۔

﴿ لَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴾

(۱۸/ الکہف:۲۵)

”وہ اپنے غار میں تین سو ۹ سال رہے۔“

دلیل نمبر ۴۷

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھایا تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں:

﴿ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ﴾ (۱۸/ الکہف:۱۹)

”ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم کتنی دیر ٹھہرے ہو انہوں نے کہا ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں اور دوسروں نے کہا تمہارا رب زیادہ جاننے والا ہے جتنی مدت تم رہے ہو۔“

غور فرمائیں اللہ کے ولی ابھی زندہ سوئے ہوئے ہیں مگر اپنے حالات سے بھی بے خبر ہیں کہ ۳۰۹ سال کے عرصہ کو ایک دن یا آدھا دن کہہ رہے ہیں بے خبری کا یہ حال تھا اور جو اللہ کے ولی نیک بزرگ فوت ہو جائیں زمین میں دفن ہو جائیں۔ ان کو ہمارے حالات کی خبر کیسے ہوگی کہ قبر پر کون کیا نذرانہ لے کر آیا اور کیسے واپس گیا اللہ ہی عیب جانتا ہے۔

قرآن مجید کی نصوص صریحہ آیات بینات کے ساتھ اللہ کی مقدس کتاب قرآن مجید کی

۴۷ آیات سے ثابت ہوا کہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے اس کے سوا کوئی غیب دان نہیں مخلوقات میں سب سے افضل انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔لیکن قرآن مجید نے وضاحت کے ساتھ ان کے عالم الغیب ہونے کا رد کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھی غیب کا علم نہیں جانتے تھے جب وہ نہیں جانتے تھے تو باقی مخلوق کی ان کے سامنے کیا حیثیت ہے پھر امام الانبیا کرام علیہم السلام، امام اعظم، قائداعظم رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی سب انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل اعلیٰ تھی۔مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ میرے آخری پیغمبر علیہ السلام کو بھی غیب کا علم نہ تھا۔ہاں جو باتیں اللہ وحی کے ذریعے انبیاء کرام علیہم السلام کو اطلاع کرتے ہیں بتاتے ہیں وہ علم جو کسی کی وساطت سے حاصل ہو وہ علم غیب نہیں ہوتا وہ وحی کے ذریعے باقاعدہ جبریل علیہ السلام کے ذریعے پیغام دیا جاتا ہے اور پیغام کے ذریعے، جس خبر کا علم ہو اس کو غیب جاننا نہیں کہتے تعصب کو چھوڑ کر اللہ سے ڈرتے ہوئے ہمارے دلائل پر غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ کو مسئلہ سمجھ نہ آئے میں نے آپ کے سامنے اللہ کا قرآن بیان کیا ہے۔

ہمارا پوری جماعت اہل حدیث کا عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کائنات کے اندر نہ کوئی نبی نہ کوئی صحابی نہ کوئی جن نہ کوئی فرشتہ نہ کوئی ولی نہ کوئی اور مخلوق غیب جانتی ہے غیب، کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔

یہ عقیدہ ہی قرآن کے مطابق اور حدیث رسول کے مطابق ہے اس کے بعد ہم اس عقیدہ پر حدیث مبارکہ کی روشنی میں بیان کریں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو غیب کا علم نہ تھا اور نہ ہی انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کیا کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ خاصہ خداوندی ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

اس بات میں، ہم کچھ احادیث مبارکہ پیش کریں گے تاکہ یہ بات مزید واضح ہو جائے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو علم غیب حاصل تھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمیع ما کان وما یکون کے عالم تھے اور جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارکہ سے نفی فرما دی ہے تو کسی اور کی بات کو کیسے حجت مانا جا سکتا ہے۔انشاء اللہ تمام صحیح احادیث مبارکہ کو پیش کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب تمہیں کسی کام میں یا مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ کہ

اللہ کا حکم کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا حکم کیا ہے پہلے ہم نے قرآن کریم کی آیات بینات سے ثابت کیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں اب احادیث رسول اور اصحاب رسول ﷺ سے ثابت کیا جائے گا کہ آپ ﷺ کو غیب کا علم حاصل نہ تھا۔

معراج کی رات فرضیت نماز کا واقعہ فرماتے ہیں:

حدیث نمبر ۱

((فرجعت الی موسٰی فقال راجع ربك فقلت استیحیت من ربی ثم انطلق بی حتی انتھی بی اِلی سدرۃ المنتھٰی وغشیھا الوان لا ادری ماھی ثم ادخلت الجنۃ فاذا فیھا خبایل اللؤلؤ وازاترابھا المسلك)) (صحیح بخاری، ج ۱، ص: ۴۳۲)

''میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انہوں نے پھر کہا کہ اپنے رب کے پاس جاؤ لیکن میں نے کہا مجھے اب اپنے رب سے شرم آتی ہے پھر جبریل سدرۃ المنتھیٰ تک لے گئے جسے کئی طرح کے رنگوں سے ڈھانک رکھا تھا جن کے متعلق میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہیں۔''

حدیث نمبر ۲

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَفَاتِحُ الغَيْبِ خَمْسٌ: إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ))

(صحیح بخاری شریف، کتاب بالتفسیر مع شرح، ج ٦، ص: ۱۷۸ حدیث: ۱٦۲۷)

''کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غیب کی چابیاں پانچ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، بیشک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے اور کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ وہ کل کیا عمل کرے گا یا کمائے گا اور نہ کوئی یہ جان

سکتا ہے کہ وہ کس زمین پر مرے گا بیشک اللہ ہی علم والا اور خبر رکھنے والا ہے۔''

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ان پانچ چیزوں کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے حتی کہ کوئی نبی رسول بزرگ انہیں نہیں جانتا نہ آج کے سائنس دان کوئی حتمی خبر ان کے متعلق دے سکتے ہیں اگر کوئی اایسا دعوی کرے تو سرسرا جھوٹا ہے۔

حدیث نمبر ۳

عَنْ عَبْدِاللَّهِ بْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سِرْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ لَيْلَةً فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: لَوْعَرَّسْتَ بِنَايَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ ((**أَخَافُ أَنْ تَنَامُوْا عَنِ الصَّلَاةِ**)) قَالَ بِلَالٌ. أَنَا أُوقِظُكُمْ، فَضطَجَعُوا، وَ أَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ إِلَى رَحِلَتِهِ، فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ، فَسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَالَ: ((**يَابِلَالُ، أَيْنَ مَا قُلْتَ**))؟ قَالَ: مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ قَالَ. ((**إِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِيْنَ شَاءَ، وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِيْنَ شَاءَ، يَا بِلَالُ، قُمْ فَأَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلَاةِ**)) فَتَوَضَّأَ، فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَاضَتْ، قَالَ فَصَلَّى۔ (صحیح بخاری ج ص ۵۷۷ حدیث ۵۹۵)

''عبداللہ بن ابی قتادہ سے انہوں نے اپنے باپ سے کہا (ہم خیبر سے لوٹ کر) نبی ﷺ کے ساتھ رات کو سفر کر رہے تھے کسی نے کہا کہ حضور ﷺ آپ اب پڑاؤ ڈال دیتے تو بہتر تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہیں نماز کے وقت بھی تم سوتے نہ رہ جاؤ اس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ بولے کہ میں آپ سب لوگوں کو جگادوں گا چنانچہ سب لوگ لیٹ گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی پیٹھ کجاوے سے لگالی اور ان کی بھی آنکھ لگ گئی اور جب نبی کریم ﷺ بیدار ہوئے تو سورج کے اوپر کا حصہ نکل چکا تھا آپ نے فرمایا بلال رضی اللہ عنہ تو نے کیا کہا تھا وہ بولے آج جیسی نیند مجھے کبھی نہیں آئی پھر رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تمہاری ارواح کو جب چاہتا ہے قبض کر لیتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے واپس

کر دیتا ہے اے بلال رضی اللہ عنہ اٹھ اور اذان دے پھر آپ نے وضو کیا اور جب سورج بلند ہو کر روشن ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ عالم الغیب نہ تھے۔ اگر عالم الغیب ہوتے تو بلال رضی اللہ عنہ کو کہہ دیتے کہ صبح تم بھی سو جاؤ گے اور ہماری نماز کا وقت نکل جائے گا اگر بلال رضی اللہ عنہ یا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عالم غیب ہوتے تو ان کو نماز کے وقت کا علم ہوتا جاتا۔ لیکن نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وقت نماز کا علم ہوا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو علم ہوا اس سے معلوم ہوا کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے مخلوق میں سے کوئی بھی عالم الغیب نہیں ہے۔

راہ طلب میں جذبہ کامل ہو جسے ساتھ
خود اس کو ڈھونڈ لیتی ہے منزل کبھی کبھی

حدیث نمبر ۴

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّهَا قَالَتْ: وَاعَدَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي سَاعَةٍ يَأْتِيهِ فِيهَا، فَجَاءَتْ تِلْكَ السَّاعَةُ وَلَمْ يَأْتِهِ، وَفِي يَدِهِ عَصاً، فَأَلْقَاهَا مِنْ يَدِهِ، وَقَالَ: ((**مَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ، وَلَا رُسُلُهُ**)) ثُمَّ الْتَفَتَ، فَإِذَا جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ سَرِيرِهِ، فَقَالَ: ((**يَا عَائِشَةُ، مَتَى دَخَلَ هَذَا الْكَلْبُ هَهُنَا؟**)) فَقَالَتْ. وَاللَّهِ مَادَرَيْتُ، فَأُخْرِجَ، فَجَاءَ جِبْرِيلُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((**وَاعَدْتَنِي، فَجَلَسْتُ لَكَ فَلَمْ تَأْتِ**))، فَقَالَ: مَنَعَنِي الْكَلْبُ الَّذِي كَانَ فِي بَيْتِكَ؛ إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتاً فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ۔

(صحيح مسلم، كتاب اللباس، صفحه ۲۳۰)

"ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے وعدہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کا ایک وقت میں پھر وہ وقت آ گیا اور جبریل علیہ السلام نہ آئے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک میں ایک لکڑی تھی۔

آپ ﷺ نے اسے پھینک دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتا نہ اس کے ایلچی وعدہ خلافی کرتے ہیں پھر آپ نے ادھر ادھر دیکھا تو ایک پلہ کتے کا تخت کے نیچے دکھلائی دیا آپ نے فرمایا اے عائشہ یہ پلہ کب آیا اس جگہ انہوں نے کہا قسم خدا کی مجھ کو خبر نہیں پھر آپ نے حکم دیا وہ باہر نکالا گیا اُسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام آئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آپ علیہ السلام نے مجھ سے وعدہ کیا تھا اور میں آپ ﷺ کے انتظار میں بیٹھا تھا لیکن آپ علیہ السلام نہیں آئے اور انہوں نے کہا یہ کتا جو آپ ﷺ کے گھر میں تھا اس نے مجھے روک رکھا تھا ہم اس گھر میں نہیں جاتے جس کے اندر کتا یا مورت ہو۔"

اگر رسول اللہ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو آپ ﷺ کو معلوم ہوتا کہ چارپائی کے نیچے کتا ہے اور اس بات کا بھی علم ہوتا کہ یہ کتا اس جگہ کب داخل ہوا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہ پوچھتے کہ یہ یہاں کب داخل ہوا اور اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عالم الغیب ہوتی تو قسم اٹھا کر لاعلمی کا اظہار نہ فرماتی بلکہ کتے کے داخل ہونے کا وقت بتاتی کہ کتا فلاں وقت داخل ہوا یہ کتا بھی مدینے کا کتا تھا۔ جس گھر میں داخل ہو وہاں اللہ کی رحمت کی فرشتے نہیں آتے۔

اس سے بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہو گا کہ نہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب تھے اور نہ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

حدیث نمبر ۵

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((ان اسود رجلا اور امراة كان يكون فى المسجد يقم المسجد فمات لم يعلم النبى ﷺ موته تذكره ذات يوم فقال مافعل ذالك الانسان قالوا مات يا رسول قال افلا اذنتمونى فقالوا انه كذاوكذا قصته قال فحقروا شانه قال فدلونى على قبره فاتى قبرهٗ فصلى عليه))

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، صفحہ: ۶۲۳، ج ۱، مسلم، ج ۲، ص ۳۹۰)

''ایک سیاہ فام مرد یا عورت (راوی کو شک ہے) مسجد میں رہا کرتا تھا اور مسجد کی صفائی کیا کرتا تھا وہ مر گیا اور نبی ﷺ کو اس کی موت کا علم نہ ہوا اتفاقاً آپ ﷺ نے اسے یاد فرمایا اور پوچھا اس آدمی کا کیا ہوا (کئی دنوں سے دیکھنے میں نہیں آ رہا) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی وہ تو فوت ہو چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کچھ ایسا ہی جواب دیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اس معاملہ کو معمولی سمجھا اس لیے آپ ﷺ کو اطلاع نہ دی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا چلو مجھے اس کی قبر بتاؤ۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کی قبر پر تشریف لائے اور اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔''

اس حدیث مبارکہ سے بھی مسئلہ بالکل واضح ہے کہ مسجد کا خادم جو مسجد کی صفائی کیا کرتا تھا اور مسجد ہی میں رہا کرتا تھا مر گیا لیکن رسول اللہ ﷺ کو اس کی موت کا علم نہ ہوا اور آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تم نے مجھے اس کی موت کی خبر کیوں نہ دی اور پھر آپ ﷺ اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لے چلے تو فرمایا مجھے بتاؤ اس کی قبر کہاں ہے کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہر امتی کی قبر میں سوالات کے وقت موجود ہوتے ہیں اس بات کا بھی اس حدیث میں واضح رد موجود ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ اس کی قبر میں سوالات کے وقت تشریف لائے تھے پھر آپ ﷺ کو پتا کیوں نہ چلا کہ وہ آدمی فوت ہو گیا پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اگر آپ ﷺ اس کی قبر میں تشریف لائے تھے تو پھر اس کی قبر کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھنے کی ضرورت کیوں پڑی یہ ساری باتیں آپ ﷺ کے لیے دعویٰ علم غیب کے باطل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو خادم مسجد کی موت آپ ﷺ سے پوشیدہ نہ رہتی اور آپ ﷺ یہ نہ فرماتے:

تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی اس کی قبر کے بارے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

حدیث نمبر ٦

((عن ابی هريرة يقول صلّى لنا رسول اللّٰهﷺ صلوٰة العصر فسلّم فی ركعتيں فقام ذواليدين فقال اقصرت الصلوٰة يا رسول اللّٰه ام نسيت فقال رسول اللّٰهﷺ كل ذالك لم يكن فقال قد كان بعض ذالك يا رسول اللّٰهﷺ فا قبل رسول اللّٰهﷺ على الناس فقال اصدق ذواليدين فقالوا نعم يا رسول اللّٰه فاتم رسول اللّٰهﷺ مايقى من الصلوة ثم سجد سجد تين وهو جالس بعد التسليم))

(صحیح مسلم شرح نووی، ج ٢، کتاب المساجد، ١٣٨)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا تو ذوالیدین رضی اللہ عنہ اٹھا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا نماز کم ہوگئی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بات نہیں ہوئی (نہ نماز کم ہوئی نہ میں بھولا) وہ بولا کچھ تو ضرور ہوا ہے یارسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف رخ کیا اور پوچھا کیا ذوالیدین سچ کہتا ہے وہ لوگ بولے ہاں وہ سچ کہتا ہے یارسول اللہ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی نماز رہ گئی تھی وہ پوری کی پھر دو سجدے بیٹھے بیٹھے کیے سلام کے بعد۔''

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بھول گئے اور اصل تعداد رکعات کی بجائے دو رکعتیں کم پڑھی اور یاد دلانے پر بھی یقین نہیں آیا جب تک دوسرے لوگوں نے تصدیق نہ کی۔ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان نہ تھے اگر ہوتے تو بھولتے نہ اور ذوالیدین کی بات کی دوسروں سے تصدیق نہ کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہوتا کہ میں نے دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ ذوالیدین کو یہ نہ کہتے کہ نہ میں بھولا اور نہ نماز کم ہوئی۔ بھولنا انسان کا خاصہ ہے۔ اللہ عالم الغیب ہے وہ کبھی نہیں بھولتا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے حضرت موسیٰ نے اعلان فرمایا:

﴿ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴾ (٢٠/ طٰہٰ: ٥٢)

''میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔''

حدیث نمبر ۷

عَنْ ابنِ عُمرَ رضی اللہ عنہما عن النّبِيِّ ﷺ قالَ: ((مَفَاتِيحُ الغَيْبِ خَمْسٌ، لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللّٰهُ، لَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الأَرْحامُ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَافِي غَدٍ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَتَى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللّٰهُ))

(صحیح بخاری مع شرح کتاب التوحید، صفحہ ۵۳۵، ج ۸، حدیث ۷۳۷۹)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں اللہ کی سوا کوئی نہیں جانتا کہ رحم مادر میں کیا ہے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کس جگہ کوئی مرے گا اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی۔''

حدیث نمبر ۸

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ يعْلَمُ الغيْبَ فَقَدْ كَذَبَ، وَهْوَ يَقُولُ: ((لَايَعْلَمُ إِلَّا اللّٰهُ))۔

(صحیح بخاری کتاب التوحید مع شرح ج ۸ ص ۵۲۵ حدیث ۷۳۸۰)

''کہ جو شخص تیرے سامنے بیان کرے کہ آپ ﷺ غیب جانتے ہیں وہ یقیناً جھوٹا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

جو لوگ کم علمی اور قلت تدبر کی وجہ سے اپنے خود ساختہ مذہب کی حمایت میں نبی ﷺ کے لیے علم غیب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ قرآن مجید میں تحریف کرتے ہیں اور از خود ایک عقیدہ گھڑتے ہیں جو کہ قرآن وحدیث کے مخالف ہوتا ہے۔

ایسے لوگوں سے دور رہ کر اپنے دین وایمان کی حفاظت کرنی چاہیے جو باتیں

آپ ﷺ نے بتائی ہیں یہ سب بذریعہ وحی الٰہی ہیں کیوں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورہ نجم میں فرمایا کہ آپ ﷺ اپنی مرضی سے نہیں بولتے بلکہ وہی بات کرتے ہیں جو وحی کے ذریعہ سے بتائی جاتی ہے وحی کے ذریعے سے بتائی جانے والی باتوں کو جاننے کا نام علم غیب جاننا باور کروانا سراسر دھوکا ہے۔

حدیث نمبر۹

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ: أَنَّ رِعْلاً ذَكْوَانَ وَعُصَيَّةَ وَبَنِي لِحيَانَ اسْتَمَدُّوا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى عَدُوٍّ فَأَمَدَّهُم بِسَبْعِينَ مِنَ الْأَنْصَارِ كُنَّا نُسَمِّيهِمُ الْقُرَّاءَ فِي زَمَانِهِمْ وَكَانُوا يَحْطِبُونَ بِالنَّهَارِ وَيُصَلُّونَ بِاللَّيْلِ حَتَّى كَانُوا بِبِئْرِ مَعُونَةَ قَتَلُوهُمْ وَغَدَرُوا بِهِمْ فَبَلَغَ النَّبِيَّ ﷺ ذَالِكَ فَقَنَتَ شَهْرًا يَدْعُو فِي الصُّبْحِ عَلَى أَحْيَاءِ الْعَرَبِ عَلَى رِعْلٍ ذَكْوَانَ وَعُصَيَّةَ وَبَنِي لِحْيَانَ))۔

(صحیح بخاری مع شرح، ج ٥، غزوۃ الرجیع، ص: ٤١٥؛ حدیث: ٤٠٩٠)

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رعل ذکوان عصیہ اور بنولحیان نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے دشمنوں کے مقابل مدد چاہی۔ آنحضرت ﷺ نے ستر صحابہ رضی اللہ عنہم انصاری کو ان کی کمک کے لیے روانہ کیا ہم ان حضرات کو قاری کہا کرتے تھے اپنی زندگی معاش کے لیے دن میں لکڑیاں جمع کرتے تھے اور رات میں نماز پڑھا کرتے تھے جب یہ حضرات بئر معونہ پر پہنچے تو ان قبیلے والوں نے انہیں دھوکا دیا اور انہیں شہید کر دیا جب آپ ﷺ کو ان کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے صبح کی نماز میں ایک مہینے تک بددعا کی عرب کے انہیں چند قبائل رعل ذکوان عصیہ اور بنولحیان کے لیے''۔

آنحضرت نے ان ستر قاریوں کو اس لیے بھیجا تھا کہ قبائل اعل ذکوان اور عصیہ اور بنو لحیان کے لوگوں نے آپ ﷺ کے پاس آکر کہا تھا کہ ہم مسلمان ہوگئے ہیں ہماری مدد کے لیے کچھ مسلمان بھیجئے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ابو براء عامر بن مالک نامی ایک شخص رسول

اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ آپ چند مسلمانوں کو نجد کی طرف بھیجیں تو مجھے امید ہے کہ نجد والے مسلمان ہو جائیں گے آپ ﷺ نے فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ نجد والے انہیں ہلاک نہ کردیں اور وہ شخص کہنے لگا میں ان کو اپنی پناہ میں رکھوں گا اس وقت آپ ﷺ نے ستر قاری روانہ کیے صرف ایک صحابی کعب بن زید رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر بچ نکلے جنہوں نے مدینہ آکر خبر دی تھی۔ (شرح صحیح بخاری صفحہ ۱۴۱ ج ۵)

اس حدیث مبارکہ پر غور فرمائیں ہمارے بریلوی بھائی یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ عالم الغیب ہیں ما کان وما یکون کا کلی علم رکھتے ہیں۔ یہ آنحضرت ﷺ کی ذات پر کس قدر سنگین بہتان ہے کہ آپ ﷺ کو ما کان وما یکون کا کلی اور تفصیلی علم تھا اور آپ کو یہ معلوم تھا کہ یہ منافقین ان ستر قاریوں کو ساتھ لے جاکر دھوکا سے قتل کردیں گے اور یہ سب کچھ جاننے کے باوجود آپ ﷺ نے ستر قاری اور قائم اللیل اصحاب رضی اللہ عنہم کو قتل کرانے کے لیے ان کے ساتھ بھیج دیا۔

معاذ اللہ یہ ایک بہتان عظیم ہے نبی پاک ﷺ کا دامن اس سے پاک ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اگر نبی پاک ﷺ غیب کا علم جانتے ہوتے اور منافقوں کی قلبی سازش سے واقف ہوتے تو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کبھی ساتھ نہ بھیجتے کیوں کہ انہوں نے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دھوکا کیا اور دھوکہ وہی کھاتا ہے جس کو ان کی قلبی سازش کا علم نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء اکرام علیہم السلام کے بعد سب سے عظیم ترین جماعت ہے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی اس ناپاک جسارت کا علم ہوتا تو وہ کبھی ان کے ساتھ خالی ہاتھ نہ جاتے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی غیب کا علم حاصل نہ تھا ورنہ ان کے چکر میں نہ آتے۔

لیکن یہاں پر ہمارے بھائیوں نے مختلف قسم کی اصطلاحیں ایجاد کی ہوئی ہیں فلاں کے چودہ طبق روشن ہیں فلاں بزرگ مرنے کے بعد مریدوں کے حالات کو جانتے ہیں وغیرہ۔

حدیث نمبر ۱۰

((عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ

اللّٰهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، حتّى إذا كنا بالبيداء، أو بذات الجيش، انْقَطَعَ عِقْدٌ لي، فأقام رسولُ اللّٰه ﷺ على التماسه، وأقامَ النَّاسُ معهُ، وليسوا على ماء، فأتى النّاسُ إلى أبي بكر الصّدّيق، فقالوا: ألا ترى ما صنعت عائشة؟ أقامت برسول اللّٰهِ ﷺ والنّاس، ولَيسُوا على ماءٍ، وليس معهم ماءٌ، فجاء أبُوبكرٍ، ورسولُ اللّٰهِ ﷺ واضعٌ رأسهٗ على فخذي قد نام، فقالَ حبسْتِ رسُولَ اللّٰهِ ﷺ والنّاس، وليسُوا على ماءٍ، وليس معهُم ماءٌ! فقالتْ عائشةُ: فعاتبني أبُوبكرٍ، وقال ماشاء اللّٰهُ أنْ يقُولَ، وجعلَ يطْعنُني بيدهِ في خاصرتي، فلا يمنعُني من التّحرُّكِ إلّا مكانُ رسُولِ اللّٰه ﷺ على فخذي، فقامَ رسُولُ اللّٰه ﷺ حين أصْبحَ على ماءٍ، فأنزل اللّٰهُ آية التّيمُّمِ))

(صحیح بخاری مع شرح، ج ۱، ص ۴۱۵، ۴۱۶، کتاب التیمم، حدیث: ۳۳۴)

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بعض سفر (غزوہ بنی المطلق) میں تھے جب ہم مقام بیدا یا ذات الجیش پر پہنچے تو میرا ہار گم ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی تلاش میں وہیں ٹھہر گئے اور لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ ٹھہر گئے لیکن پانی وہاں قریب کہیں نہیں تھا لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کام کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور تمام لوگوں کو ٹھہرا دیا ہے اور پانی بھی کہیں قریب میں نہیں ہے اور نہ لوگوں کے ساتھ پانی ہے ۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک میری ران پر رکھے ہوئے سو رہے تھے فرمانے لگے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ اور تمام لوگوں کو روک لیا حالانکہ قریب میں نہیں پانی بھی موجود نہیں ہے اور نہ لوگوں کے پاس ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ والد ماجد مجھ پر بہت ناراض ہوئے اور اللہ نے جو چاہا انہوں نے مجھے کہا اور اپنے

ہاتھ سے میری کوکھ میں کچوکے لگائے ۔رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک میری ران پر تھا اس وجہ سے میں حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی رسول اللہ ﷺ جب صبح کے وقت اٹھے تو پانی کا پتہ تک نہ تھا۔پس اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی اور لوگوں نے تیمم کیا اس پر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا اے آل ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ تمہاری کوئی پہلی برکت نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا پھر ہم نے اس اونٹ کو ہٹایا جس پر میں سوار تھی ہار اس کے نیچے سے مل گیا۔''

غور فرمائیں کہ اگر آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم یا آپ کی زوجہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا عالم الغیب ہوتے تو ایک ہار کی خاطر لوگوں میں اتنا اختلاف نہ ہوتا فوراً علم ہو جاتا کہ ہار اونٹ کے نیچے پڑا ہے مگر اتنی بڑی اور عظیم ہستیاں ہار تلاش کرنے میں مصروف تھیں مگر کسی کو علم نہ ہوا کہ ہار اونٹ کے نیچے پڑا ہے کبھی لوگ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شکایت کرتے ہیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی رضی اللہ عنہا کو سخت ڈانٹ رہے تھے۔اتنی دیر ہو چکی تھی کہ نماز کی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پریشانی تھی کہ پانی کے بغیر نماز کیسے پڑھیں گے۔

آج ہمارے معاشرے میں لوگ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ صاحب بصیرت ہیں ان کو سب علم ہوتا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑا صاحب بصیرت کون ہو سکتا ہے مگر ان کو بھی غیب کا علم نہیں تھا۔

حدیث نمبر ۱۱

عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((مَنْ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ))؟ يَوْمَ الأَحْزَابِ، قَالَ الزُّبَيْرُ: أَنَا، ثُمَّ قَالَ: ((مَنْ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ))؟ قَالَ الزُّبَيْرُ: أَنَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا، وَحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ))۔(صحیح بخاری مع شرح، ج ٤، ص: ٢٩٩، حدیث: ٢٨٤٦)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے جنگ خندق کے دن فرمایا دشمن کے لشکر کی خبر میرے پاس کون لا سکتا ہے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ ﷺ نے دوبارہ پھر پوچھا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ہر

نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔"

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہ تھا وگرنہ دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے جاسوس بھیجنے کی ضرورت نہ پڑتی خبر معلوم کرنے کے لیے کسی کو بھیجنے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان نہ تھے۔

حدیث نمبر ۱۲

فَلَمَّا تُوُفِّيَ وَغُسِّلَ وَكُفِّنَ فِي أَثْوَابِهِ، دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ، فَقُلْتُ: رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ، فَشَهَادَتِي عَلَيْكَ: لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللَّهُ۔ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: ((وَمَا يُدْرِيكِ أَنَّ اللَّهَ أَكْرَمَهُ))؟ فَقُلْتُ: بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَمَنْ يُكْرِمُهُ اللَّهُ فَقَالَ: ((أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ، وَاللَّهِ إِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ، وَاللَّهِ مَا أَدْرِي، وَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ، مَا يُفْعَلُ بِي)) قَالَتْ فَوَاللَّهِ لَا أُزَكِّي أَحَداً بَعْدَهُ أَبَداً۔

(صحیح بخاری، ج ۱، کتاب الجنائز، ص: ۵۴۷، حدیث: ۱۲۴۳)

"حضرت عثمان بن مظعون جب فوت ہوئے وفات کے بعد ان کو غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے میں نے کہا اے ابو سائب اللہ تم پر رحم کرے میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ نے تم کو عزت دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ام العلاء) تجھ کو کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے اس کو عزت دی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان پھر اللہ تعالیٰ کس کو عزت دے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان رضی اللہ عنہ مر تو گیا بے شک اللہ کی قسم مجھے بھی امید ہے کہ اس کے لیے اچھا ہوگا لیکن اللہ کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اور اس پر یہ نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ ام علاء رضی اللہ عنہا نے کہا اللہ کی قسم اب کبھی اس کے بعد کسی کے متعلق ایسی شہادت اس طرح نہیں دوں گی۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعد میں پیش آنے والے حالات کا علم نہیں تھا۔ صحابیہ رضی اللہ عنہا نے حسن ظن کی بنیاد پر یہ کہہ دیا کہ اللہ نے اس کو عزت دی تو

آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ مجھے اپنے بارے میں بھی علم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا حالانکہ میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں یہاں تو سب بزرگوں کو جنت کا سرٹیفکیٹ ہم نے دے رکھا ہے۔

حدیث نمبر۱۳

اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت کا مکمل قصہ ایک طویل حدیث میں ہے میں نے طوالت کے خوف سے صرف واقعہ کا مختصر مرکزی خیال لکھ دیا ہے تفصیل کے لیے مکمل حوالہ پیش خدمت ہے آپ خود پڑھ سکتے ہیں۔

آپ ﷺ نے تہمت کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے یہ مشورہ کیا میں عائشہ کو چھوڑ دوں آگے جا کر ذکر کیا کہ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا مجھے تیری طرف سے ایسی خبر پہنچی ہے اگر تو پاک دامن ہے تو اللہ تعالیٰ تیری پاک دامنی کھول دے گا اور اگر تو پھنس گئی ہے تو اللہ سے بخشش مانگ توبہ کر یہ معاملہ چلتا رہا آخر اللہ تعالیٰ نے سورہ نور میں وحی اتار کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پاکدامن قرار دیا۔

(صحیح بخاری، کتاب المغازی مع شرح، صفحہ: ٤٤٦، حدیث: ٤١٤١)

اس حدیث مبارکہ سے بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہ تھے اگر آپ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو اتنے دن پریشان نہ ہوتے آپ ﷺ کو پہلے سے ہی اس بات کا علم ہوتا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا پاک ہے۔ اس پر تہمت لگائی گئی ہے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عائشہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑنے کا مشورہ نہ کرتے اور ام المومنین کو یہ نہ کہتے کہ اگر تو پاک دامن ہے تو اللہ تیری پاک دامنی کو ظاہر کر دے گا اگر تجھ سے غلطی ہوگئی ہے تو آپ رضی اللہ عنہا اللہ سے ہی بخشش مانگیں اور توبہ کریں یہ بات اس کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اس واقعہ کی حقیقت سے واقف نہ تھے جب تلک اللہ تعالیٰ نے سورہ نور نازل کر کے وضاحت نہ کر دی۔

حدیث نمبر۱۴

وَكَانَ لِي صَدِيقًا، فَقَالَ: اعْتَكَفْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ، فَخَرَجَ صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ فَخَطَبَنَا، وَقَالَ: ((إِنِّي أُرِيْتُ

لَيْلَةَ الْقَدْرِ، ثُمَّ أُنْسِيتُهَا۔ فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي الْوِتْرِ))

(بخاری، کتاب لیلۃ القدر، ج ۳، ص: ۲۴۵، حدیث: ۲۰۱۶)

''میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے پوچھا وہ میرے دوست تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے دوسرے عشرہ میں اعتکاف بیٹھے پھر بیس تاریخ کی صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی لیکن بھلا دی گئی یا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا) کہ میں خود بھول گیا اس لیے تم اسے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔''

اس حدیث مبارکہ سے بھی واضح ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہ تھا۔ کیونکہ لیلۃ القدر تو صرف ایک رات ہے امت کو پانچ راتوں میں تلاش کرنے کی ضرورت نہ تھی ایک رات کا ہی بتا دیتے مگر دکھانے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے اور وفات تک کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو لیلۃ القدر کے بارے میں نہیں بتایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد ہی نہیں تھا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھا۔ اس لیے کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حدیث نمبر ۱۵

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

((ومن زعم انه يخبر بما يكون فى غدفقداعظم على الله الفرية الله يقول قل لا يعلم من فى السمٰوت والارض الغيب الاالله))

(صحیح مسلم مع شرح نووی، کتاب الایمان، ج۱، ص: ۲۹۷)

''جو کوئی یہ خیال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل ہونے والی بات جانتے تھے تو اس نے اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہہ دو کہ ''آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کی بات نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔''

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی ذات پر جھوٹ باندھنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا کہ ''آسمانوں اور

زمین میں اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔"

حدیث نمبر ١٦:

عن انس ان رجلا کا یتھم بام ولد رسول اللہ ﷺ فقال رسول اللہ ﷺ : ((لعلی اذھب فاضرب عنقه فاتاه علی فاذا ھو فی رکی تھبرد فیھا فقاله له علی اخرج فناوله یده فاخرجه فاذاھو محبوب لیس له ذکر فکف علی عنه ثم اتی النبی ﷺ فقال یا رسول انه لمجبوب ماله ذکر)) (صحیح مسلم، کتاب التوبه، صفحه ٣٥٢)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص پر لوگ تہمت لگاتے تھے آپ کی اُم ولد لونڈی کو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا جا اُس شخص کی گردن مار اور حضرت علی اُس کے پاس گئے دیکھا تو وہ ٹھنڈک کے لیے ایک کنویں میں غسل کر رہا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا باہر نکل اُس نے اپنا ہاتھ حضرت علی کے ہاتھ میں دیا انہوں نے اس کو باہر نکالا دیکھا تو اس کا عضو تناسل کٹا ہوا ہے حضرت علی نے اس کو نہ مارا پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ مجبوب ہے اس کا عضو تناسل ہی نہیں ہے۔"

اگر رسول اللہ ﷺ عالم الغیب ہوتے تو لوگوں کے جھوٹے الزام پر اس شخص کے قتل کا حکم نہ دیتے ان کے علم میں ہوتا کہ یہ شخص تو کسی عورت کے قابل ہی نہیں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ غیب کا علم جانتے ہوتے تو وہ اُس شخص کی تلاش میں ہی نہ جاتے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو قتل سے رک گئے وگرنہ وہ قتل کا پورا ارادہ لے کر گئے تھے۔ انہوں نے خود دیکھا تب رسول اللہ ﷺ کو بتلایا یہ سن کر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کے پاس نہیں علم غیب صرف اللہ کا خاصہ ہے۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
دوستو کچھ بھی فرمان محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

دوزخ کے آنکڑوں کی لمبائی اور چوڑائی کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

حدیث نمبر ۱۷

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ يُجِيْزُ وَدُعَاءُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ بِهِ كَلَالِيْبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ أَمَا رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ قَالُوا: بَلَى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ، غَيْرَ أَنَّهَا لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلَّا اللّٰهُ))

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو اس پل کو پار کروں گا اور اس دن رسولوں کی دعا یہ ہوگی کہ اے اللہ مجھ کو سلامت رکھنا اے اللہ مجھ کو سلامت رکھنا اور وہاں سعدان کے کانٹوں کی طرح آنکڑے ہوں گے تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہاں دیکھے ہیں یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے فرمایا وہ پھر سعدان کے کانٹوں کی طرح ہوں گے البتہ اس کی لمبائی اور چوڑائی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا''

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب الصراط جسر جہنم، صفحہ ۴۵، ج ۸ مع شرح داود راز محدث دهلوی حدیث ۶۵۷۳)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ دوزخ کے آنکڑے کی لمبائی اور چوڑائی کا علم مخلوق میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔ صرف اللہ کے پاس ہے۔

حدیث نمبر ۱۸

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، وَلَيُرْفَعَنَّ رِجَالٌ مِنْكُمْ ثُمَّ لَيُخْتَلَجُنَّ دُوْنِي، فَأَقُوْلُ: يَارَبِّ أَصْحَابِي؟ فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَكَ)) (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، ج ۸، ص ۵۰، حدیث ۶۵۷۶)

''میں اپنے حوض پر تم سے پہلے ہی موجود رہوں گا اور تم میں کچھ لوگ میرے پاس لائے جائیں گے پھر انہیں میرے سامنے سے ہٹا دیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ اے میرے رب یہ میرے ساتھی ہیں لیکن مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ ﷺ کے بعد دین میں کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔''

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کے بعد جاری ہونے والی نئی بدعات کا آپ ﷺ کا علم نہیں ہوگا۔

حدیث نمبر ۱۹

((أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ ﷜ قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَشَرَةَ رَهْطٍ سَرِيَّةً عَيْناً، وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ عَاصِمَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ......))

(صحيح بخاری، ج ٤، كتاب الجهاد، صفحه: ٤٢٩، حديث: ٣٠٤٥)

''حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کفار کی جاسوسی کے لیے بھیجی اس جماعت کا امیر عاصم رضی اللہ عنہ کو بنایا اور جماعت روانہ ہوگئی جب یہ لوگ مقام ھداۃ پر پہنچے جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے، تو قبیلہ ھذیل کی ایک شاخ بنولحیان کو کسی نے خبر دے دی تو اس قبیلہ کے دوسو تیر اندازوں کی ایک جماعت ان کی تلاش میں نکلی مختصر یہ کہ انہوں نے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا۔''

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ عالم الغیب نہ تھے وگرنہ دشمن کی خبر معلوم کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی آپ ﷺ خود دشمن کے حالات سے باخبر ہوتے اور اگر آپ ﷺ کو یہ بھی معلوم ہوتا کہ مشرک لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس جماعت کو قتل کر دیں گے تو آپ ﷺ پھر بھی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کو جاسوسی کے لیے نہ بھیجتے۔''

حدیث نمبر ۲۰

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّي لَأَنْقَلِبُ إِلَى أَهْلِي، فَأَجِدُ التَّمْرَةَ سَاقِطَةً عَلَى فِرَاشِي، فَأَرْفَعُهَا لِآكُلَهَا ثُمَّ أَخْشَى أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً فَأُلْقِيهَا))

(صحيح بخاری، كتاب لقطه، ج ٣، مع شرح صفحه: ٦٦٠، حديث: ٢٤٣٢)

''میں اپنے گھر جاتا ہوں وہاں مجھے میرے بستر پر کھجور پڑی ہوئی ملتی ہے میں

اسے کھانے کے لیے اٹھالیتا ہوں لیکن پھر یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں یہ صدقہ کی کھجور نہ ہوتو میں اسے پھینک دیتا ہوں۔

اس حدیث مبارکہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ اگر آپ ﷺ متردد نہ ہوتے کہ وہ صدقہ کی کھجور ہے یا نہیں آپ ﷺ کے علم میں ہوتا کہ صدقہ کی ہے یا نہیں کھجور تو اٹھاتے نہ پھینکتے۔

قارئین محترم: اس عنوان پر قرآن وحدیث میں سینکڑوں ایسے دلائل موجود ہیں مگر میں نے خوف طوالت سے صرف انہیں آیات اور احادیث مبارکہ پر اکتفا کیا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین وآسمان میں اللہ کے علاوہ کوئی عالم الغیب نہیں غیب کی وہ خبریں جو اللہ اپنے رسولوں علیہم السلام کی طرف وحی کے ذریعے ظاہر فرماتا ہے اور پیغمبر علیہ السلام غیب کی ظاہر کی ہوئی خبر کو جانتے ہیں اور جس خبر کو وحی کے ذریعے سے ظاہر کیا جائے یا کسی دوسرے ذریعے سے ظاہر کیا جائے۔ یہ جاننا غیب جاننا نہیں بلکہ یہ جاننا ظاہر کو جاننا ہے۔ جس خبر کو اللہ نے وحی کے ذریعے ظاہر کیا ہے پورے ذخیرہ احادیث میں ایک حدیث بھی ایسی موجود نہیں کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہوں کہ میں غیب کا علم جانتا ہوں نہ پورے قرآن میں ایک آیت بھی ایسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہو کہ میرا رسول عالم الغیب ہے البتہ اس بات کی نفی کے دلائل گزشتہ صفحات پر گزر چکے ہیں۔

اکثر بریلوی مولوی حضرات ایک سوال کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کو عالم الغیب نہیں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز غائب ہی نہیں تو وہ عالم الغیب کیسے ہوا عالم الغیب صفت مخلوق کی ہوسکتی ہے نہ کہ اللہ کی؟

اس بات کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غیب نہیں ہر چیز عیاں وآشکار ہے۔ اللہ وہ جانتا ہے۔ جو مخلوق سے غائب ہے غیب کا لفظ مخلوق کے لیے ہے ہر غیب وظاہر کو جاننا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس کے دلائل گزشتہ صفحات پر گزر چکے ہیں۔

آئندہ سطور میں حفیظ الرحمان اور دیگر بریلوی حضرات کی طرف سے پیش کیے گئے شبہات کا بھرپور ازالہ کیا جائے گا۔ ان شاءاللہ

حفیظ الرحمٰن قادری بریلوی کے پیش کردہ دلائل کے جوابات

پہلی دلیل

﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (۳/ آل عمران:۱۷۹)

''اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔'' (ترجمہ کنزالایمان)

الجواب: اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے ایک سادہ یا معمولی عقل والا آدمی بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ایک بات جب تک کسی کو بتلائی نہ جائے وہ یقیناً غیب ہوتی ہے بتلا دینے کے بعد وہ غیب نہیں کہلا سکتی مثلاً آپ چند دوستوں میں سے ایک کو منتخب کر کے کوئی پرائیویٹ بات بتلا دیں وہ اس کے لیے غیب نہ رہے گی وہ شخص یہ ڈینگ مار کر نہیں کہہ سکتا میں عالم الغیب ہوں کیوں کہ وہ بات مجھے معلوم ہے جو تمہیں معلوم نہیں کیونکہ اسے وہ بات بتلا دی گئی ہے جو دوسروں کو نہیں بتلائی گئی اس آیت میں اطلاع علی الغیب کا تذکرہ ہے کیونکہ نبی علیہ السلام کو وہ علم وحی کے ذریعے سے ہوا وحی سے پہلے پیغمبر کو بھی دوسرے انسانوں کی طرح اس خبر کا علم نہیں ہوتا چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ﴾ (۱۱/ هود:۴۹)

''یہ غیب کی خبریں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں انہیں نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم اس سے پہلے۔'' (ترجمہ احمد رضا خان صاحب بریلوی)

دوسرے مقام پر یوں فرمایا:

﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ﴾ (۴۲/ شوریٰ:۵۲)

''اور یونہی ہم نے تمہیں وحی بھیجی ایک جان افزا چیز اپنے حکم سے اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے اور نہ ایمان۔''

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ﴾ (۱۲/ یوسف:۳)

''ہم تجھے سب سے اچھا بیان سناتے ہیں اس واسطے سے کہ ہم نے تیری طرف یہ قرآن وحی کیا ہے اور بیشک آپ ﷺ اس سے پہلے یقیناً بے خبروں میں سے تھے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام غیب کا علم نہیں جانتے بلکہ وحی کے ذریعے انہیں اطلاع دی جاتی ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ علم غیب ذاتی، کلی، ما کان وما یکون، مخلوق نہیں جانتی جتنی بھی مقرب ہو لہٰذا اس آیت مبارکہ سے علم غیب خود بخود جاننا ثابت نہیں ہوا یہ غیب جاننے کی دلیل ہی نہیں ہے جو شخص کسی کے اطلاع کرنے پر خبر جانے اسے عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا علم غیب وہ ہے جو بتائے بغیر جانے اس آیت سے علم غیب کا دعویٰ باطل ہے۔

قادری صاحب کی دوسری دلیل:

﴿ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ﴾

(۷۲/ الجن:۲۶_۲۷)

'' (وہی) غیب جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا مگر کوئی رسول جسے وہ پسند کر لے۔''

الجواب: اس آیت مبارکہ سے مراد وحی کے ذریعے غیب کی خبر کو اپنے رسول ﷺ پر ظاہر کرنا ہے یہ بات عالم الغیب ہونے کی دلیل نہیں ہے اگر اس سے پہلی آیت پر غور فرما لیتے تو مسئلہ اچھی طرح سمجھ آ جاتا چنانچہ فرمایا:

﴿ قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ مَا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ۝ ﴾

(۷۲/ الجن:۲۵)

''فرماؤ میں نہیں جانتا آیا نزدیک ہے وہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے یا میرا رب اسے کچھ وقفہ دے گا۔'' (ترجمہ احمد رضا خان صاحب بریلوی)

اگر وحی کے ذریعے کسی خبر کو جاننا عالم العیب ہونے کی دلیل ہوتا تو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یہ ارشاد نہ فرماتا:

﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ ﴾ (۲۷/ النمل:۶۵)

''کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔''

علم غیب وہ ہوتا ہے جو عادی وسائل واسباب اور وساطت کے بغیر از خود ہو اور جو علم وسائل وذرائع اور وساطت سے حاصل ہو وہ علم غیب نہیں خواہ وہ وسائل وذرائع وحی ہوں یا ظاہری خواہ باطنی ومعنوی وہ علم غیب نہیں ہوتا سطور بالا میں کافی دلائل گزرے ہیں مطالعہ فرمالیں۔

قادری صاحب کی تیسری دلیل

﴿ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝ ﴾ (۸۱/ التکویر:۲۴)

''اور وہ پوشیدہ باتیں بتلانے میں بخیل نہیں۔''

الجواب: یہ آیت مبارکہ سورۃ التکویر کی ہے یہ سورہ بالاتفاق مکی ہے مکی سورتوں میں ساتویں نمبر پر نازل ہوئی۔ اگر آپ کلی غیب دان تھے تو اس کے بعد ۱۰۷ سورتیں نازل ہوئیں یہ سورتیں نازل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی جبکہ آپ کو تمام باتوں کا علم آپ ﷺ کو پہلے سے ہی ہو چکا تھا۔ آپ غیب دان تھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض مفسرین ھُو کا مرجع قرآن کو بتاتے ہیں جیسے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی۔ تفسیر عزیزی صفحہ ۹۰ پر لکھتے ہیں کہ قرآن مجید بیان کرنے میں بخل نہیں برتتا اور نہ کوئی کمی کرتا ہے اس طرح تفسیر حقانی میں صفحہ ۵۴ ج ۸ مشہور تابعی حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ الغیب سے مراد قرآن کریم مراد لیتے ہیں۔

اگر اس آیت سے صرف رسول اللہ ﷺ ہی مراد لیے جائیں تو بھی جو خبر اللہ اپنے رسول کو وحی کے ذریعے بتاتا ہے آپ ﷺ وہ خبر امت کو بتانے میں بخل نہیں کرتے کیوں کہ قرآن مجید میں واضح موجود ہے کہ آپ ﷺ غیب نہیں جانتے تھے مگر وحی کے تابع تھے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۠﴾ (٦/ الانعام: ٥٠)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم کو کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میرے پاس جو وحی آتی ہے میں اُسی کی اتباع کرتا ہوں فرمایئے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں کیا تم غور نہیں کرتے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛ﴾ (٧/ الاعراف: ١٨٨)

''اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا۔''

تیسرے مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَاۤ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۝﴾ (٤٦/ الاحقاف: ٩)

''تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا میں تو اُسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے اور میں نہیں مگر صاف ڈر سنانے والا۔'' (ترجمہ احمد رضا خان صاحب بریلوی)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾

(٩/ التوبہ: ١٠١)

''اور کچھ مدینہ والے ان کی خو ہو گئی ہے نفاق تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔'' (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی)

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ مشہور تابعی مفسر حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بضنین کی ایک قرآت بظنین بھی ہے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

وحی کو چھپانے کے مرتکب نہیں۔(جامع البیان عن تاویل ای القرآن ۳۰/ ۱۰۳)

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی کو چھپاتے نہیں بعض قراء نے اسے ضاد کے ساتھ پڑھا ہے یعنی آپ ﷺ اس وحی کو آگے پہنچانے پر بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ ہر چیز کو پہنچاتے ہیں۔(تفسیر القرآن العظیم ج۶ص۴۰۴)

ان واضح اور صریح آیات قرآن سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ نبی پاک ﷺ غیب کا علم نہیں جانتے تھے۔آپ ﷺ پر جو خبر وحی کے ذریعے نازل کی جاتی آپ ان خبروں کو بتانے میں بخیل نہ تھے اس بات کا ہر مسلمان قائل ہے لیکن قرآن وحدیث میں اتنی وضاحت آجانے کے بعد بھی جو لوگ صد اور ہٹ دھرمی کا شکار ہیں مجھے ان لوگوں کی سوچ پر ہمیشہ تعجب ہوتا ہے کہ وہ بات کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ قرآنی آیات پکار پکار کر اس مسئلہ کی وضاحت فرما رہی ہیں کہ نبی اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کو غیب کا علم نہ تھا۔لیکن ہمارے کچھ بھائی اس پر اڑے ہوئے ہیں۔اللہ حق بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے امین۔

حفیظ الرحمان قادری صاحب دلیل پیش کرتے ہیں:

قرآن مجید فرقان حمید کی سورۃ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ جس میں حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو ناکارہ بنا دیا ایک بچے کو قتل کر دیا اور ایک دیوار بنا دی۔اس کی حکمت میں بتلایا کہ ایک ظالم درست کشتیوں کو اپنے قبضے میں لے رہا تھا۔یہ کشتی یتیموں کی تھی میں نے عیب دار کر دی تاکہ وہ قبضے میں نہ لے یہ اس کی مرمت خود ہی کر لیں گے اور بچے کے بارے میں بتلایا کہ اس نے بڑے ہو کر گمراہ ہو جانا تھا اور اس کے والدین نے بھی اس کی محبت میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جانا تھا میں نے اس کو قتل کر دیا اللہ عزوجل اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا اور دیوار کے نیچے یتیموں کا خزانہ تھا جو ان کے والد نے دفن کیا ہوا تھا تاکہ بچے بڑے ہو کر خزانہ حاصل کر لیں۔مگر وقت سے پہلے دیوار گرنے لگی تھی اگر گر جاتی تو لوگوں نے مال حاصل کر لینا تھا میں نے دیوار مرمت کر دی بچوں کے جوان ہونے تک ان کی دولت محفوظ رہے گی۔

قادری صاحب نے پورے واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ خضر علیہ السلام کو بعد میں ہونے والے

واقعات کا بخوبی علم تھا۔ اس کے عالم الغیب ہونے کی دلیل ہے۔

الجواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر خود ہی وضاحت فرمادی کہ یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو سکھا دی تھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝﴾

(۱۸/ الکھف:۶۵۔۶۶)

''ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے ایک رحمت عطا کی اور اسے اپنے پاس سے علم سکھایا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کیا میں تیرے پیچھے چلوں اس (شرط) پر کہ تجھے جو کچھ سکھایا گیا ہے اس سے کچھ بھلائی تجھے سکھا دے۔''

ان آیات سے ثابت ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کا علم پہلے سے سکھا دیا تھا اور تینوں واقعات کے اندر پائی جانے والی حکمت سے بھی آگاہ فرمادیا تھا۔ معلوم ہوا کہ خضر علیہ السلام کو غیب کا علم نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے ان کو علم ہوا کیونکہ ساری باتوں کے آخر میں فرمادیا کہ:

﴿رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝﴾ (۱۸/ الکھف:۸۲)

''تیرے رب کی رحمت ہے اور یہ کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیے حقیقت ان باتوں کی جن پر تو صبر نہ کر سکا۔''

معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے تمام کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کیے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کو سکھایا انہوں نے کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کیا اس سے قادری صاحب کا دعویٰ علم الغیب باطل ٹھہرتا ہے۔ اور اس پورے واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عالم الغیب ہونے کی پوری نفی ہے جو قادری صاحب کو بالکل بھی نظر نہیں آئی کہ جناب موسیٰ علیہ السلام بار بار جھگڑتے اور حضرت خضر علیہ السلام کے ان کاموں پر اعتراض کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کیا جناب موسیٰ علیہ السلام

ان کاموں کی اصل حقیقت سے آگاہ نہ تھے کیا ان کو ان باتوں کا علم تھا اگر تھا تو پھر حضرت خضر علیہ السلام سے علم سکھانے کی گزارش کیوں کی۔ اگر علم تھا تو انہوں نے ان اچھے کاموں پر بار بار اعتراض کیوں کیا؟ اس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عالم الغیب نہ تھے۔

اس سے عالم الغیب کا عقیدہ کشید کرنا لغو اور باطل قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔

حفیظ الرحمٰن قادری کی چوتھی دلیل:

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ﴾ (۳/ آل عمران:۴۹)

''اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے اور جو تم گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو۔''

(شرک کیا ہے صفحہ ۵۳)

الجواب: اس آیت مبارکہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عالم الغیب ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت کے شروع میں اس کی تصریح موجود ہے کہ یہ خطاب صرف بنی اسرائیل کو ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت بھی صرف بنی اسرائیل کی طرف ہوئی اپنی قوم کے صرف چند لوگوں کے کھانے پینے کے حالات سے واقف ہونا علم غیب کلی ما کان وما یکون کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ہر مذہب ہر ملک کے متعلق تفصیلی حالات معلوم تھے۔ کچھ چیزیں ایسی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی تھیں اور یہ چیزیں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو وحی کے ذریعے بتا دیتا ہے اور یہ چیزیں عالم الغیب ما کان وما یکون کی دلیل نہیں بن سکتی جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام رسولوں کے عالم الغیب ہونے کی نفی فرما دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ ۖ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴾ (۵/ المائدہ:۱۰۹)

''جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع فرمائے گا پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں بیشک تو ہی ہے سب غیبوں کا جاننے والا۔''

(ترجمہ احمد رضا خان صاحب بریلوی)

اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں لاعلمی کا اظہار کریں گے قرآن مجید کے دوسرے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اقرار کریں گے وہ یہ ہے۔

﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۤ بِحَقٍّ ڲ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ۭ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ (۵/ المائدہ:۱۱۶)

''جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود بنالو وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے میں نہیں جانتا بیشک تو ہی ہے سب غیبوں کا جاننے والا۔''

اس آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیب کا علم نہ جانتے تھے ورنہ یہ نہ فرماتے ولا اعلم مافی نفسك۔

لہٰذا قادری صاحب کا علم الغیب ماکان وما یکون کا دعویٰ باطل ٹھہرا۔

قادری صاحب کی پانچویں دلیل:

''حضرت سلیمان علیہ السلام چیونٹی کی آواز سن کر مسکرائے'' (نمل:۱۹)

یہ سب غیب کی خبریں ہیں خواس خمسہ ان کا ادراک نہیں کر سکتے اور ان کو خبر ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ اللہ عزوجل کی عطا سے انبیاء کرام اور اولیاء کرام بھی غیب جانتے ہیں۔

(کتاب شرک کیا ہے صفحہ ۵۳)

الجواب: قارئین محترم چیونٹی کی زبان کو سمجھنا جناب سلیمان علیہ السلام کا علمی خاصہ تھا جو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم عطا فرمایا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰي كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (۲۷/ النمل:۱۵)

''اور بیشک ہم نے داود علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو بڑا علم عطا فرمایا اور دونوں نے کہا یہ سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت بخشی۔''

یہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام جن وانس اور پرندوں اور حوش پر حکومت عطا فرمائی اور انہیں پرندوں کی بولیاں بھی سکھائیں مگر اس کے باوجود عالم کان و ما یکون کا علم عطا نہ فرمایا۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام نے ایک دفعہ پرندوں کی حاضری لی تو ھُد ھُد کو اپنی مجلس میں حاضر نہ پایا اس کے متعلق دوسرے حاضرین سے پوچھا کیا ھُد ھُد مجھے ہی صرف نظر نہیں آ رہا یا واقعی وہ ہے ہی غیر حاضر۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا:

﴿ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ۝ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ۝ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ۝ ﴾

(۲۷/ النمل: ۲۰-۲۲)

''اور جب انہوں نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے کیا سبب ہے کہ ھُد ھُد نظر نہیں آتا کیا کہیں غائب ہو گیا ہے میں اسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے صریح دلیل پیش کرے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ھُد ھُد آموجود ہوا اور کہنے لگا مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں اور میں آپ کے پاس شہر سبا سے ایک ایسی یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔''

ان آیات سے ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم غیب نہ تھا اگر ان کو علم غیب ہوتا تو جانوروں کی حاضری لگانے کی ضرورت نہ ہوتی اور ھُد ھُد کو نہ پا کر پریشان نہ ہوتے غصہ نہ کرتے کیونکہ ان معلوم ہوتا کہ ھُد ھُد ایک بڑی مفید جاسوسی کرے گا جس کی وجہ سے ملک سبا کے لوگ ایمان لے آئیں گے اور وہ پورا ملک بھی ہمارے زیر اثر ہو جائے گا اور ھُد ھُد نے

بھی بڑی بے باکی سے جواب دیا مجھے ایک خبر معلوم ہے مگر آپ کو اس کا علم نہیں کہ ملک سبا میں ایک عورت بادشاہی کرتی ہے اگر سلیمان علیہ السلام کو علم غیب ہوتا تو ان کو ضرور ملک سبا اور اس حکمران عورت کا علم ہوتا۔ جب ھُد ھُد نے یہ ساری بات بتا دی تو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام فرمانے لگے ہمارا یہ خط لے جاؤ اور سبا والوں سے اس کا جواب لے آؤ تا کہ ہمیں معلوم ہو چنانچہ قرآن کریم میں الفاظ موجود ہیں۔

﴿ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴾ (۲۷/ النمل:۲۷)

"تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے۔"

معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کو تحقیق کے بغیر اس کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ اگر غیب جانتے ہوتے تو ھُد ھُد کی بات سے پہلے ہی انہیں ساری بات کا علم ہوتا پھر بتلانے کے بعد یقین کر لیتے کہ ھُد ھُد کی بات بالکل سچی ہے خط بھیج کر جھوٹ یا سچ کی تحقیق کی ضرورت نہ ہوتی۔ اگر عدل وانصاف سے فیصلہ کیا جائے تو بات نصف النہار سورج کی طرح واضح ہے کہ جناب سلیمان علیہ السلام کا لشکر جب وادی میں آیا تو ایک چیونٹی نے کہا

﴿ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴾ (۲۷/ النمل:۱۸)

"اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تم کو کچل ڈالیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔"

چیونٹی کا سر اتنا چھوٹا ہوتا ہے مگر پھر بھی اُس کو یہ سمجھ ہے کہ ہماری موجودگی کا علم نہ سلیمان کو ہے نہ ان کے فوجیوں کو رہی بات کہ جناب سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کی بات کو کیسے سمجھا اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ﴾ (۲۷/ النمل:۱۶)

"سلیمان علیہ السلام داود علیہ السلام کا وارث بنا اور اس نے کہا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہمیں ہر چیز میں سے حصہ دیا گیا ہے بے شک یہ یقیناً یہی واضح

فضل ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام جانوروں کی بولیاں سکھائی تھیں لیکن پرندوں کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے اور ہر چیز سے مراد جس چیز کی ان کو ضرورت تھی جیسے علم نبوت حکمت مال جن وانس اور طیور وحیوانات کی تسخیر وغیرہ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی عظمت وفضیلت کے باوجود عالم الغیب نہیں تھے لیکن آپ علیہ السلام پرندوں کے علاوہ دیگر جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے یہ علم بطور اعجاز اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا جس طرح جنات وغیرہ کی اعجازی شان تھی۔ چیونٹی جیسی حقیر مخلوق کی گفتگو سن کر سمجھ لینے سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں شکر گزاری کا احساس پیدا ہوا کہ اللہ نے مجھ پر کتنا انعام فرمایا۔ اس آیت سے عالم الغیب کا عقیدہ رکھنا باطل ہے۔

اولیاء کے غیب جاننے کی دلیل تو پیش کرتے محض قصے کہانیوں سے عقاید ثابت نہیں ہوتے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی فرمائی اور جن کو ہمارے بھائی اولیاء اللہ کہتے ہیں ان کے تو اولیاء اللہ ہونے کی بھی دلیل قرآن وسنت سے ثابت نہیں اولیاء اللہ کس طرح غیب جانتے ہیں ہمارے وطن عزیز پاکستان میں رسول اللہ علیہ السلام کی طرف منسوب نعلین کو گم ہوئے پانچ سال سے تقریباً زائد عرصہ بیت چکا ہے مگر ابھی تک بازیاب نہ ہو سکے اور اولیاء اللہ کی محبت کے سب سے زیادہ دعوے دار جلوس نکال رہے ہیں یہ اولیاء لوگ کیوں نہیں بتاتے کہ نعلین کے چور کہاں ہیں چند دن پہلے میں اردو بازار گیا وہاں ایک بڑا اشتہار دوکان کے باہر چسپاں تھا۔ جس پر یہ عبارت درج تھی کہ حکومت بتائے کہ نعلین پاک کے چور کہاں ہیں تو میں نے اس وقت سوچا کہ حکومت کوئی عالم الغیب ہے کہ اس کو پتہ ہو کہ چور کہاں ہیں یہ جو اتنے ہزار سجادہ نشین جو غیب دان ہیں ان کو پتہ کیوں نہیں چلتا کہ نعلین پاک کے چور کہاں ہیں اگر پتہ ہے تو بتاتے کیوں نہیں۔ ان ہستیوں سے پوچھا جائے حالانکہ ہمارے ملک میں بدقسمتی سے اتنے زیادہ بم دھماکے ہو رہے ہیں اور یہ غیب دان حضرات پہلے ہی سے کیوں نہیں بتا دیتے کہ فلاں جگہ کل دھماکہ ہوگا وہاں کوئی نہ جائے تاکہ مسلمانوں کی قیمتی جانوں کو بچایا جائے۔ پھر دھماکہ ہو جانے کے بعد کیوں نہیں بتاتے کہ یہ

دھما کہ کس نے کیا اور کرنے والا اس وقت کہاں ہے تا کہ اُسے فوری گرفتار کیا جائے اور اُس کو اس جرم کی سزا دی جائے روزانہ کتنے ہی اندھے قتل ہوتے ہیں مگر عرصہ بیت جاتا ہے قاتل کا پتہ نہیں چلتا یہ بتا کیوں نہیں دیتے کہ اس کا قاتل کون ہے؟ اتنے زیادہ اغوا برائے تاوان ہوتے ہیں مگر یہ اولیاء کرام جو غیب جانتے ہیں اغوا کاروں کا نام پتہ ٹھکانا کیوں نہیں بتاتے تا کہ ان ظالموں کا ملک سے صفایا کیا جائے روزانہ اتنی ڈکیتیاں اور ڈاکے ڈالے جاتے ہیں کہ چور لاکھوں کروڑوں کا سامان لے کر چلے جاتے ہیں مگر پتہ نہیں چلتا کہ ڈاکہ کس نے ڈالا اور ڈاکو کون اور کہاں ہیں میرے سامنے کئی واقعات آئے جب بھی کسی گدی نشین سے پوچھا تو نہ بتا سکے بلکہ آئیں بائیں شائیں میں وقت ٹال دیا تو پھر ہم کس طرح یقین کر لیں کہ اولیاء حضرات غیب کا علم جانتے ہیں۔ قرآن تو انبیاء کرام علیہم السلام کے علم غیب کی بھی نفی کرتا ہے اور اولیاء کیسے غیب کا علم جانتے ہیں جن بھائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ غیب کا علم جانتے ہیں براہ کرم جب کوئی ایسا واقعہ پیش آئے تو پیر صاحب سے ضرور پوچھیں۔ اگر وہ صحیح بتا دے تو اپنے عقیدہ پر پکا ہو جائے اگر نہ بتا سکے اور یقیناً بتا سکتا بھی نہیں تو پھر جو عقیدہ اللہ نے قرآن میں بتایا ہے کہ زمین وآسمان کے اندر اللہ کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا اس بات پر یقین کر لے اور قرآن وحدیث کے مطابق اپنا عقیدہ درست کر لے کیوں کہ نجات اسی میں ہے:

قادری صاحب کی چھٹی دلیل قرآن کریم سے:

﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾

(٤/ النساء:١١٣)

''اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔''

اس آیت سے نتیجہ یہ نکالا کہ جو کچھ تو نہیں جانتا تھا سب کچھ سکھا دیا یہ نتیجہ درست نہیں کہتے ہیں ما عموم پر دلالت کرتا ہے اس میں کوئی قید نہیں۔ (شرک کیا ہے صفحہ ۵۴)

الجواب: اس آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہ کچھ سکھایا ہے جن کا آپ کو پہلے سے علم نہیں تھا اس کا مطلب عالم ماکان وما یکون جاننا نہیں ہے۔

اگر اس کا مطلب یہی ہو تو پھر یہ الفاظ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دوسرے عام

لوگوں کے لیے بھی استعمال کیے ہیں چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوٓا أَنتُمْ وَلَآ ءَابَآؤُكُمْ ۖ قُلِ ٱللَّهُ ۖ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِى خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ﴾ (٦/ الانعام:٩١)

''اور تم کو وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا کہہ دو اللہ نے نازل فرمایا ہے پھر ان کو ان کے خرافات میں کھیلتے رہنے دیجئے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا۟ تَعْلَمُونَ﴾ (٢/ البقرہ:١٥١)

''اور وہ تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔''

کیا نبی ﷺ مسلمانوں کو ماکان و ما یکون کا علم غیب سکھاتے تھے۔ اس سے پہلی آیت میں کیا یہ مخاطب اور ان کے آباؤ اجداد سب عالم الغیب ہی تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

﴿وَءَاتَىٰكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ (٥/ المائدہ:٢٠)

''اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں کسی کو نہ دیا۔''

تو کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں کائنات کی ہر چیز دے دی تھی جو کسی کو نہ دی تھی بقول قادری صاحب مائے عموم کا مطلب تو ان آیتوں میں یہی ہونا چاہیے۔

﴿مَّا فَرَّطْنَا فِى ٱلْكِتَٰبِ مِن شَىْءٍ﴾ (٦/ الانعام:٣٨)

''ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑ دی۔''

پھر ساری کی ساری چیزیں قرآن کے اندر موجود ہیں تو پھر فقہ کو مسائل کے حل کے لیے بنانے کی کیا ضرورت ہے خود ہی کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں جو مسائل نہیں ملتے پھر فقہ حنفی میں حل تلاش کرتے ہیں قرآن نے تو کوئی مسئلہ چھوڑا ہی نہیں آیت میں عموم جو پایا جاتا ہے جس طرح قادری صاحب نے عالم ماکان و مایکون کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿عَلَّمَ ٱلْإِنسَٰنَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (٩٦/ العلق:٥)

''انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہ جانتا تھا۔''

اگر ما کا لفظ عموم پر ہمیشہ دلالت کرتا ہے تو پھر ہر انسان عالم الغیب ہے چاہے انسان مسلم ہو یا غیر مسلم عورت ہو کہ مرد کیونکہ اس سے مراد جنس انسان ہے۔ (تفسیر جلالین ص ۵۰۳)

اصل بات یہ ہے کہ ما اور من عموم اور خصوص دونوں کا احتمال رکھتے ہیں اگر چہ اصل دونوں کا عموم ہے۔

اصل اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جو کتاب شریعت اسلام اور ایمان کا علم نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس کی تعلیم دی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ﴾ (۴۲/ شوریٰ:۵۲)

''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے (قرآن) بھیجا ہے آپ ﷺ نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو۔''

اگر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو عالم الغیب بنایا ہوتا تو پھر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ ﴾ (۶/ الانعام:۵۰)

''کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے وحی کی جاتی ہے۔''

﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ (۴۶/ الاحقاف:۹)

''کہہ دو کہ میں کوئی نیا پیغمبر نہیں آیا اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا میں تو اس کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے۔''

میری گزارش ہے کہ قرآن مجید کے واضح دلائل کے آجانے کے بعد ہٹ دھرمی کو چھوڑ

کر تعصب کی عینک کو اتار کر معرفت حق کا صحیح ادراک کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے قرآن و سنت کے مطابق عقیدہ رکھنا چاہیے۔

قارئین محترم رسول اللہ ﷺ نے جو کوئی بھی خبر دی ہے وہ بذریعہ وحی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمادیا:

﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ ﴾ (۵۳/ النجم:۳۔۴)

''اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے مگر وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو قرآن و حدیث سے ثابت شدہ عقاید کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر
دار دنیا سے کسی روز سفر ہے کہ نہیں
اور محشر کا کچھ خوف و خطر ہے کہ نہیں

ایصال ثواب

حفیظ الرحمٰن قادری لکھتے ہیں کہ ایصال کا مطلب ہے پہنچانا اور ثواب کا مطلب ہے نیکی تو ایصال ثواب کا مطلب ہوا کہ ایک مسلمان اپنے عمل سے دوسرے مسلمان بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ زندہ ہو کہ انتقال کر چکا ہو جبکہ بعض افراد کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر بندے کے عمل اپنے اپنے ہیں کوئی کسی کو اپنے عمل سے فائدہ نہیں پہنچا سکتا لہٰذا جو قل خوانی ، ساتہ چہلم ، برسی ، گیارویں شریف اور میلاد النبی ﷺ یہ سب معاذ اللہ فضول ہیں ناجائز و حرام ہیں لہٰذا جو بندہ فوت ہو گیا ہم اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے آیئے اس سلسلے میں چند دلائل اختصار کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔

① نماز جنازہ پڑھنا یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہم نماز جنازہ فوت شدگان ہی کی پڑھتے ہیں تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے دعا کی جاتی ہے دعا کرنے والے زندہ ہوتے ہیں اگر زندوں کی دعا سے انتقال کرنے والوں کو فائدہ نہیں پہنچتا تو نماز جنازہ کیوں پڑھی جاتی ہے۔

② نماز پنجگانہ میں ایصال ثواب ہر نماز میں قعدہ اخیرہ میں دعا:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝﴾

(۱۴/ ابراھیم:۴۰-۴۱)

''میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو اے ہمارے رب ہماری دعا سن اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اللہ سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔''

اگر ہماری دعا سے فائدہ نہیں پہنچتا تو نماز میں یہ دعا کیوں پڑھی جاتی۔

(شرک کیا ہے صفحہ ۵۶۔۵۷)

الجواب اس مسئلہ کی وجہ سے لوگوں کے دلوں سے آخرت کی فکر ختم ہو گئی اور لوگوں کو مولوی حضرات نے سبز باغ دکھائے کہ اس کے پیچھے یہ عمل کیا جائے تو اس کو جنت میں اتنے درجے مل جائیں گے یہ وظیفہ کر کے اتنی بار بھیجا جائے تو وہ شخص عذاب قبر سے محفوظ ہو جائے گا لوگوں کے ذہنوں سے اور دلوں میں نیک اعمال کرنے کا جزبہ ختم ہو گیا۔ مالدار لوگ سمجھتے ہیں کہ اتنی دیگیں پکا کر ایصال ثواب کر دیں گے۔ اس سے سارا مسئلہ حل ہو جائے ایصال ثواب کی اصل بنیاد یہ ہے ایک انسان کا عمل کسی دوسرے کے کام آ سکتا ہے کہ نہیں یہ سارا مسئلہ صرف اسی بنیاد پر موقوف ہے اگر یہ بنیاد درست ہے تو اس پر قائم کی ہوئی عمارت بھی درست ہے اور اگر یہ بنیاد ہی سرے سے غلط ہے یا اس میں کچھ کجی ہے تو ظاہر ہے۔ اس پر کھڑی کی ہوئی عمارت بھی غلط ہو گی۔ بلکہ اس عمارت کے گرنے کا ہر وقت خطرہ ہے میں افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ وہ طبقہ جو مروجہ ایصال ثواب کا قائل ہے وہ سرے سے بنیاد ہی کو نظر انداز کئے ہوئے ہے۔ وہ یہ راگ ضرور الاپتا ہے کہ اس کی فلاں فلاں دلیلیں ہیں لیکن جو دلیل ہمیں مطلوب ہے اس کا نام نشان تک نہیں وہ دلیل قرآن اور صحیح احادیث مبارکہ ہے۔

اہل حدیث کے نزدیک اس مسئلہ کی بنیاد یہ ہے کہ ایک انسان کا عمل دوسرے کے کام آ سکتا ہے یا نہیں تو بلحاظ عمل اس کے دو پہلو ہیں کیوں کہ تمام انسانی اعمال دو طرح پر تقسیم ہوتے ہیں جنہیں شریعت کی زبان میں خیر اور اعمال شر سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی کوئی فعل دو حال سے خالی نہیں ہوتا فعل اچھا ہو کے برا نیک ہو کہ بد قابل ستائش ہو گا یا قابل مذمت ہو گا یا قابل اجر وثواب ہو گا یا قابل سزا ہو گا۔

انسان کا یہی عمل ہے جس پر وہ انعام کا مستحق ہوتا ہے یا عذاب الٰہی کا شکار شریعت اسلامیہ کا پورا دائرہ اسی کے گرد گھومتا ہے لیکن دلائل شروع کرنے سے پہلے ایک بات اور بھی عرض کرنا چاہتا ہوں ایصال کا مطلب ہے کہ کسی کو ثواب گفٹ کرنا اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ کیا ثواب ہمارے اختیار میں بھی ہے یا نہیں کیوں کہ ثواب پر اختیار تو اللہ کو ہے اگر ہم کسی چیز کے مالک ہی نہیں بنے تو وہ چیز دوسرے کو کیسے ھبہ کر سکتے ہیں۔ البتہ اولاد کے نیک اعمال جو

قرآن وصحیح احادیث سے ثابت ہیں خود ساختہ اور بناوٹی نہیں ہیں جن پر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمل کیا ان اعمال کو بجالانا کارِثواب اور باعث نجات سمجھتے ہیں۔ لیکن جو طریقے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہیں ان کو بدعت وضلالت اور دوزخ کا باعث سمجھتے ہیں اور ایسے نیک اعمال جس میں میت کا کسی طرح کا عمل دخل نہیں اور وہ عمل سنت سے ثابت بھی نہیں ایسے اعمال کا مردے کو کوئی فائدہ نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴾

(٦/ الانعام:١٦٤)

”جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اس پر رہتا ہے اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئًا ۚ ﴾ (٣١/ لقمان:٣٣)

”اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے گا اور نہ بیٹا باپ کے کچھ کام آسکے گا۔“

ان تین آیات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا ہر بندہ اپنے اچھے بُرے اعمال کا جواب دہ خود ہوگا۔ اور ایک ایسا دن بھی ہے جس سے ڈرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جس دن باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آسکے گا اور بیٹا باپ کے کام نہ آسکے گا۔ غور فرمائیں باپ بیٹے سے بڑھ کر کونسا قریبی رشتہ ہوگا جو ہمارے اعمال میں اضافہ کرکے ہمیں بچائے گا یہ سب دل کو تسلی دینے والی باتیں ہیں۔

جو کوئی برائی کرے گا اس کا وبال اس پر ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴾

(٤/ النساء:١١١)

''اور جو گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

مرنے کے بعد کوئی عزیز رشتہ دوست یار انسان کے کام نہ آئے گا نہ بوجھ اٹھائے گا۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ﴾

(۳۵/ فاطر:۱۸)

''اور کوئی بوجھ میں لدا ہوا اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے کسی کو بلائے تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قرابت دار ہی ہو۔''

قرآن کریم پارہ اول کے آخری رکوع میں اللہ نے متعدد انبیاء علیہم السلام یعنی ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، اوران کی اولاد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ (۲/ البقرہ:۱٤۱)

''یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آئے گا اور تم سے ان کے کیے ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہوگی۔''

مذکورہ آیت مبارکہ اس رکوع میں دوبار آئی ہے اور واضح طور پر ثابت کر رہی ہے کہ ان جماعت انبیاء علیہم السلام کے اعمال خیر تمہارے ہرگز کام نہیں آسکتے اور نہ تمہارے اعمال خیر ان کے کام آسکتے ہیں اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ کسی کا عمل دوسرے کے کھاتے میں جمع کر دیا جائے کیوں کہ لفظ کسب پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ جس کی کمائی ہے۔ جس نے محنت سے کام کیا ہے اور جس نے جتنی اور جس قسم کی مزدوری کی ہے اس کی اجرت اسی کو ملے گی کمائی اچھی بھی ہوسکتی ہے اور بری بھی۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی کمائی تو بہت ہی اچھی ہے مگر کسی دوسرے کے کھاتے میں نہیں ڈالی جاسکتی۔ کسی دوسرے کے بُرے اعمال کا مواخذہ اس سے نہیں کیا جاسکتا یہ تھا قادری صاحب کی ایک بات کا جواب کے بعض افراد کہتے ہیں کہ ہر شخص کا اپنا عمل ہے ایک بات انہوں یہ کہی کہ قل خوانی ساتہ، گیارویں شریف، میلاد النبی، چہلم، برسی یہ فضول ہیں

ناجائز ہیں جواباً عرض ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۲۱)

''بیشک تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ ﷺ کے متعدد صاحبزادے اور صاحبزادیاں فوت ہوئیں آپ کے متعدد عزیز واقارب نے بھی وفات پائی مثلاً حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء آپ کے چچا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آپ کے چچازاد بھائی اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور دیگر رشتہ دار بھی فوت ہوئے کوئی شہید ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ نے کس کے لیے قل خوانی قرآن خوانی، ساتہ، چہلم، برسی کی۔ کاش ہمیں قرآن وحدیث یا تاریخ میں کسی ایک جگہ بھی کوئی دکھلا دے کہ آپ ﷺ نے ساتہ کیا یا چہلم یا برسی یا گیارویں شریف یا عید میلاد النبی وغیرہ بلکہ مروجہ تمام رسومات خود ساختہ ہیں نہ یہ کام رسول اللہ ﷺ نے کیے اور نہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیے یہ سب کام اپنے پیٹ کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے شروع کیے گئے ہیں قرون اولیٰ میں ان رسومات کا نام ونشان بھی نہ تھا اور دین میں کوئی ایسا عمل اپنی طرف سے ایجاد کرنا بدعت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد)) (بخاری)

''جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔''

قادری صاحب کہتے کہ نماز جنازہ تو فوت شدگان کی ہی پڑھتے ہیں مگر پیروں کی بھی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اور کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں وہ فوت ہی نہیں ہوئے اب انہوں نے مان لیا ہے کہ جن کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے وہ فوت شدگان ہی ہوتے ہیں۔

ایصال ثواب کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ نماز جنازہ میں جو دعا پڑھی جاتی ہے۔

پنجگانہ نماز میں ایصال ثواب:

پہلی بات کہ یہ دعا نماز میں پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہی نہیں یہاں اولاد تو اپنی ذات کے لیے دعا ہے بعد میں والدین کے لیے بشرطیکہ اس دعا کے وقت والدین کا انتقال ہو چکا ہو ورنہ یہ دعا بھی خالص زندوں اور مردوں دونوں کو شامل ہوگئی یہی طریقہ ابراہیم علیہ السلام نے

اختیار کیا تھا انہوں نے مذکورہ دعا کی تھی یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے۔

اس میں بھی یہ احتمال ہے کہ جس وقت یہ دعا کی گئی ہو اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے والدین حیات ہوں کیوں کہ قرآن کریم اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ جب انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ ان کے باپ کا کفر سے ہٹنا ممکن نہیں تو وہ اس سے بے زار ہو گئے:

﴿ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ﴾ (۹/ التوبہ: ۱۱٤)

''پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔''

اس لحاظ سے یہ دعا بھی زندوں کے ساتھ مخصوص ہوئی۔ لیکن مردوں کے حق میں دعا کرنا قرآن وسنت سے ثابت ہے اور دوسری بدعات قل خوانی، قرآن خوانی، ساتہ چہلم برسی، گیارویں جشن میلاالنبی وغیرہ کا ثبوت قرآن وسنت میں نہیں ہے دعا جو میت کے لیے کی جاتی ہے ایصال ثواب سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

ایصال ثواب کا مفہوم تو یہ ہے کہ ہم اپنی اس قرآن خوانی اپنے اس صدقے اور اپنے فلاں عمل کا اجر فلاں مردے کو اپنی مرضی سے دیتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ کرنے والے کے لیے یہ عمل ضرورت سے زیادہ تھا جبکہ دعا میں اللہ تعالیٰ سے یہ التجا اور درخواست کی جاتی ہے کہ اے اللہ فلاں کی مغفرت فرما دیجئے۔

اپنے کسی عمل کے منتقل کرنے کا دعا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اگر دعا اور ایصال ثواب ایک ہی چیز ہیں تو ایصال ثواب مردوں کے ساتھ ہی مخصوص کیوں سمجھا جاتا ہے جبکہ دعا زندہ اور مردہ دونوں کے لیے عام ہے بلکہ ہر انسان پر یہ لازم کیا گیا ہے کہ ہمہ وقت اللہ سے دعا کرتا رہے خواہ اپنے لیے یا دوسروں کے لیے فوت شدگان کے لیے دعا کرنا قرآن مجید سے واضح الفاظ میں ثابت ہے۔

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾ (۵۹/ حشر: ۱۰)

''اے ہمارے رب ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان

لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔''

اس سے پہلی آیات میں مہاجرین اور انصار کا ذکر ہے اس کے بعد والی نسلوں کا ان کی جانب سے یہ دعا نقل کر کے انہیں یہ تعلیم دی گئی کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف کے لیے دعا مغفرت کرتے رہو اور ان کی جانب سے دل میں کسی قسم کا کینہ نہ رکھو کیوں کہ اللہ عالم الغیب ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میری مخلوق میں ایک ایسا طبقہ بھی پیدا ہوگا جو مہاجرین وانصار پر تبرا کرے گا۔ اس لیے مومنین کو یہ دعا کرنے کی تعلیم دی گئی اس آیت میں پہلے اپنی ذات کے لیے دعا ہے اس سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ دعا کا اصل اصول یہ ہے کہ پہلے اپنی ذات کے لیے اور بعد میں مرنے والوں کے لیے یعنی ہر صورت میں زندوں کا حق مردوں پر مقدم ہے یہی اصول نماز جنازہ کی صورت میں اختیار کیا گیا ہے اور یہ دعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ میں صرف وہی دعا تحریر کروں گا جو بریلوی حضرات نماز جنازہ میں پڑھتے ہیں جس کو قادری صاحب نے مروجہ ایصال ثواب کی دلیل بنایا ہے دعا پر غور فرمائیں۔

((اللھم اغفر لحینا و میتنا و شاھدنا و غائبنا و صغیرنا کبیرنا و ذکرنا و انثانا اللّٰھم من احیتہ منا فاحیہ علی الاسلام من توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان))

''اے اللہ ہمارے زندوں اور ہمارے مردوں ہمارے موجود لوگوں ہمارے غائب لوگ ہمارے چھوٹوں، ہمارے بڑوں ہماری عورتوں کی مغفرت فرمائے اللہ آپ ہم سے جسے زندہ رکھیں اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے ہم میں سے وفات دیں اسے ایمان پر وفات دینا۔''

قارئین محترم یہ الفاظ خود اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ دعا میں زندہ اور مردہ دونوں ہی شریک ہیں اور دعا میں مردوں پر زندوں کا حق مقدم ہے۔ اگر دعا اور ایصال ثواب دونوں ایک چیز ہیں تو سب سے پہلے زندوں کے لیے ایصال ثواب کیجئے۔ بقول قادری صاحب کے کہ دعا ایصال ثواب ہے اور سب سے پہلے یہ علماء حضرات اپنے لیے ایصال ثواب کی غرض سے

قل خوانی فاتحہ خوانی کرائیں اپنا ساتہ، چہلم، برسی وغیرہ کرائیں اور دوسرے لوگوں کے لیے دیگوں کا انتظام کریں اور جو کھانا فوت شدگان کے گھر مولوی حضرات پہلے دن دوسرے یا تیسرے دن کا ساتہ کے دن، قل خوانی پر طرح طرح کے کھانوں سے دستر خوان مزین ہوتے ہیں یہ سارا کام ایصال ثواب کے نام پر ہوتا ہے اس بارے میں بریلویوں کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کا فتویٰ بھی پڑھ لیں۔ سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر بلاد ہند میں یہ رسم ہے کہ میت کے روز وفات سے اس کے اعزہ اقارب واحباب کی عورات اس کے یہاں جمع ہوتی ہیں اس اہتمام کے ساتھ جو شادی میں کیا جاتا ہے پھر کچھ دوسرے دن اکثر تیسرے دن واپس آتی ہیں بعض چالیسویں تک بیٹھی ہیں اس مدت اقامت میں عورات کے کھانے پینے پان چھالیاں کا اہتمام اہل میت کرتے ہیں۔ جس کے باعث ایک صرف کثیر کے زیر بار ہوتے ہیں اگر اس وقت ان کا ہاتھ خالی ہو تو قرض لیتے ہیں یوں نہ ملے تو سودی نکلواتے ہیں اگر نہ کریں تو مطعون و بدنام ہوتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا کیا:

الجواب: سبحان اللہ اے مسلمان یہ پوچھتا ہے کیا پوچھ کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں سخت و شنیع خرابیوں پر مشتمل ہے۔

اولاً یہ دعوت خود ناجائز و بدعت شنیعہ وقبیحہ ہے امام احمد اپنے مسند اور ابن ماجہ سنن میں باسند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((كان نعد الاجتماع الى اهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة))

''ہم گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم اہل میت کے ہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرانے کو مردے کی نیاحت شمار کرتے تھے۔''

جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں ناطق امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر شرح ھدایہ میں فرماتے ہیں:

((يكره اتخاذ الضيافة من الطعام اهل الميت لانه شرعت في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة))

''اہل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنا منع ہے کہ شرع نے ضیافت

خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بدعت شنیعہ ہے۔"

اسی طرح علامہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں فرمایا: ولفظ یکره الضیافة من اهل المیت لانها شرعت فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة - فتاویٰ خلاصہ، فتاویٰ سراجیہ وفتاویٰ ظہریہ وفتاویٰ تاتارخانیہ اور ظہیریہ سے خزانۃ المفتین کتاب الکراہیہ اور تاتارخانیہ سے فتاویٰ ہندیہ میں بالفظ متقارب ہے: وللفظ للسراجية يباح اتخاذ الضيافة عند ثلٰثة ايام فی المصية ذادفی الخلاصة لان الضيافة تيخذ عند السرور۔ غمی میں تیسرے دن کی دعوت جائز نہیں کہ دعوت تو خوشی میں ہوتی ہے فتاویٰ امام قاضی خان کتاب میں ہے۔

((يكره اتخاذ الضيافة فی ايام المصية لانها ايام تاسف فلا يليق بها مايكون للسرور))

"یعنی غمی میں ضیافت ممنوع ہے کہ یہ افسوس کے دن ہیں تو جو خوشی میں ہوتا ہے وہ ان کے لائق نہیں۔"

تبیین الحقائق امام ذیلعی میں ہے:

((لا باس بالحلوس المصية الی ثلث من غير ارتكاب محظور من فرش البسط والا طعمة من اهل الميت))

"مصیبت کے لیے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہ کیا جائے مکلّف فرش بچھانے اور میت والوں کی طرف سے کھانے۔"

امام بزازی وجیز میں فرماتے ہیں:

((يكره اتخاذ الطعام فی اليوم الاول والثالث وبعد الاسبوع))

"یعنی میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں سب مکروہ وممنوع ہیں۔"

علامہ شامی ردالمختار میں فرماتے ہیں:

((اطال ذالك فی المعراج وقال هذه الامغال كلها المسعة والرياء

فیحترز عنہا))

''یعنی معراج الدرایہ شرح ہدایہ نے اس مسئلہ میں بہت طویل کلام کیا ہے اور فرمایا کہ یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں ان سے احتراز کیا جائے۔''

جامع الرموز آخر الکراہیۃ میں ہے:

((یکرہ الجلوس المصیبۃ ثلثۃ ایام او اقل فی المسجد ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ہذہ الایام و کذا کلھا کما فی خیرۃ الفتاویٰ))

''یعنی تین دن یا کم تعزیت لینے کے لیے مسجد میں بیٹھنا منع ہے اور ان دنوں میں ضیافت بھی ممنوع اور اس کا کھانا بھی منع ہے جیسا کہ خیرۃ الفتاویٰ میں ہے تصریح کی فتاویٰ القروی اور واقعات المفتین میں ہے:

((یکرہ اتخاذ الضیافۃ ثلثہ ایام و اکلھا الانھا مشروعۃ للسرور))

''تین دن ضیافت اور اس کا کھانا مکروہ ہے کہ دعوت تو خوشی میں ہوتی ہے))۔

کشف الغطا میں ہے ضیافت نمودن اہل میت اہل تعزیت روا پختن طعام برائے آنہا مکروہ است باتفاق روایات چہ ایشاں راسبب اشتغال بمصیبت استعداد دوتہیہ آن ودشوار است اسی میں ہے پس انچہ متعارف شدہ از پختن اہل مصیبت طعام اور سوم قسمت نمودن آں میاں اہل تعزیت قرآن غیر مباح ونامشروع است وتصریح کردہ بلاں درخزانہ چہ شرعیت ضیافت نزد سرورست نہ نزد شرورد ہوالمشہو رعند الجمہور۔

ثانیاً غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا اور بچہ نابالغ ہوتا ہے یا بعض ورثا موجود نہیں ہوتے نہ ان سے اس کی اجازت لی جاتی ہے جب تو یہ امر سخت شدید پر مضمن ہوتا ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ ﴾ (٤/ النساء:١٠)

'' بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں بلاشبہ وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور قریب ہے کہ جہنم کے گھراؤ میں جائیں گے۔''

مال غیر میں بے اذن غیر تصرف خود ناجائز ہے قال اللہ تعالیٰ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل خصوصاً نابالغ کا مال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ خود اسے نہ اس کے باپ نہ اس کے وصی کو لان الولایۃ للنظر لا للضرر علی الخصوص اگر ان میں کوئی یتیم ہوا تو آفت سخت تر ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔ ہاں اگر محتاجوں کے دینے کو کھانا پکوائیں تو حرج نہیں بلکہ خوب ہے بشرطیکہ یہ کوئی عاقل بالغ اپنے مال خاص سے لے یا ترکہ سے کریں تو سب وارث موجود بالغ ونابالغ راضی ہوں خانیہ وبزازیہ وتاتارخانیہ وہندیہ میں ہے۔

ثالثاً یہ عورتیں کہ جمع ہوتی ہیں افعال منکرہ کرتی ہیں۔ مثلاً چلا کر رونا پیٹنا بناوٹ سے منہ ڈھانکنا الی غیر ذلک اور یہ سب نیاحت ہے اور نیاحت حرام ہے۔ ایسے مجمع کے لیے میت کے عزیزوں دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہو گی قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان نہ کہ اہل میت کا اہتمام طعام کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے تو اس مجمع ناجائز کے لیے ناجائز تر ہو گا۔

کشف الغطا میں ہے ساختیں طعام در دور ثانی وثالث برائے اہل میت اگر نوحہ گراں جمع باشند مکروہ ست زیرا کہ اعانت ست ایشاں را بر گناہ رابعاً اکثر لوگوں کو اس رسم شنیع کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ تکلیف کرنا پڑتی ہے۔ یہاں تک کہ میت والے بچارے اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس میلہ کے لیے کھانا پان چھالیاں کہاں سے لائیں اور بارہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے ایسا تکلف شرع کو کسی امر مباح کے لیے بھی زنہار پسند نہیں نہ کہ ایک رسم ممنوع کے لیے پھر اس کے باعث جو دقتیں پڑتی ہیں۔

خود ظاہر ہیں پھر اگر قرض سودی ملا تو حرام خالص ہو گیا اور معاذ اللہ لعنت الٰہی سے پورا حصہ ملا کر بے ضرورت شرعیہ سود دینا بھی سود لینے کے مثل باعث لعنت ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں فرمایا غرض اس رسم کی شناعت وممانعت میں شک نہیں اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ قطعاً ایسی رسم شنیعہ جن سے ان کے دین ودنیا کا ضرر ہو ترک کر دیں اور لعن بیہودہ کا لحاظ نہ کریں۔ واللہ الہادی۔ (احکام شریعت صفحہ ۳۰۸ تا ۳۱۱ پروگریسو بکس اردو بازار لاہور)

کیا بریلوی علماء کا اپنے امام کے فتوے پر عمل ہے دوسرے دن قل خوانی میں مولوی حضرات شریک ہوکر دعوت نہیں اڑاتے طرح طرح کے پھلوں سے لطف اندوز نہیں ہوتے۔ کچھ علاقوں میں تیسرے دن میت کے کپڑے دھولاتے ہیں اور اہل میت کھانے کا انتظام کرتے ہیں کیا مولوی حضرات وہاں جاکر ختم پڑھ کر دعوت کھا کر اہل میت سے پیسے وغیرہ نہیں لیتے ؟ کیا اس دعوت میں غریب امیر سب شریک ہوتے ہیں کہ نہیں کیا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے فتوے کے مطابق حرام نہیں اگر حرام ہے مکروہ ہے ناجائز ہے تو ہمارے مولوی حضرات جان بوجھ کر اس فعل حرام کا ارتکاب کیوں کرتے ہیں فقہ حنفی کی تمام فقہ کی کتب میں میت کے گھر جمع ہوکر دعوت کھانے کو حرام نہیں کہا گیا؟ پھر تم کیسے حنفی ہونے کا دعویدار ہو۔

میرے بھائیو! اصل بات تو یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمائی ہے:

﴿ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۙ﴾ (٥٣/ النجم:٣٨)

”یعنی کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“

﴿ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ﴾ (٥٣/ النجم :٣٩)

”اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔“

﴿ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴾ (٥٣/ النجم:٤٠)

”اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی۔“

﴿ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴾ (٥٣/ النجم:٤١)

”پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴾ (٤٥/ الجاثية:١٥)

”جو کوئی عمل نیک کرے گا تو اپنے لیے اور جو بُرے کرے گا تو ان کا ضرر اسی کو ہوگا پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔“

یہ جان لینا چاہیے کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ اصول بتایا ہے کہ انسان کو وہی ملے گا

جس کی اُس نے کوشش کی اور دوسری آیت مبارکہ میں یہ قانون ودستور بتایا کہ جس شخص نے بھی نیکی کی اس کا بدلہ اسے ہی ملے گا اور اس کی نیکی اپنی ذات کے لیے ہے اس مضمون کی قرآن مجید میں بہت سی آیات موجود ہیں۔

اب بھی اگر کسی کے ذہن میں کسی قسم کا اشکال ہے تو اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ ﴾ (۲/ البقرہ:۱۳۹)

''اور ہم کو ہمارا کیا ہوا ملے گا اور تم کو تمہارا کیا ہوا ملے گا۔''

قارئین محترم! ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے کہ ہمارے اعمال ہمارے کام آئیں گے اور مرنے والوں کے اعمال مرنے والوں کے کام آئیں گے قرآن مجید کتنے واضح الفاظ میں وضاحت کرتا ہے مسلمانوں کو سمجھ نہیں آتی اس لیے کہ وہ سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے مولوی حضرات ان کو کہتے ہیں کہ قرآن سمجھنے کے لیے ۱۸ علوم سیکھنے کی ضرورت ہے یہ بہت مشکل ہے مگر کلام اللہ کا سب سے بڑا حسن تو یہی ہے کہ اس کا کوئی جملہ کوئی لفظ اور کوئی حرف بے معنی اور بے مقصد نہیں ہے کاش کوئی قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرتا۔ لیکن اس کے برعکس ہم نے اس کی تلاوت بھی کی تو وہ بھی اس طرح کہ روانی میں تاربرقی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور سمجھنے کے معاملے میں یہ مفروضہ قائم کرلیا گیا کہ اسے کوئی پہنچا ہوا بزرگ ہی سمجھ سکتا ہے کیونکہ قرآن کے ظاہری معنی مقصود نہیں بلکہ اس کے باطنی معنی مقصود ہیں اور وہ خاص خاص افراد ہی کو معلوم ہو سکتے ہیں ورنہ ہر شخص کے لیے مشکل ہے اور قرآن تو یہ دعویٰ کرتا ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ﴾ (٥٤/ القمر:٢٢)

''اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے، سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔''

اگر قرآن کو سمجھنا اتنا ہی دشوار تھا تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے یہ مطالبہ کیوں کیا؟

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ ﴾ (٤٧/ محمد:٢٤)

''تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔''

اب تو قرآن کو عمل واصلاح عقیدہ کے لیے کوئی نہیں پڑھتا اور نہ ہی سمجھنے کی کوئی کوشش کرتا ہے جیسے اس کے سمجھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہی اب تو قرآن صرف چند مقاصد کے لیے رہ گیا ہے۔ جھوٹی قسمیں کھانے کے لیے تعویز گنڈے کرنے فال نکالنے اور مردوں کو ایصال ثواب کرنے کے لیے ہے بلکہ بہت سے ہمارے مسلمان بھائی جو کہ اسلام کے پکے دعویدار صرف قرآن خوانی کے وقت اسے کھول کر دیکھتے ہیں۔ حالانکہ اس قرآن خوانی کا شریعت اسلامیہ میں کوئی وجود نہیں پورے دور نبوی بلکہ قرون ثلاثہ کو دیکھ لیجئے کہیں بھی اس کا وجود نظر نہ آئے گا اور نہ ہی کسی امام نے یہ کام انجام دیا نہ حکم دیا۔

گویا کہ وہ حضرات جن کا نام تمام امت سے بلند وبالا ہو وہ تو اس نعمت سے محروم رہیں اگر اس قرآن خوانی کے بغیر ان کی ان کے مردوں کی نجات ممکن تھی تو ہماری اور آپ کی نجات بھی اس کے بغیر ممکن ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کو زندگی میں سمجھ کر پڑھتے تھے اور قرآن کے مطابق زندگی گزارتے تھے مرنے کے بعد تو انسان قرآن پر عمل نہیں کر سکتا وقت گزر جاتا ہے۔ میرے بھائی یہ نہیں ہوگا کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے اپنی محنت ومزدوری دوسرے کو دے دے بلکہ اپنے عزیز واقارب اور اپنے دوست احباب سے بھی دور بھاگے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝ ﴾ (۸۰/ عبس: ۳۴۔۳۵)

''جس دن آدمی اپنے بھائی اپنی ماں اپنے باپ اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے بھاگے گا ان میں سے ہر شخص اپنی ہی حالت میں سرگرداں ہوگا۔''

حتی کہ انسان اپنی زوجہ سے دور بھاگے گا کہ کہیں یہ حق زوجیت جتاتے ہوئے میری نیکیوں کا مطالبہ نہ کر دے اور ماں باپ سے بھی دور بھاگے گا کہیں پرورش اور تربیت کے صلہ کا مطالبہ نہ کر دیں کہیں ماں یہ دعویٰ نہ کر بیٹھے اگر تو نے مجھے اپنے اعمال کا ثواب نہ دیا تو میں دودھ نہ بخشوں گی اور بیٹے کہیں اولاد ہونے کا حق جتانا نہ شروع کر دے الغرض اتنے قریبی رشتے والوں سے انسان دور بھاگے گا تو کوئی مولوی کوئی دوسرا بزرگ اپنے مریدوں اور

پیروکار کو دیکھ کر کیسے ٹھہرے گا اور اپنے نیک اعمال اُس کو کیسے دے سکے گا۔ ہر بندہ اپنے اعمال کا جواب خود دے گا۔ کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا ہر شخص کو زندگی میں اپنے اعمال کی فکر کرنی چاہیے۔

اگر کوئی شخص رضا الٰہی کے حصول کو ترک کر کے اور اس کے بتائے ہوئے طریقوں کو چھوڑ کر اور نبی کریم ﷺ کی سنت کو چھوڑ کر اپنے مصنوعی طریقے اختیار کرتے ہوئے خود ساختہ رسومات جو کتاب و سنت سے ثابت نہیں مثلاً تیجہ، دسواں، چالیسواں، برسیاں، کونڈے وغیرہ وہ اس کے ہرگز کام نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴾

(٤٧/ محمد:٣٣)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾ (٥٩/ الحشر:٧)

''جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روک دے، اس سے رک جاؤ اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

رب کی بارگاہ میں وہی کام مقبول ہوں گے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہونگے یہی ہماری دعوت اور قرآن و سنت کا سچا پیغام ہے۔ بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ ہم بڑی لاڈلی قوم ہیں ہم نبیوں علیہم السلام اور رسولوں علیہم السلام کی اولاد ہیں ان کی وجہ سے ہماری بخشش تو ہو ہی جائے گی مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴾ (٢/ سورة البقرہ:٤٨)

''اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ کسی کی

سفارش منظور کی جائے اور نہ کسی سے کسی کا بدلہ قبول کیا جائے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔"

ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہم کن کن ہستیوں پر بھروسہ کر کے بیٹھے ہیں اور کن کی نسبت کو بغیر نیک اعمال کے اپنے لیے باعث نجات سمجھ بیٹھے ہیں کن کے کیے ہوئے اعمال پر ہمیں فخر ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کے کام ان کی اپنی نیکی اور اس کے نیک اعمال آئیں گے۔

ہر انسان اپنے اپنے اعمال کا جواب دہ ہو گا خواہ وہ اعمالِ خیر ہوں یا شر انسان کو صرف اسی کے اعمال کی جزا ملے گی کسی کے عمل کا دوسرے کے عمل سے کوئی واسطہ نہ ہو گا اس لیے نبی کریم ﷺ کو اس اعلان کا حکم دیا جا رہا ہے:

﴿ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۝ ﴾ (۱۰/ یونس:۴۱)

"تو کہہ دے میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل تم اس سے بری ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس سے بری ہوں جو تم کر رہے ہو۔"

ہر انسان کو اسی کا بدلہ ملے گا جو وہ خود کرتا تھا اپنی کمائی ہی اُس کے کام آئے گی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ ﴾ (۳۷/ الصفت:۳۹)

"اور تمہیں صرف اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔"

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ ﴾ (/ الطور:۱۶)

"تمہیں صرف اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ۝ ﴾ (۷۴/ المدثر:۳۸)

"ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے۔"

سورہ یٰسین میں ارشاد فرمایا:

﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾

(۳۶/ یٰسین: ۵۴)

''پس آج کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور نہ تمہیں اس کے سوا کوئی بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔''

ان تمام آیات طیبات سے واضح ہو گیا کہ ہر انسان کو اپنے کیے کا ہی بدلہ ملے گا مگر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وإذا مات الإنسان انقطع عنه عمله، إلا من ثلاثة: إلا من صدقة، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له))

(مسلم، الوصية مايلحق الانسان من الثاب ١٦٣١)

''جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے صدقہ جاریہ علم نافع اور صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔''

اس حدیث مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد صرف تین چیزوں کا ثواب اس کے لیے جاری رہتا ہے ان میں سے ایک نیک اولاد ہے جو ماں باپ کے مرنے کے بعد بھی ان کے لیے دعا کرتی رہے۔ اس لیے اولاد کو والدین کی موت کے بعد ان کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہنا چاہیے۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد انسان کو صرف تین ذرائع سے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ مرنے والے کا عمل موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے لیکن چونکہ ان امور کا وہی سبب تھا یعنی اولاد کے نیک بننے میں اس کی کوشش کو دخل تھا علم کو پھیلانے میں کہ لوگ اس سے علم حاصل کریں یا کتاب لکھنے میں جو اس کی موت کے بعد باقی رہے اس لیے ان چیزوں کا اجر بھی باقی رکھا گیا۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((يتبع الميت ثلاثة اهله وعمله وماله فيرجع اثنان ويبقى واحد))

''میت کے پیچھے تین چیزیں جاتی ہیں گھر والے عمل، اور مال پھر دو چیزیں واپس لوٹ آتی ہیں اور ایک ہی چیز اس کے ساتھ باقی رہتی ہے گھر والے اور مال واپس آ جاتے ہیں اور صرف عمل اس کے ساتھ رہتا ہے۔'' (مسلم و بخاری)

یہ حدیث مبارکہ وضاحت کے ساتھ ثابت کر رہی ہے کہ مرنے والے کے ساتھ جانے والی چیز اس کا ذاتی عمل ہے بقیہ چیزیں پیچھے رہ جائیں گی۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ (۲/ البقرہ:۲۸٦)

''جو نیکی کرے وہ اس کے لیے جو برائی کرے وہ اس پر ہے۔''

جو ام سعد کے لیے ہے کنواں والی روایت مرسل ضعیف ہے اس کی کوئی سند صحیح نہیں اگر یہ روایت درست بھی ہو تو پھر بھی کسی مخصوص رسم کے تحت حلوے مانڈے کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ عام طور پر رفاء عامہ کے کاموں کا ثبوت ہوگا۔ جس سے کسی کو اختلاف نہیں بالفرض واقعہ ایسے ہی ہو تو رسول اللہ ﷺ کے ایک لاکھ بلکہ ڈیڑھ لاکھ کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ انہوں نے اپنے ماں باپ کے نام پر کنویں کیوں نہیں بنوائے صرف حضرت سعد نے ہی کیوں بنوایا اصل بات یہ ہے کہ یہ روایت قل، ساتہ، چہلم، گیارویں، برسی جشن عید میلاد النبی کی دلیل نہیں بن سکتی کیوں کہ اللہ نے قرآن مجید میں واضح ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا﴾

(٤١/ حمٓ السجدہ:٤٦)

''جو شخص نیک کام کرے گا وہ اپنے نفع کے لیے جو برا کام کرے گا اس کا وبال بھی اس پر ہے۔''

بریلوی حضرات کے محبوب محقق شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: کہ جمع ہو کر میت کے لیے قرآن خوانی کرنا قبر پر یا قبر کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی عادت نہیں تھی یہ سب بدعت اور مکروہ ہے۔ (شرح سفر السعادت صفحہ۲۷۳)

قادری صاحب نے حج بدل سے مردے کا ایصال ثواب ثابت کرنے کی ناکام کوشش

کی ہے تو کیا قادری صاحب زندہ کو بھی ایصال ثواب کرنا جائز سمجھتے ہیں اگر ان کے نزدیک جائز ہے تو پھر پہلے مولوی حضرات کو دیگیں پکا کر اپنے ایصال ثواب کا مسئلہ حل کرنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے وہ ہمارے نزدیک جائز ہے بشرطِ کہ حدیث صحیح ہو حج کی نیابت جائز ہے اور روزہ کی بھی اس بات کا تعلق مروجہ ایصال ثواب سے نہیں ہے سنت سے جتنا عمل ثابت ہے اتنا ہی کرنا چاہیے۔ بعض حضرات نیابت اور اہداء میں فرق نہیں کرتے۔

حالانکہ ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے لیکن کچھ حضرات ایصال ثواب کے ثبوت میں حج بدل نیز روزہ اور صدقہ والی احادیث کا ذکر کرتے ہیں جیسا کہ قادری صاحب نے کیا ہے نیابت میں عامل اپنے آپ کو دوسرے شخص کے قائم مقام قرار دیتا ہے مثلاً حج میں یوں کہتا ہے کہ لبیک عن فلان اے اللہ میں فلاں شخص کی طرف سے حاضر ہوں یا دل میں ارادہ کرے کہ میں فلاں کی طرف سے حج کر رہا ہوں اور اہداء ثواب کی صورت یہ ہے کہ حج اپنی طرف سے کرنے اور بعد میں کہے یارب میرے اس حج کا ثواب فلاں شخص کو دے پہلی شکل تو حدیث سے ثابت اور منصوص ہے اور دوسری کی دلیل قرآن وسنت سے ثابت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ ثواب اللہ کا انعام ہے۔

عامل کو اس میں تصرف کا کوئی اختیار نہیں اگر ہم کسی اللہ کے نافرمان کو اپنی طرف سے عذاب بھیجنا چاہیں تو نہیں بھیج سکتے کہ دونوں چیزوں کا اختیار اللہ کے پاس ہے۔ لہٰذا اپنے عمل کے ثواب کو کسی دوسرے کے لیے ہدیہ اور ھبہ کرنے کا عامل کو حق نہیں۔

وہی چیز انسان کسی کو گفٹ کر سکتا ہے جس پر انسان کا اپنا کنٹرول ہو۔ وگرنہ کیسے دے سکتا ہے اسی طرح یہ کہنا کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کا ثواب امت مرحومہ کو پہنچایا تو یہ قیاس بھی بے محل اور غلط ہے اس لیے کہ اول قربانی ایک مالی صدقہ ہے جس میں نیابت جائز ہے اور آپ ﷺ کی حیثیت امت کے لیے ایسی ہے جیسے گھر والوں کے لیے ولی کی جس طرح ایک مرد اپنے پورے گھر والوں کی طرف سے قربانی کر سکتا ہے اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی طرف سے اپنے گھر والوں کی طرف سے اور امت کی طرف سے قربانی

فرمائی اس کا حق سب سے زیادہ آپ ہی کو پہنچتا تھا اس حدیث سے اہداء ثواب پر استدلال کرنا غلط اور بے محل ہے کیونکہ اس سے نیابت ثابت ہوتی ہے نہ کہ اہداء کیونکہ اہداء اور نیابت دو الگ چیزیں ہیں ۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی وصیت فرمائی تھی اس لیے انہوں نے وصیت پوری کرتے ہوئے قربانی فرمائی ویسے تو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس بھی مال و متاع کی کثرت تھی مگر کسی نے بھی آپ کی طرف سے قربانی نہیں کی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی تھی جو چیز سنت سے ثابت ہے پر عمل کرنا حق اور باعث نجات ہے جو عمل قرآن وسنت سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے جو گمراہی ہے اور دخول جہنم کا باعث ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو سنت پر عمل پیرا ہونے اور بدعات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت جو قادری صاحب نے ذکر کی ہے یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اس کے ایک راوی شریک القاضی مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے دوسرا ابوالحسناء راوی مجہول ہے دیکھئے۔ (تقریب التہذیب ۸۰۵۲؛ آثار السنن ص:۳۹۹ تحت حدیث ۷۸۴)

امام ترمذی نے اس روایت کو غریب لکھا ہے جب یہ ثابت ہو گیا کہ روایت مذکورہ ضعیف ہے تو اس سے دلیل پکڑنا درست نہیں ہے۔

ہمارے انڈیا پاکستان میں ایک رواج یہ بھی ہے کہ اگر کوئی فوت ہو جائے تو لوگ جا کر اس کے لیے فاتحہ پڑھتے ہیں کہتے ہیں کہ فاتحہ میت کے لیے دعا ہے۔

حالانکہ پوری سورت فاتحہ کا ترجمہ پڑھ لیں مگر میت کے لیے دعا کا ایک حرف بھی موجود نہیں قلت تدبر کی وجہ سے ہم نے فاتحہ کو میت کے لیے دعا سمجھ لیا لیکن یہ سنت سے ثابت ہی نہیں ہے۔

قادری صاحب مزید لکھتے ہیں کہ جہاں تک تعلق ہے کہ یہ کہنا کہ سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں چہلم یا گیارویں شریف کی اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ الفاظ عربی کے نہیں جس طرح ہم نماز ظہر کو پیشی کے نام سے جانتے ہیں عصر کو ڈیگر اور اسی طرح دوسری نمازوں کے بھی علاقائی نام رکھے گئے ہیں اب کوئی یہ کہے میں پیشی نہیں پڑھوں گا۔

اس لیے کہ حدیث شریف میں اس کا ذکر نہیں آیا اس کا ہم یہی جواب دیں گے کہ تم نام کے پیچھے نہ جاؤ دیکھو اس میں کام کیا ہوتا ہے ظاہر ہے اس میں نماز ظہر ادا کی جاتی ہے اور یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے لہٰذا نام رکھ لینے سے کوئی کام غلط نہیں ہو جاتا یہ نام تو ہم نے سہولت کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ایصال ثواب کے بہت سے مواقع ہیں۔ لہٰذا نام سے پتہ چل جائے کہ چہلم کا ختم یعنی کسی بندے کو فوت ہوئے تقریباً سوا مہینہ گزر گیا ہے برسی یعنی ایک سال گزر گیا ہے گیارھویں شریف یعنی غوث اعظم کے ایصال ثواب کے لیے محفل تو نام رکھ دینے سے کوئی کام غلط نہیں ہو جاتا ان سب کی اصل تو ایصال ثواب ہے جو کہ ثابت ہے۔ (شرک کیا ہے مع بدعت حقیت صفحہ ۱۶)

الجواب: حقیقت تو یہ ہے کہ بدعت کے حامی بدعت کو ثابت کرنے کے لیے بہت سارے چور دروازے نکالتے ہیں اور ہیرا پھیری سے کام لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کو پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے کرنا پڑتا ہے۔

خود ہی کہتے ہیں کہ گیارویں غوث اعظم کے ایصال ثواب کے لیے۔ ہے اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے جبکہ جس بزرگ کے نام پر یہ کام کیا جاتا ہے۔ یہ رسول اللہ سے سینکڑوں سال بعد پیدا ہوا اور ایک دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ ہے کہ ظہر کو پیشی کہتے ہیں عصر کو ڈیگر یہ نام علاقہ کے اہل زبان کے رکھے ہیں مگر پیشی اور ڈیگر کی اصل ظہر اور عصر کا وجود تو ہے اسی طرح گیارہویں اور چہلم کا اصل نام کیا تھا جواب دیں۔

ظہر عصر نمازیں پڑھنے کا وقت طریقہ بتایا گیا ہے چہلم، گیارہویں کا وقت اور طریقہ کس قرآن کی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں بتایا گیا ہے ان کے عربی میں کیا نام تھے جن کو آپ نے اپنی سہولت کے لیے بدل دیا ہے کہتے ہیں گیارہویں غوث اعظم کے ایصال ثواب کی محفل ہے اگر محض ثواب پہنچانا ہے تو پھر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا تعین کس لیے کیا جاتا ہے؟ پھر ہر ماہ کی گیارہ تاریخ مقرر کرنے میں کیا راز ہے؟ کیا ایصال ثواب کے لیے پوری امت میں اور کوئی شخصیت نظر نہیں آئی؟

نعوذ باللہ اگر ان کو گناہ گار سمجھ کر ان کو ثواب پہنچانے کی فکر میں ہو تو پھر ان کی انتہائی بے

ادبی وگستاخی ہے وہ تو اللہ کے نیک بندے تھے۔ اگر ان کو نیک سمجھ کر انہیں ایصال ثواب کا مستحق سمجھ لیا گیا ہے تو پھر ان سے بڑھ کر بھی تو نیک ہستیاں امت میں موجود ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم ہیں کبھی ان کو بھی گیارہویں کے نام یا کسی اور نام سے ایصال ثواب کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ یہ پتہ لگ جائے کہ چہلم کسی بندے کو فوت ہوئے سوا مہینہ گزر گیا سوچنے کی بات ہے کسی نے پتہ کر کے کیا کرنا ہے ہاں مولوی حضرات کو پتہ ضرور لگنا چاہیے تاکہ حلوے مانڈے مرغ بریانی پلاؤ کھیر وغیرہ کی ان کو خوشخبری مل جائے کہ یہ کھابے کا کام ہے، برسی کا پتہ چل جائے کہ سال گزر گیا۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں لوگوں کو چہلم برسی ساتہ، قل جمعرات کے بغیر کیسے پتہ چلتا تھا یا ان کو یہ پتہ کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی؟

مسنون اور شرعی اصول کا تقاضا تو یہ ہے کہ مرنے والے کے گھر کھانا پکا کر بھیجا جائے جس طرح حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو کیوں کہ ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جس نے ان کو مشغول کر دیا۔

(سنن ابوداود: ۳۱۲۶؛ ترمذی معہ تحفہ ص ۳۴/ ج ۲)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مرنے والے کے وارثوں کے گھر کھانا بھیجنا مسنون طریقہ ہے مگر آج معاملہ اس حدیث کے بالکل الٹ ہے وہ یہ کہ جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو دفن کرنے کے بعد عزیز و اقارب دوست احباب پوچھنے لگ جاتے ہیں کہ رسم کب ہوگی جس پر میت کا وارث بیچارہ اگر غریب ہے تو پریشانی کے سمندر میں ایک بار غوطہ زن ہو جاتا ہے سوچنے لگتا ہے کہ اب کس سے ادھار لے کر یہ کام سرانجام دوں پھر وہ اگلے دن کی ان کو تاریخ دیتا ہے یا ایک دن بعد اس کھانے میں غریب کم اور امیر لوگ پورے اہتمام کے ساتھ شرکت کرتے ہیں پُر تکلف دعوت ہوتی ہے۔

رنگا رنگ کے کھانے تیار کیے جاتے ہیں شادی کا سماں ہوتا ہے میت کا غم بھول جاتا ہے۔ حالانکہ میت کے گھر کھانا کھانے کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نظریہ یہ تھا کہ

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میت کے گھر جمع ہونے کو اور میت کے گھر کھانا تیار کرنے کو نوحہ سمجھتے تھے۔ (مسند احمد ۲/۲۰۴)

یاد رہے کہ میت والے گھر نوحہ ایسی چیز ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے۔ فقہ حنفی میں بھی کھانا تیار کرنا منع ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ تین دن تک میت کے گھر کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔ (عالمگیری ج ا ص ۱۲۷)

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا تھا

وضع میں تم نصاریٰ ہو تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت

حفیظ الرحمٰن قادری صاحب نے میلاد النبی ﷺ کو مروجہ انداز میں ثابت کرنے کی بہت کوشش کی مگر افسوس ہے کہ وہ اپنے موقف پر ایک دلیل بھی پیش نہ کر سکے دلیل ہے ہی نہیں تو پیش کہاں سے کرتے۔ بغیر دلیل کے زور لگانا بے سود ہوتا ہے۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۲۱)

''بلاشبہ تمہارے لیے اللہ کے رسول بہترین نمونہ ہیں ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔''

اس آیت کریمہ کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دین کے تمام معاملات مسائل میں صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ ہی پیروی کے لائق ہیں اور جو کام آپ ﷺ نے بتائے یا خود کر کے دکھائے ان میں اضافہ یا ترمیم کا نہ کسی کو کوئی حق ہے نہ اختیار جس طرح اللہ کی ذات وحدہ لاشریک ہے اور اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا گناہ عظیم ہے۔ وہ چاہے کوئی بڑی سے بڑی ہستی کیوں نہ ہو۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ جو باتیں دین کے حوالے سے بتا گئے ہیں ان میں کمی زیادتی کرنا اور اپنی طرف سے کچھ چیزیں ایجاد کر کے انہیں دین کا نام دینا اور قابل ثواب سمجھنا بدعت ہے اور جو کام رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کے خلاف ہے وہ دین میں قابل قبول نہیں ہوگا۔ کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرے بعد میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ حضرات گرامی بدعت ایک خطرناک عمل ہے اور بدعتی کے برے انجام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے واضح ارشادات موجود ہیں:

عَنْ عَائِشَةُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

(صحیح مسلم کتاب الاقضیة باب نقض الاحکام الباطلة رقم ۱۷۱۸)

''ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دین میں کوئی ایسا کام کیا جس کی بنیاد شریعت میں نہیں وہ کام مردود ہے۔''

بدعت کی تعریف خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی:

((فان خير الحديث كتاب الله و خير الهدى هدى محمد و شر الا مور محدثانها و كل بدعة ضلالة))

(صحيح مسلم باب تحقيق الصلوة والحظة رقم ۸٦٧)

''بہترین بات اللہ کی کتاب ہے بہترین ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور بدترین کام دین میں نئی بات ایجاد کرنا ہے اور ہر بدعت اپنی ایجاد شدہ گمراہی ہے۔''

سنن نسائی میں بدعت کی مزمت ان الفاظ میں مذکورہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ان اصدق الحديث كتاب اللّٰه واحسن الهدى محمد و شر الامور محدثاتها و كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة و كل ضلالة في النار))(سنن نسائی كتاب صلاة العيدين رم ١٥٤)

بہترین امور کتاب اللہ اور سنت رسول ہیں اور بدترین امور وہ ہیں جو نئے ایجاد کیے جائیں آپ کے اس فرمان میں ہمارے سامنے دونوں راستے واضح ہو چکے ہیں۔ بہترین راستہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بدترین راستہ وہ ہے جو ان کے علاوہ ہے اور وہ بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے جس کا انجام جہنم ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دین میں نئی چیزوں سے بچو اس لیے کہ ہر نئی بات گمراہی ہے۔ (سنن ابن ماجہ مقدمہ رقم ۴۳)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((کل بدعة ضلالة ان راها الناس حسنة)) (السنة للمروزی ص ٦٨)

''تمام بدعتیں گمراہی ہیں خواہ بظاہر لوگوں کو اچھی لگیں۔''

بعض لوگوں کو اگر کسی بدعت سے منع کیا جائے تو جواب میں کہتے ہیں اگر چہ کام قرآن وحدیث سے ثابت نہیں مگر اس میں برائی بھی کیا ہے۔ بظاہر کام تو اچھا ہے کہنے والے بھائیوں کو قرآن کی آیات مبارکہ پر ضرور غور کرنا چاہیے۔

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝ ﴾

(١٨/ الكهف:١٠٣-١٠٦)

''کہہ دو کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کے سامنے جانے سے انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کچھ وزن قائم نہیں کریں گے۔''

بدعت کی مفصل بحث اپنے مقام پر آئے گی انشاءاللہ

بدعت کی تعریف رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں ہم اجمالی طور پر اس طرح کر سکتے ہیں کہ دین میں کوئی نئی چیز کا اضافہ کرنا اسے بدعت کہتے ہیں اور ذرا تفصیل سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ دین میں کسی ایسے کام کا اضافہ کرنا جس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں ملتا جبکہ کرنے والا اسے کار ثواب اور ذریعہ نجات سمجھتا ہو۔ بدعت کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ جس کے ذریعے اسے باآسانی پہچانا جا سکتا ہے وہ یہ کہ بدعت ایک حالت پر قائم نہیں بلکہ اس میں اضافے ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس کی شکلیں آئے دن تبدیل ہوتی رہتی ہیں مثلاً شروع میں قبروں پر صرف چراغاں کیا گیا اور پھر بعض مزاروں پر چادریں

چڑھانے کا رواج ہوا پھر ایک اضافہ یہ ہوا کہ قبروں کو باقاعدہ غسل دینے کی رسم ایجاد ہوئی اس کے بعد دھمال اور ناچ گانے کا رواج میلوں کی شکل میں شروع ہوا معلوم نہیں اس کے بعد اضافوں کی کیا شکل ہوگئی۔

خود رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن کی مناسبت سے میلاد کے نام سے جو بے شمار رسمیں رائج ہو چکی ہیں ان کا کوئی ثبوت آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل بیت یا سلف صالحین سے نہیں ملتا میلاد کا انکار تو دنیا کے کسی مذہب نے نہیں کیا یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں، نہ سکھوں نے بلکہ وہ کافر جو اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں وہ بھی آپ کی ولادت کو مانتے ہیں کہ آپ کا میلاد ہوا میلاد سب کا ہوتا ہے میرا بھی ہوا۔ آپ سب کا ہوا ہر شخص کا ہوتا ہے پیدائش ہوتی ہے مگر زندگی میں ایک بار ہوتا ہے ہر سال بار بار کوئی شخص پیدا نہیں ہوتا الغرض آپ ﷺ کے میلاد و ولادت کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا مگر ایک گروہ وہ ہے جو میلاد کا انکار کرتا ہے وہ گروہ جو آپ ﷺ کو بشر نہیں بلکہ نوری مانتا ہے کیوں کہ نوری کا میلاد نہیں ہوتا میلاد تو بشر کا ہوتا ہے۔

ہمارے نزدیک سرور عالم ﷺ کے ساتھ عقیدت ومحبت عین ایمان ہے آپ کی ولادت سے وفات تک حیات طیبہ کے ہر پہلو کا ذکر کرنا باعث نزولِ رحمت رب العالمین ہے آپ کا ذکر خیر زمان ومکان پر موقوف نہیں بلکہ ہر آن وہر زمان سیرت طیبہ کا سننا سعادت عظمیٰ ہے۔ لیکن ۱۲ ربیع الاول کو جشن عید میلاد النبی کا جلوس نکالنا بھنگڑے ڈالنا رقص وسرور کرنا قوالیاں گانا خیر القرون سے ثابت ہے؟

اگر ثابت ہو جائے تو سر آنکھوں پر پھر کسی کو اعتراض کی مجال نہیں حقیقت یہ ہے کہ ۲۳ سالہ دور نبوت اور ۶۰ سالہ دور خلافت تقریباً ایک سو دس سالہ دور صحابہ تقریباً ۲۲۰ سالہ دور تابعین وغیرہ میں اس کا وجود کہیں بھی نہیں پایا گیا سرور کائنات ﷺ کے ساتھ جو محبت صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کو نصیب ہوئی ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے اتنی بے پناہ عقیدت واحترام کے باوجود کسی کو یہ جشن عید میلاد النبی کی سوجھی نہ کسی نے اس کو کار ثواب سمجھا جو کام اس وقت دین نہ تھا وہ آج کیسے دین بن گیا۔ حالانکہ اس کا سبب اس وقت بھی موجود تھا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے خلفاء الراشیدین کی سنت کی پابندی کرو۔''

(مشکوۃ ج ا ص ۳۰)

کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم ونازک بے اثر

بعض لوگوں نے جب بدعت کے خلاف قرآن وحدیث کے قوی دلائل دیکھے تو بے بس ہوکر بدعت کے برے انجام سے بچنے کے لیے بدعت حسنہ کی آڑ لے کر بدعات کو اس قدر رواج دیا اور ان کی اشاعت کے لیے اتنی محنت کی کہ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے اندر ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا جس میں بدعت سے اتنی دلچسپی اور محبت پیدا ہوگئی۔ جتنی فرض سنت حقوق اللہ یا حقوق العباد میں بھی نہیں ہے ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار رسوم کو جن کی کوئی اصل رسول اللہ ﷺ کے زمانے یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں نہیں ملتی آج دین کا جز بن چکی ہیں۔ خیر القرون میں ان کا کہیں وجود نظر نہیں آتا۔

قبل اس کے کہ ہم ان چیزوں کے غیر مشروع ہونے پر بحث کریں چند مغالطات کا رد کرنا ضروری ہے جو اہل بدعت کی جانب سے سنت پر چلنے والوں کو دیئے جاتے ہیں۔

مغالطہ نمبرا:

یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ہر نئی بات بدعت ہے تو پھر یہ موٹر سائیکل سکوٹر ریل گاڑی بسیں کاریں ہوائی جہاز یہ چیزیں بھی رسول اللہ ﷺ کے دور اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں نہ تھیں یہ سب چیزیں اگر بدعت ہیں تو پھر استعمال میں کیوں لایا جاتا ہے؟

الجواب: بظاہر تو یہ بات بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے لیکن جس شخص کو بدعت کی صحیح تعریف معلوم ہوگی اور اس کی پہچان ہوگی وہ کبھی اس مغالطے کا شکار نہیں ہوتا یہ مغالطہ وہی لوگ دیتے ہیں جو یا تو بدعت کی تعریف سے ناواقف ہوتے ہیں یا پھر وہ جان بوجھ کر لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے

ہیں۔ کیونکہ ہم شروع میں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ بدعت اس چیز کو کہا جائے گا جو دین میں نئی بات ثواب اور اجر کی نیت اور خیال سے نکالی جائے اور رسول اللہ ﷺ کے الفاظ بالکل واضح ہیں۔

یعنی جس نے ہمارے دینی معاملات میں کوئی نئی چیز پیدا کی نہ کہ دنیاوی معاملات میں اب دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ہوائی جہاز پر سوار ہونا کارثواب سمجھتا ہو یا ریل گاڑی میں بیٹھنا دخول جنت کا باعث سمجھتا ہو اس طرح دیگر سواریوں کو ذریعہ نجات سمجھتا ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان سواریوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود کیا ہے:

﴿ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

(١٦/ النحل:٨)

”اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے لیے اور وہ (سواریاں) پیدا کرے گا جو تم نہیں جانتے۔“

اس آیت مبارکہ میں ”**ویخلق مالاتعلمون**“ فرما کر قیامت تک کی سواریوں کا ذکر فرما دیا لہٰذا ان چیزوں سے بدعت کی دلیل کشید کرنا قلت تدبر کا نتیجہ ہے ایسا وہم باطل ہے جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

مغالطہ نمبر۲:

بریلوی حضرات کی جانب سے دیا جاتا ہے یہ مغالطہ بین الاقوامی قسم کا ہے اور بعض سنت کے پابند لوگ بھی اس کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس طرح کی باتیں سن کر ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ یہ کہ صاحب ہم جو کام کر رہے ہیں جب یہ نیکی کا کام ہے اچھا کام ہے تو آخر اس کے کرنے میں کیا حرج ہے؟

بیشک رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت تو نہیں ہے لیکن اس میں برائی یا کوئی قباحت نہیں تو پھر اس سے آپ لوگ کیوں روکتے ہو؟

الجواب: اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ نیکی کے کام کرنے میں کوئی حرج نہیں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اچھا کام قابل تعریف ہے جب کیا جائے جس جگہ بھی کیا جائے اس میں

بھی کوئی شک نہیں کہ نیکی کے کام سے روکنے والے نافرمان و گناہ گار ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نیکی آخر کیا ہے؟ یہ کون بتائے گا کہ یہ کام باعث ثواب ہے اور یہ باعث گناہ ہے۔

پھر اس بات کا فیصلہ کون کرے گا کہ نیکی کرنے کا طریقہ یہ ہے ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ یہ ہے اور اس کی حدود و قیود میں اگر ہر شخص اپنی طرف سے نیکی کی تعریف اور طریقہ متعین کرلے گا تو پھر دین تو ایک مذاق بن کر رہ جائے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد فوت ہو جائے گا اس بات کا تعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کر سکتے ہیں کہ نیکی کرنے کا طریقہ کیا ہے اور اس کی حدود کیا ہیں۔ ہر شخص کو اس کا اختیار نہیں دیا جا سکتا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں کئی ایسے واقعات رونما ہوئے جن میں کچھ لوگوں نے اچھے کام کیے جن میں اللہ کا ذکر کرنا تھا اس کی عبادت تھی مگر اس کے باوجود وہ روک دیئے گئے اور ان کو بتایا گیا یہ طریقہ عبادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تو فوراً اس سے رک گئے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس تین آدمی آئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق پوچھا ان کی خبر دی گئی انہوں نے اس کو کم جانا اور کہنے لگے ہماری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بخشے ہوئے ہیں ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کرونگا۔ دوسرے آدمی نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا اور افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا کبھی نکاح نہیں کروں گا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور فرمایا تم نے ایسی ایسی باتیں کہیں ہیں خبردار اللہ کی قسم میں تمہاری نسبت اللہ سے بہت ڈرتا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے۔ جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔ (بخاری و مسلم)

غور فرمائیں ان تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جن کاموں کا ارادہ کیا تھا وہ کام اچھے ہیں یا برے نماز روزہ کیا یہ کام انہوں نے خلوص کے ساتھ کرنے کا ارادہ نہ کیا تھا اس میں کیا حرج تھا کیا یہ برائی اور گناہ کے کام تھے یا نیکی کے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع کیوں کیا؟

اسی طرح بات سمجھانے کے لیے میں ایک بات اکثر کہا کرتا ہوں کہ نماز مغرب میں

فرض رکعت تین ہیں اگر کوئی چار پڑھ لے تو یہ درست ہوگا کیوں کہ اس میں برائی والی کوئی بات نہیں بلکہ ایک رکعت زیادہ کا ثواب مل جائے گا تو کہتے ہیں نہیں یہ غلط ہے۔ پھر میں پوچھتا ہوں غلطی کیا ہے تو جواب دیتے ہیں یہ حضور ﷺ نے نہیں پڑھی پھر میں کہتا ہوں یہی بات تو ہم کہتے ہیں جو کام جیسے آپ ﷺ نے کیا ہے ویسے ہی کرنا چاہیے کمی زیادتی کرنا اپنی طرف سے کوئی طریقہ ایجاد کرنا غلط ہے۔ اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد میں ذکر کرنے والی ایک جماعت تھی ان میں ایک شخص کہتا سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو تو حلقہ نشین لوگ کنکریوں پر سو مرتبہ تکبیر کہتے پھر وہ کہتا سو بار لا الہ الا اللہ پڑھو تو وہ سو بار تہلیل پڑھتے پھر وہ کہتا سو بار سبحان اللہ کہو تو وہ سنگریزوں پر سو دفعہ تسبیح پڑھتے یہ دیکھ کر عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کیا کرو میں تمہاری نیکیوں کا ضامن ہوں وہ ضائع نہ ہوں گی۔ تعجب ہے تم پر اے امت محمد ﷺ کیا جلد ہی تم ہلاکت میں پڑ گئے ہو ابھی تک حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تم میں بکثرت موجود ہیں اور ابھی تک جناب رسول اللہ ﷺ کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور ابھی آپ ﷺ کے برتن نہیں ٹوٹے۔ اور پھر فرمایا اندریں حالات تم بدعت اور گمراہی کا دروازہ کھولتے ہو۔

(مسند دارمی ص ۳۸، المنہاج الوضح صفحہ ۱۲۶)

جو لوگ مسجد میں بیٹھ کر ذکر اذکار میں مصروف تھے کیا وہ کوئی برا کام کر رہے تھے کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا یہ کام کرنے میں کیا حرج تھا کیا وہ کسی کو گالیاں دے رہے تھے۔ اگر اپنی مرضی سے عبادت کا طریقہ ایجاد کرنا جائز ہوتا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ منع نہ کرتے۔

دراصل وہ کام تو اپنی طرف سے نیک ہی کر رہے تھے مگر ایسے کرنا رسول اللہ ﷺ کا طریقہ نہیں تھا ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں چھینک ماری اور کہا الحمد اللہ والسلام علی رسول اللہ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا تو میں بھی قائل ہوں کہ الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ لیکن ہمیں جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم نہیں دی ہمیں اس موقعہ پر تعلیم دی گئی ہے کہ ہم الحمد اللہ علی کل حالٍ کہا کریں۔

(ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۸؛ مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۴۰۶)

اُس شخص نے اگر اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ پر سلام پڑھ لیا تو کون سا گناہ کر لیا تھا۔
ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر کیوں اعتراض کیا کہ کام تو ٹھیک ہے مگر طریقہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں تھا۔

مغالطہ نمبر ۳:

جشن عید میلاد النبی منانے کی دلیل نہیں تو منع کہاں ہے قرآن و حدیث سے جواب دیں۔

الجواب: یہ تو ایسا سوال ہے کہ جو شخص پیدا ہی نہیں ہوا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ بتاؤ اس کی وفات کب ہوئی۔

اصل بات یہ ہے کہ کسی چیز کے ہونے کی دلیل ہوتی ہے اور نہ ہونے کی دلیل اس کا نہ ہونا ہے۔ جو کام رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی نے کیا ہی نہیں تو آپ ﷺ منع کیسے فرماتے ہاں اگر کوئی شخص آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں یہ کام کرتا اور آپ ﷺ منع نہ فرماتے تو یہ کام سنت ہوتا جو پھر انکار کرتا وہ منکرین سنت کہلاتا اور بدعت تو ہوتی ہی وہ ہے جس کی نہ ممانعت ہو اور نہ ثبوت۔

اگر ہم ہر چیز کے لیے منع کا ثبوت مانگیں گے تو پھر بہت ساری بدعات کا دروازہ کھل جائے گا۔ مثلاً فجر کی نماز دو رکعت ہے اگر کوئی چار پڑھے تو بتائیں منع کہاں ہے۔ شیعہ حضرات ماہ محرم میں چھریاں مارتے ہیں رسول اللہ نے چھریاں مارنے سے منع کہاں کیا ہے۔ شیعہ اپنی اذان میں اشهدان عليا ولى الله کہتے ہیں آپ اپنی اذان میں یہ الفاظ نہیں کہتے ان الفاظ کی ممانعت کا ثبوت دیں کہ رسول اللہ نے منع فرمایا ہے۔

آپ لوگ تہجد کی اذان نہیں کہتے اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔

نماز جنازہ میں آپ اذان اور تکبیر نہیں کہتے اس کی ممانعت کا ثبوت پیش کریں نماز میں ایک رکعت میں دو سجدے کیے جاتے ہیں اگر کوئی تین کر لے تو منع کہاں ہے۔ عید کی نماز کے لیے آپ اذان و تکبیر نہیں کہتے اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔

آپ صبح کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔

حضرات گرامی اس طرح کے ہزاروں سوالات پیش کیے جا سکتے ہیں مگر سمجھانے کے لیے ان چند پر ہی اکتفا کرتا ہوں اب یہ بات یقیناً واضح ہوگئی کہ ثبوت ممانعت کا نہیں ہوتا بلکہ ثابت کرنے کا ہوتا ہے۔

البتہ مجموعی طور پر بدعات کی ممانعت پر کافی احادیث موجود ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من احدث في امرنا هذا ما ليس منهُ فهو رد)) (بخاری ٢٦٩٧)

''جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے طریقہ پر نہیں وہ عمل مردود ہے۔

صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

((من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد))

''جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے طریقہ پر نہیں تو وہ عمل مردود ہے۔''

لہٰذا ان احادیث میں دین میں کسی طرح کا بھی اضافہ کرنے کی ممانعت ہے اہل ایمان کو چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی کامل شریعت میں نہ کمی کریں نہ اضافہ اور قرآن وسنت کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں اس میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے اللہ عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین

مغالطہ نمبر ۴:

بعض بریلوی حضرات یہ بھی سوال کرتے ہیں کہ قرآن پر اعراب بھی تو رسول اللہ ﷺ کے دور میں نہیں تھے حجاج بن یوسف نے لگوائے تھے لہٰذا یہ بھی بدعت ہے؟

الجواب: میں کہتا ہوں کہ حجاج کے دور میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم بقیہ حیات تھے اگر یہ کام بدعت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور اعتراض کرتے مگر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا گویا کہ یہ اجماعی مسئلہ تھا یہ خود حجت ودلیل ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اعراب کو بدعت قرار دینا محض جہالت ہے رسول اللہ ﷺ خود قرآن پڑھتے تھے اور اعراب بھی پڑھتے کیونکہ بغیر اعراب کے کوئی عربی عبارت پڑھ ہی نہیں سکتا حجاج نے اعراب جگائے جو رسول اللہ پڑھا کرتے تھے۔

لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اعراب خود پڑھے ہیں یہ بدعت کیسے ہو سکتے ہیں یہ چند

مغالطے تھے جو بریلوی عوام میں خاص طور پر مشہور ہیں جن کو اپنے موقف کی دلیل بنا کر پیش کرتے ہیں مگر آپ نے دیکھ لیا کہ ان مغالطوں میں ایک بات بھی ان کے موقف کی دلیل نہیں بنتی۔ حقیقی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت میں شدید اختلاف ہے مثلاً مولانا امیر الدین نے سیرت طیبہ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت ۵ ربیع الاول کو ہوئی۔ (سیرت طیبہ ص ۷۶)

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جمہور قول یہ ہے کہ آٹھ ربیع الاول کو آنحضرت کی ولادت ہوئی۔ (زاد المعاد ص ۶۸)

برصغیر کے اکثر سیرت نگاروں نے ۹ ربیع الاوّل کو یوم ولادت قرار دیا ہے۔ قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی موسم بہار دوشنبہ کے دن ۹ ربیع الاوّل کو پیدا ہوئے۔ (رحمۃ للعالمین ص ۴۷)

سید اکبر شاہ نجیب آبادی فرماتے کہ ۹ ربیع الاوّل ۵۷۱ء بروز سوموار بعد از صبح صادق اور قبل از طلوع آفتاب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے۔ (تاریخ اسلام حصہ اول ص ۴۷)

شاہ معین الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ کی وفات کے چند مہینوں بعد عین موسم بہار اپریل ۵۷۱ء ۹ ربیع الاوّل کو عبداللہ کے گھر فرزند تولد ہوا بوڑھے اور زخم خوردہ عبدالمطلب پوتے کی پیدائش کی خبر سن کر گھر آئے اور نومولود کو خانہ کعبہ لیجا کر اس کے لیے دعا مانگی۔ (تاریخ اسلام حصہ اول صفحہ ۲۵)

چوہدری افضل حق نے اپنی کتاب محبوب خدا میں لکھا ہے کہ آپ ۹ ربیع الاوّل کو پیدا ہوئے۔ (محبوب خدا صفحہ ۲۰)

حفیظ الرحمٰن سوھاروی نے قصص القرآن جلد ۴ میں ۹ ربیع الاوّل کو پیدائش کا دن ٹھہرایا ہے:

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ماہ ربیع الاوّل کی دس راتیں گزری تھیں کہ دوشنبہ کے دن رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ص ۱۰۰)

محمود احمد رضوی بریلوی فرماتے ہیں کہ واقعہ فیل کے پچپن روز بعد ۱۲ ربیع الاوّل مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو حضور ﷺ کی ولادت ہوئی۔

پیر کرم شاہ بھیروی لکھتے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاوّل کو حضور ﷺ رونق افروز گیتی ہوئے

(ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۲۵)

شیعہ کے نزدیک نبی ﷺ کی پیدائش کا دن ۱۷ ربیع الاوّل ہے۔

چنانچہ نجم الحسن کراروی نے اپنی کتاب چودہ ستارے کے صفحہ ۲۸۔۲۹ پر نبی ﷺ کی پیدائش کا دن ۹ ربیع الاوّل ذکر کیا ہے۔

اسی طرح مسعود رضا خاکی نے مضمون چودہ معصومین میں لکھا ہے کہ فقہ جعفریہ کے علماء کے نزدیک طے شدہ تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاول ہے۔

(البشر ماہنامہ لاہور ھادی انسانیت نمبر فروری ۱۹۸۰ ص ۵۰)

پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ولادت کا دن ۱۰ محرم ہے۔

(غنية الطالبين ص ۱۲۱ باب يوم عاشوره)

پیر صاحب کے نام کے وظیفے کرنے والوں کو اوران کے نام کی کھیر کھانے والوں کو پیر صاحب کی بات پر یقین کر کے جشن عید میلاد النبی کا جلوس ۱۰ محرم کو نکالنا چاہیے۔

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سیرت النبی حصہ اول میں تاریخ ولادت ۹ ربیع الاوّل کو قرار دیا ہے مصر کے مشہور ریاضی دان محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے ریاضی کے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاوّل دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی۔ (سیرت النبی جلد ا ص ۱۷۱)

علامہ صفی الرحمان محدث مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں شعب بنی ہاشم کے اندر ۹ ربیع الاوّل سال عام الفیل یوم دوشنبہ کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔

(الرحیق المختوم صفحہ ۱۰۱)

زبیر بن بکار کے نزدیک آپ کی پیدائش کا دن ۱۲ رمضان ہے۔

(الاستعاب لابن عبدالبر ، ج ا ص: ۳۰)

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ۸ ربیع الاول رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا دن قرار دیا ہے۔

(ماثبت بالسنۃ ص۵۷ از شاہ عبدالحق محدث دہلوی)

تاریخ پیدائش میں اختلاف ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے یوم ولادت پر جشن عید میلاد النبی نہیں منایا جاتا تھا ورنہ عید کی تاریخ میں اتنا اختلاف نہیں ہوتا۔ جس طرح شریعت اسلامیہ میں دو عیدیں ہر سال منائی جاتی ہیں رسول اللہ کے دور سے لے کر آج تک ایک دو دن کا اختلاف ہو جائے تو الگ بات ہے وگرنہ مہینوں اور ہفتوں کا اختلاف کبھی نہیں ہوا۔

البتہ ۱۲ ربیع الاوّل کے یوم وفات پر جمہور مورخین اور سیرت نگاروں کا اتفاق ہے۔

علامہ سید سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ یوم دوشنبہ وقت چاشت تھا کہ جسم اطہر سے روح انور نے پرواز کیا اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۶۳ سال قمری پر ۴ دن تھی۔ (رحمۃ اللعالمین صفحہ ۲۹۳)

مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی فرماتے ہیں دو پہر کے قریب روز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو اس دار فانی سے آپ ﷺ نے انتقال فرمایا اگلے دن سہ شنبہ کے قریب مدفون ہوئے۔

(تاریخ اسلام جلد اوّل صفحہ ۲۰۳)

اور احمد رضا خان بریلوی نے بھی ملفوظات میں ۱۲ ربیع الاوّل کو وفات تسلیم کیا ہے۔

مولوی محمد عمر اچھروی بریلوی نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ کو پیدا فرمایا تو بارھویں تاریخ مقرر کر کے اور آپ کا وصال ہوا تو مہینہ ربیع الاوّل بارہویں تاریخ مقرر کر کے۔

(مقیاس حنفیت ص ۶۹)

اور آگے لکھتا ہے اور آیت کا ظاہر اور سیاق وسباق اس بات پر دال ہے کہ بارھویں تاریخ نبی ﷺ کے وصال کی ہے۔ (مقیاس حنفیت ص ۷۰)

بلکہ تمام بریلوی علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ اسی تاریخ کو پیدا ہوئے اور اسی تاریخ کو فوت ہوئے۔

اگر ایک بچہ اُسی تاریخ کو پیدا ہوا اور اُسی تاریخ کو فوت ہو تو خوشی ہوگی کہ غم! اگر خوشی مانتے ہو تو جانے کا غم کیوں نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو شدید غم پہنچا تھا۔

انڈیا پاکستان میں آج سے کچھ عرصہ پہلے یہ دن ۱۲ وفات کے نام سے مشہور ومعروف تھا اس بات کی تصدیق آپ اپنے بڑے بوڑھے بزرگوں سے بھی کر سکتے ہیں اور ویسے بھی دنیاوی قاعدے کے اعتبار سے اگر کوئی شخص کسی تاریخ کو پیدا ہوا ہو اور پھر اسی تاریخ کو فوت ہو جائے تو اس شخص کے عزیز واقارب اس دن کو کبھی خوشی نہیں منائیں گے۔

میرے برادر ۱۲ ربیع الاول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن ہے تاریخ سے معلوم ہو جانے کے بعد بھی کیا یہ دن ہمارے لیے خوشی کا رہ جاتا ہے اس دن کے غم کا پتہ تو صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کو تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض کی شدت سے بے ہوش ہو گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے روتے ہوئے کہا! افسوس میرے ابا کو بہت تکلیف ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے بعد تیرے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں اے ابا جان اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمالی ہے اے ابا جان آپ کا ٹھکانا جنت الفردوس ہے اے ابا جان ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر جبریل علیہ السلام کو سناتے ہیں پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دفن کر دیے گئے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا اے انس رضی اللہ عنہ تمہارے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالنے کے لیے کس طرح آمادہ ہو گئے تھے۔

(بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی و وفاتہ حدیث ٤٤٦٢)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تو غم سے نڈھال تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد وفات پا گئیں تھی اور مولوی اس دن ڈھول بجا کر چمٹے بجا کر خوشی منا رہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس مدینہ تشریف لائے اس دن سے پہلے میں نے مدینے کو اتنا خوبصورت کبھی نہیں دیکھا تھا اور جس دن یعنی ۱۲ ربیع الاوّل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اسے زیادہ تاریک دن میں نے کبھی پہلے نہیں دیکھا۔ (مشکوۃ صفحہ ۵۴۷ ج ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دن فوت ہوئے وہ ۱۲ ربیع الاوّل کا دن تھا یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جشن عید میلا النبی منایا تھا ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

جنازہ مبارک قبر میں دفن ہو رہا تھا تو کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جشن عید میلاد النبی کا جلوس نکال کر قوالیاں گا کر اور رقص وسرور سے خوشی منا رہے تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں رو رہے تھے یہ فیصلہ اپنے ضمیر سے لینا......!

غور فرمائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی نبوت کے بعد ۲۳ مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ۱۲ ربیع الاوّل کا دن آیا انہوں نے اپنی ولادت کا دن نہیں منایا اس کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت رکھنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ۱۱ھ سے ۱۳ھ تک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ رہے دو مرتبہ ان کی زندگی میں یہ دن آیا ۱۳ھ سے ۲۴ھ تک دس مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ دن آیا ۲۴ھ سے ۳۵ھ تک حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں گیارہ مرتبہ یہ دن آیا ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک پانچ مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ دن آیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آخری صحابی ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے اس وقت تک نہ تو کسی صحابی رضی اللہ عنہم نے یہ دن منایا اور نہ ہی خلفاء الراشدین میں سے کسی نے حالانکہ وہ سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے تھے خود بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یوم پیدائش پر نہ کبھی مدینے کی گلیوں کو سجایا نہ سجانے کا حکم دیا نہ جھنڈیاں لگانے کا اہتمام کیا نہ مساجد میں چراغاں کیا نہ سجانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد نہ یہ کام صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیے نہ تابعین رحمۃ اللہ علیہم نہ بعد میں آنے والے لوگوں نے اور نہ ہی چاروں اماموں نے مثلاً:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے ۲۰۴ھ میں فوت ہوئے۔

امام حنبل رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے۔

ان میں سے کسی امام نے بھی سرور کائنات کی ولادت پر جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں منایا کیا یہ ائمہ آپ کی ذات اقدس سے محبت نہ کرتے تھے یا ان کو پوری زندگی مسئلہ ہی سمجھ نہ آیا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کے دن کا روزہ رکھتے تھے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پیر کے دن روزے کی بابت پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دن میری پیدائش کا دن ہے اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل ہوا۔ (مسلم شریف، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام حدیث: ۲۷۵۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیدائش کے دن روزہ رکھ کر یہ بتایا کہ میری پیدائش کے دن کو کوئی شخص عید کا دن نہ بنائے کیوں کہ عید کے دن روزہ نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ دونوں عیدوں کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی۔

(صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم النحر حدیث: ۱۹۹۳)

اب کام ایک ہی ہوگا اگر روزہ ہے تو عید نہیں، عید ہے تو روزہ نہیں۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس دن روزہ رکھیں مگر ہم اس کے مخالف دیگیں پکائیں اور تقسیم کریں حلوے پکائیں پوریاں کھلائیں۔ حالانکہ محبت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلنے اتباع کرنے کا نام ہے۔

احمد رضا خان بریلوی کا قیام میلاد کے بارے میں عقیدہ:

فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بندر کو قیام کرتے دیکھا۔ میں اپنے پرانے مکان میں جس میں میرے منجھلے بھائی مرحوم رہا کرتے تھے مجلس میلاد پڑھ رہا تھا کہ ایک بندر سامنے دیوار پر مؤدب بیٹھا سن رہا تھا جب قیام کا وقت آیا تو وہ مؤدب بیٹھا سن رہا تھا جب قیام کا وقت آیا تو وہ مؤدب کھڑا ہوگیا پھر جب ہم بیٹھے وہ بھی بیٹھ گیا وہ بندر وھابی نہ تھا۔ (ملفوظات حصہ چہارم ص ۳۶۲)

وہ قیام کرنے والا اور میلاد سننے والا بلاشبہ بندر ہی تھا وھابی نہ تھا ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کبھی انکار نہیں ہوا کہ جناب کے سامعین بندر اور قیام کرنے والے بندر ہرگز وھابی نہ ہوا کرتے تھے یہ عبادت جو بندر کرتے ہیں اللہ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

غور وفکر کرنے کے لیے چند سوالات پیش خدمت ہیں توجہ فرمائیں۔

① کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کو عید کے طور پر منایا؟

② کیا یہ دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن ہے یا وفات کا؟

③ کیا رسول اللہ ﷺ نے اس دن کو عید میلاد النبی کا نام دے کر منایا یا منانے کا حکم دیا؟

کیا رسول اللہ ﷺ نے نبوت سے پہلے چالیس سالہ زندگی میں کبھی یوم پیدائش پر جشن منایا؟ کیا آپ ﷺ نے اپنی ۲۳ سالہ نبوت والی زندگی میں جشن عید میلاد النبی منایا؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی یوم ولادت پر جشن عید میلاد النبی منانے کا حکم دیا؟ میرے بھائیو! کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دن کیسے منایا ہوگا اگر نہیں سوچا تو مرنے سے پہلے تعصب کی عینک اتار کر فرقہ پرستی کے بھوت کو سر سے اتار کر اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کو سینے میں بسا کر اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم کی دعا مانگ کر ایک دفعہ ضرور سوچیں کیا یہ دن خوشی کا ہے یا غم میں ڈوبا ہوا ہے؟

یہ بات یاد رکھیں جو کام رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے وہ کام سنت ہے اور جو نہیں کیا وہ نہ کرنا سنت ہے جو کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا وہ کام کرنا سنت اصحاب رسول ﷺ ہے، جو کام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کیا وہ کام نہ کرنا سنت اصحاب رسول ﷺ ہے۔

کیا آپ بھول گئے کہ حضور اکرم ﷺ کے وفات والے دن مدینہ طیبہ میں قیامت صغریٰ برپا تھی۔

عید میلاد النبی کی تاریخ کب شروع ہوئی؟

میلاد النبی کی عید منانے کا آغاز ملک المعظم مظفر الدین کوکبوری نے کیا یہ شخص ۵۸۶ھ میں شہر اربل کا گورنر مقرر ہوا اور ۶۰۴ھ میں اس نے محفل میلاد کا آغاز کیا تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے کہ شاہ اربل مجلس مولود کو ہر سال نہایت شان وشوکت سے مناتا تھا جب اربل شہر کے اردگرد والوں کو خبر ہوئی کہ شاہ اربل نے ایک مجلس قائم کی ہے جس کو بڑی عقیدت اور شان وشوکت سے انجام دیتا ہے تو بغداد موصل جزیرہ سجاوند اور دیگر بلاد عجم سے گویے شاعر اور واعظ بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے ناچ گانے کے آلات لے کر محرم ہی سے شہر اربل میں آنا شروع ہو جاتے قلعہ کے نزدیک ہی ایک ناچ گھر تیار کیا گیا تھا جس میں کثرت سے قبے اور خیمے تھے شاہ اربل ان خیموں میں آتا گانا سنتا اور کبھی کبھی مست ہو کر ان گویوں کے ساتھ خود بھی رقص کرتا تھا۔ (تاریخ ابن خلکان ج ۳ ص ۲۷۴)

چھ سو سال بعد شروع ہونے والا کام کیسے شریعت محمدی میں داخل ہو سکتا ہے قرون اولیٰ میں تو عید میلاد النبی کا نام ونشان بھی نہیں تھا ہم اسے دین کیسے مان لیں۔ اگر یہ کام کار ثواب ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے کرنے کی ترغیب دلاتے پھر تابعین رحمۃ اللہ علیہم اس پر عمل کرتے پھر اس کے بعد میں آنے والے کرتے پھر چاروں امام کرتے۔ مگر کسی نے بھی اس کار خیر میں حصہ نہیں لیا ایک طرف لوگ کہتے ہیں کہ مقلدین کے لیے قول امام دلیل ہے مگر اس مسئلہ میں نہ جانے یہ لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کیوں بھولے ہوئے ہیں۔ کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی فقہ حنفی کی کتابیں اس مسئلہ میں بالکل خاموش ہیں ہمیں تو تلاش کرنے کے باوجود بھی کوئی دلیل نہیں ملی خالی الذہن ہو کر مذہبی تعصبات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے فرقہ واریت سے بالاتر ہو کر سوچیں کہ یہ میلاد کا جلوس اور اس کے اندر پائی جانے والی منکرات یہ ریڑھے تانگے گدھے گاڑیاں یہ رقص وسرور یہ گتکا بازی بیت اللہ کے جعلی ماڈل بنانا میوزک کے ساتھ قوالیاں یہ سب کچھ کس شریعت سے لیا گیا ہے؟

قرآن مجید سے محفل میلاد پر پیش کئے جانے والے دلائل کے جوابات جن کا نفس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں مگر عام طور پر پیش کیے جاتے ہیں اس لیے ان کے جوابات تحریر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

﴿رَبَّنَآ أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَءَاخِرِنَا﴾

(۵/ المائدہ:۱۱٤)

''اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما کہ وہ ہمارے لیے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد میں ہیں سب کے لیے خوشی کی بات ہو جائے۔''

معلوم ہوا کہ مائدہ کے آنے سے ان کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دن بنایا آج بھی اتوار کو عیسائی اس لیے عید مناتے ہیں کہ اس دن دستر خوان اترا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اس مائدہ سے بڑھ کر نعمت ہے لہٰذا ان کی ولادت کا دن بھی یوم عید ہے۔

الجواب: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اقدس میں یہ آیت مبارکہ قرآن میں موجود تھی یا نہیں اگر موجود تھی اور حقیقت بھی یہی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کرتے

ہوئے جشن عید میلا دالنبی منایا تھا؟

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں قرآن میں یہ آیت موجود تھی یا نہیں اگر تھی تو انہوں نے اس آیت پر عمل کرتے ہوئے جشن عید میلا دالنبی منایا کیسے اور کب صرف ایک حدیث پیش کریں؟ پھر اسلامی شریعتوں میں عید کا مطلب یہ نہیں رہا ہے کہ قومی تہوار کا ایک دن ہو جس میں تمام اخلاقی قیود اور شریعت کے تمام ضابطوں کو پامال کرتے ہوئے بے ہنگم طریقے سے طرب و مسرت کا اظہار کیا جائے چراغاں کیا جائے جشن منایا جائے جیسا کہ آج کل یہی مفہوم سمجھ لیا گیا ہے اور اسی کے مطابق تہوار منائے جاتے ہیں بلکہ آسمانی شریعتوں میں اس کی حیثیت ایک ملی تقریب کی ہوتی ہے جس کا اہم مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس روز پوری ملت اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرے اور اس کی تکبیر وتحمید کے زمزمے بلند کرے۔ یہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس دن کو عید منانے کی خواہش کا اظہار کیا ہے اس سے انکا مطلب یہی ہے کہ ہم تعریف وتمجید اور تکبیر وتحمید کریں مفتی احمد یار نعیمی بریلوی صاحب جیسے بعض لوگوں نے عید مائدہ سے عید میلا دالنبی کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اول تو یہ ہماری شریعت سے پہلی شریعت کا واقعہ ہے جسے اگر اسلام برقرار رکھنا چاہتا تو وضاحت کردی جاتی۔ دوسرے یہ کہ پیغمبر کی زبان سے عید منانے کی خواہش کا اظہار ہوا تھا اور پیغمبر بھی اللہ کے حکم سے شرعی احکام بیان کرنے کا مجاز ہوتا ہے دوسری بات کہ مائدہ کے نازل ہونے کی بھی کوئی مضبوط روایت موجود نہیں ہے اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مروجہ جشن عید میلا دالنبی کی طرح جشن عید مائدہ منایا نہ ہی گدھے اور بیل گاڑیوں کو سجایا نہ جلوس نکالا بالفرض اگر ایسا ہوتا تو پھر بھی ہمارے لیے دلیل نہ تھا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے۔

بریلوی مکتبہ فکر کے مشہور عالم دین پیر کرم شاہ بھیروی فرماتے ہیں کہ اولنا وآخرنا سے مراد یہ ہے کہ جو مائدہ کے نازل ہونے سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور جو بعد میں ایمان لائیں گے یہ سب کے لیے فرحت اور شادمانی کا دن ہوگا۔ (ضیاء القرآن ج ا ص ۵۲۳)

کرم شاہ صاحب کی عبارت سے ثابت ہوا کہ آیت مبارکہ کے مخاطب عیسائی ہی ہیں

اور عمل نصاری سے دلیل پکڑنا کم فہمی کی دلیل ہے کیونکہ یہ شریعت منسوخ ہو چکی ہے ان کے قول وفعل کو پکڑنے کے لیے نبی اکرم ﷺ کی تصدیق ضروری ہے اگر بغیر تصدیق ہی منہ اٹھا کر ان کے پیچھے چلنا شروع کر دیا تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ﴾ (۳/ آل عمران:۱٤۹)

''اے ایمان والو اگر تم کافروں کا کہا مان لو گے تو وہ تم کو الٹے پاؤں پھیر دینگے پھر تم بڑے خسارے میں پڑھ جاؤ گے۔''

جناب عیسیٰ علیہ السلام سے جشن منانا گھوڑے سجانا گلیوں بازاروں میں جھنڈیاں لگانا شور وغل کرنا نعرے بازی کرنا جلوس نکالنا یہ قرآن کی کس آیت یا حدیث سے ثابت ہے اگر نہیں ہے تو خدارا قرآن میں تحریف معنوی نہ کریں۔

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا کہ کفار کے پیچھے چلنا اور ان کی باتوں پر عمل کرنا جس کی رسول اللہ ﷺ نے تصدیق نہیں فرمائی خسارے کا موجب اور عذابِ دردناک کو دعوت دینا ہے۔

اگر ہر نعمت کے اظہار اور انعام پر عید منانا تسلیم کر لیا جائے تو پھر عیدوں کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات تو بے شمار ہیں ان کو کوئی شمار ہی نہیں کر سکتا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا﴾ (۱٤/ سورہ ابراھیم:۳٤)

''اگر تم اللہ کی نعمت شمار کرو تو اسے شمار نہ کر پاؤ گے۔''

عیدوں کا بھی کوئی شمار نہ ہوگا ہر روز عید جشن مناتے رہیں کیا اس آیت میں جس کا معنی احمد یار نعیمی سے نقل کیا ہے اس میں کون سے الفاظ کا معنی ہے کہ صرف سال بعد ایک دن عید منائی جائے؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو قرآن وحدیث کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور نبی ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی اطاعت کرنے کی توفیق دے اور قرآن مجید کو سنت کی روشنی میں سمجھنے کی توفیق دے آمین۔

دوسری دلیل:

﴿ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴾ ۹۳/ الضحیٰ:۱۱)

''اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔''

حضور علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس پر احسان جتایا ہے اس کا چرچا کرنا اسی آیت پر عمل ہے۔ (جاء الحق صفحہ ۲۲۰)

الجواب: پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت کا جشن عید میلا دالنبی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

غور فرمائیں کہ بریلوی مفتی احمد یار نعیمی نے کس طرح آیت قرآنی کو اپنے خود ساختہ مذہب وعقیدے کی طرف پھیرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

اس آیت میں کونسا لفظ ہے جس کا معنی ہے جشن مناؤ عید مناؤ جلوس نکالو اگر اس آیت مبارکہ کا یہی مطلب ہے جو احمد یار نعیمی بریلوی نے نکالا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بریلوی حضرات اس آیت پر سال میں صرف ایک مرتبہ جشن عید میلاد منا کر عمل کرتے ہیں اور سال کے باقی دنوں میں ان کا اس آیت پر عمل کیوں نہیں ہوتا؟ کچھ تو خدا کا خوف کیجئے یہاں تحدیث نعمت کا ذکر ہے نا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت پر عید منانے اور جلوس نکالنے کا۔ اس آیت کا مطلب صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے جو سمجھا ہے وہ یہ ہے چنانچہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مہاجرین نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار سارے کا سارا اجر لے گئے فرمایا نہیں جب تک کہ تم ان کے لیے دعا کیا کرو اور ان کی تعریف کرتے رہو۔ ابوداؤد میں ہے کہ اس نے خدا کی شکر گزاری نہیں کی جس نے لوگوں کی شکر گزاری نہ کی۔ ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے جسے کوئی نعمت ملی اور اس نے اسے بیان کیا تو وہ شکر گزار ہے اور جس نے اُسے چھپایا اس نے ناشکری کی، ایک اور روایت میں ہے کہ جسے کوئی عطا دی جائے اسے چاہیے کہ اگر ہو سکے تو بدلہ اتار دے اگر نہ ہو سکے تو اس کی ثناء بیان کرلے، جس نے ثناء کی وہ شکر گزار ہوا اور جس نے اس نعمت کا اظہار نہ کیا اس نے ناشکری کی۔ (ابوداؤد)

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں نعمت سے مراد نبوت ہے ایک روایت میں ہے کہ

قرآن مراد ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جو بھلائی کی باتیں آپ کو معلوم ہیں وہ اپنے بھائیوں سے بھی بیان کرو محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو نعمت وکرامت نبوت کی تمہیں ملی ہے اسے بیان کرو اس کا ذکر کرو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۵ صفحہ ۵۶۵)

بریلوی مفتی احمد یار نعیمی نے اس آیت کو بھی پیش کر کے اپنے خودساختہ جشن میلاد کی دلیل بنانے کی ناکام کوشش کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ﴾ (۵/ المائدہ:۷)

''تم پر اللہ کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں انہیں یاد کرو۔''

اور حضور کی تشریف آوری اللہ کی بڑی نعمت ہے میلاد پاک میں اس کا ذکر ہے لہٰذا محفل میلاد کرنا اس آیت پر عمل ہے۔ (جاء الحق صفحہ ۲۲۰)

الجواب: نعمت کا یاد کرنا نعمتوں کی محفل میلاد منانا ہرگز نہیں ہوتا اگر نعمت کو یاد کرنے کا مطلب یہ ہو کہ نعمتوں پر میلاد منایا جائے تو اس آیت کا مطلب کیا ہوگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ ﴾ (۲/ البقرہ:۴۰)

''اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی۔''

تو کیا اس آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کی محفل میلاد مناؤ یا نعمتوں کا جلوس نکالو پھر ہی نعمتوں کا تذکرہ ہوگا مفتی احمد یار بریلوی کا قیاس تب ہی درست ہو سکتا ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ ذکر کرنے کا مطلب محفل میلاد منانا ہے تو پھر قرآن کی اس آیت کا مطلب کیا ہوگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۴۱)

''اے اہل ایمان اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو۔''

ذرا سوچئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں تابعین اتباع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے دور میں یہ آیات قرآن میں موجود نہ تھیں کیا کسی صحابی یا تابعی نے ان آیات کا یہ مطلب جو بریلوی حضرات نکال رہے ہیں نکالا؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جشن

میلاد النبی کا جلوس نکالا؟ مدینے یا مکے کے بازاروں کو سجایا؟ اگر نہیں تو پھر کیا انہوں نے ان آیات پر عمل نہیں کیا جو عمل آپ بتا رہے ہیں یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان آیات کا مطلب ہی نہیں سمجھ پائے جو بریلوی علماء نے چودہ سو سال بعد سمجھا اگر ہر نعمت پر عید منانا شروع کر دیا جائے تو نعمتوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ﴾ (١٤/ ابراهيم: ٣٤)

''اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے۔'' (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی)

اگر ہر نعمت وانعام پر عید منانا شروع کر دیا جائے تو عیدوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا کیونکہ انعامات واحسانات رب العالمین کے بے حد اور بے شمار ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا ہے اسلام میں تحدیث نعمت کا طریقہ بھی بتا دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴾ (١٦/ النحل: ١١٤)

''پس اللہ نے جو تم کو حلال رزق دیا ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو اگر اسی کی عبادت کرتے ہو۔''

معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا آیت کا جشن عید میلاد سے کوئی واسطہ نہیں یہ خود ساختہ تشریحات ہیں۔

احمد یار نعیمی بیان کرتے ہیں کہ میلاد سنتِ انبیاء بھی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا ﴾ (١٠/ يونس: ٥٨)

''اللہ کے فضل ورحمت پر خوشیاں مناؤ۔''

معلوم ہوا کہ فضل الٰہی پر خوشی منانا حکم الٰہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کا فضل بھی ہیں اور رحمت بھی لہٰذا ان کی ولادت پر خوشی منانا اسی آیت پر عمل ہے اور چونکہ یہاں خوشی مطلق ہے لہٰذا ہر جائز خوشی اس میں داخل ہے لہٰذا میلاد کرنا وہاں کی زیب وزینت سج دھج وغیرہ سب باعث ثواب ہیں۔ (جاء الحق صفحہ ۲۲۲)

الجواب: مفتی صاحب نے اپنی حسب عادت یہاں پر بھی اپنی مرضی کا ترجمہ کیا ہے وگرنہ فرح کا معنی خوب خوشیاں مناؤ ہرگز نہیں بنتا بلکہ اس کا معنی فقط خوشی ہے۔اس کا تعلق انسان کے دل سے ہے کہ جب کسی نعمت پر خوش ہو تو اللہ کا شکر ادا کرے تو اسے عربی میں فرح کہتے ہیں اس طرح قرآن مجید کے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَرِحِينَ بِمَآ ءَاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ ﴾ (۳/ آل عمران:۱۷۰)

''جو کچھ اللہ نے ان کو دیا اپنے فضل سے اس میں خوش ہیں۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ فَرِحَ ٱلْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ ﴾ (۹/ التوبہ:۸۱)

''پیچھے رہ جانے والے اس پر خوش ہوئے۔''

کیا منافقین نے اس پر جشن عید منائی؟

دوسرے مقام پر فرمایا کہ اگر ہم انسان کو نعمت دیکر چھین لیں تو وہ ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر کسی مصیبت کے بعد دنیاوی نعمت عطا کر دیں تو:

﴿ إِنَّهُۥ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ﴾ (۱۱/ هود:۱۰)

''بیشک وہ خوش ہونے والا بڑائی مارنے والا ہے۔'' (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی)

کیا اس آیت مبارکہ کی روح سے انسان نعمت ملنے پر جشن عید مناتا ہے؟ ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴾ (۳۰/ الروم:۳۲)

''سب گروہ اسی پر خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔''

تو کیا یہاں بھی فرحت سے جشن عید منانا ہی تسلیم کرینگے؟ کیا واقعی ہر فرقہ ہر سال جو اس کے پاس ہے اس پر جشن عید مناتا ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کے دور میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ آیات قرآن مجید موجود نہ تھیں اگر موجود تھیں اور یقیناً تھیں تو انہوں نے ان آیات پر عمل کیوں نہ کیا جس طرح بریلوی حضرات کرتے ہیں؟

ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ﴾ (٤٢/ شوریٰ:٤٨)

''اور جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس سے خوش ہو جاتا ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا ﴾ (١٣/ الرعد:٢٦)

''اور کافر لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو رہے ہیں۔''

کیا کافر لوگ دنیاوی زندگی پر جشن عید مناتے ہیں جلوس نکالتے ہیں؟

ایک جگہ یہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا ﴾ (١٠/ یونس:٢٢)

''اور وہ اچھی ہوا انہیں لے کر چلیں اور اس پر خوش ہوئے۔'' (احمد رضا خان بریلوی)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ ﴾

(٤٠/ المومن:٨٣)

''تو جب ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لائے تو وہ اسی پر خوش رہے جو ان کے پاس دنیاوی علم تھا۔'' (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی)

کیا انہوں نے اپنے دنیاوی علم پر جشن عید منایا جلوس نکالے؟

﴿ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا ﴾ (٦/ الانعام:٤٤)

''یہاں تک جب وہ خوش ہوئے اس پر جو ان کو ملا۔''

ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴾ (٢٨/ سورۃ القصص آیت٧٦:)

''بے شک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

قرآن کریم کے مذکورہ مقامات پر فرحوا کے لفظ کا معنی عید منانا کیا جا سکتا۔ مفتی احمد یار کا خودساختہ ترجمہ ''عید کرنا'' اپنی طرف سے اختراع اور من گھڑت ہے اگر نہیں تو مفتی صاحب

کے ماننے والے ان مذکورہ مقامات کا ترجمہ بھی عید منانا کریں۔ وگرنہ اللہ سے توبہ کریں اور اپنے من گھڑت مسائل کو ثابت کرنے کے لیے قرآن میں تحریف معنوی کرنے سے اللہ کا خوف کھائیں یہ حلوے مانڈے صرف چند دنوں کی بات ہے آخر اس دنیا کو چھوڑ کر اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اُس وقت ہماری کیا حالت ہوگی۔ اکثر لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے نعت پڑھتے ہوئے کہتے ہیں۔

تیرا کھاواں تے تیرے گیت گاواں یا رسول اللہ
تیرا میلاد میں کیوں نہ مناواں یا رسول اللہ

مسلمانو غور کرو تم سب کس کا کھاتے ہو انبیاء علیہم السلام کس کا کھاتے تھے؟

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝ ﴾

(/ سوره النمل: ٦٤)

”کون ہے جس نے مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کیا؟ پھر اس کو لوٹائے گا اور کون ہے جو تم کو رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے کیا کوئی اللہ کے ساتھ اور بھی الٰہ ہے کہہ دیجئے اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ (١١/ هود:٦)

”اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔“

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِیَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۝ ﴾ (٣٤/ سبا:٢٤)

”(اے میرے نبی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہیں کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے

کون رزق دیتا ہے اور آپ ہی کہہ دیں کہ اللہ ہی رزق دیتا ہے اور ہم یا تم سیدھے رستے پر ہیں یا صریح گمراہی میں۔''

اسی طرح قرآن کریم میں سینکڑوں آیات ہیں جن میں صاف فرمایا گیا ہے کہ رزق دینے والا صرف اللہ ہی ہے ان آیات کی روشنی میں اپنی مذکورہ نعت کا جائزہ لیں اور اللہ سے ڈریں اور اللہ کا کھا کر اسی کا شکر یہ کریں انبیاء کرام علیہم السلام بھی اُسی کا دیا ہوا کھاتے تھے۔

ابولہب کے خواب کی حقیقت:

بریلوی مفتی احمد یار خان فرماتے ہیں کہ کفار نے بھی ولادت پاک کی خوشی منائی تو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کر لیا چنانچہ جب ابولہب مر گیا تو اس کو اس کے گھر والوں نے خواب میں بُرے حال میں دیکھا پوچھا کیا گزری۔ ابولہب بولا کہ تم سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہ ہوئی۔ ہاں مجھے اس کلمے کی انگلی سے پانی ملتا ہے۔ کیونکہ میں نے ثویبہ لونڈی کو آزاد کیا تھا بات یہ تھی کہ ابولہب عبداللہ کا بھائی تھا اس کی لونڈی ثویبہ نے اس کو خبر دی کہ آج تیرے بھائی عبداللہ کے گھر فرزند محمد ﷺ پیدا ہوئے تو اس نے خوشی میں اس لونڈی کو انگلی کے اشارے سے کہا کہ جا تو آزاد ہے یہ سخت کافر تھا جس کی برائی قرآن میں آ رہی ہے مگر اس خوشی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا کہ جب وہ دوزخ میں پیاسا ہوتا ہے تو اپنی اُس انگلی کو چوستا ہے تو پیاس بجھ جاتی ہے۔ حالانکہ وہ کافر تھا۔ (جاء الحق صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۴)

الجواب: مفتی احمد یار خان پر مجھے افسوس اور ترس آ رہا ہے کہ عید میلاد کے جواز میں اگر کوئی دلیل ملی ہے تو ابولہب کے عمل سے جو نبی ﷺ کا گستاخ اور بدترین دشمن تھا جس کی ہلاکت اور بدبختی اور بربادی کا ذکر قرآن کریم میں خود رب العالمین نے اس کا نام لے کر کیا ہے:

﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝١﴾ (۱۱۱/ اللھب:۱)

''ٹوٹ گئے ابولہب کے (دونوں) ہاتھ اور نامُراد ہو گیا وہ۔''

حالانکہ ظاہر بات ہے کہ اس کا یہ عمل اس وقت کا تھا جبکہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں آج جس کی پیدائش و میلاد کی خوشی میں لونڈی آزاد کر رہا ہوں وہ بڑا ہو کر نبی و رسول بنے گا اور میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ اس نے جو کیا وہ چچا ہونے کے ناطے کیا پھر اُس نے زندگی

میں صرف ایک بار لونڈی کو آزاد کیا جب آپ کی ولادت ہوئی دوسرے سال تیسرے سال ولادت کے دن لونڈی کو آزاد نہیں کیا صرف لونڈی آزاد کرنے سے جشن عید میلاد النبی کا جلوس نکالنا گلیوں کو سجانا کیسے ثابت ہو گیا اُس نے صرف لونڈی آزاد کی تھی کسی کافر کا عمل ہمارے لیے دلیل نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کافر مشرک گستاخ تھا۔

ایک صاحب مجھے کہنے لگا آپ جشن عید میلاد النبی کیوں نہیں مناتے حالانکہ یہ کام تو ابولہب نے بھی کیا تھا میں نے کہا اسی لیے نہیں مناتے کہ ابولہب نے یہ کام کیا تھا۔ کسی کافر کا عمل ہمارے لیے حجت کیسے ہو سکتا ہے ہمیں منوانا ہے تو دلیل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، عثمان و علی رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لاؤ وگرنہ ابولہب کا عمل آپ کو مبارک ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہمیں مبارک ہو ہمیں سوچنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بے حد محبت کرتے تھے مگر انہوں نے کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم پیدائش پر اپنی لونڈیوں کو آزاد کیوں نہیں کیا؟

کسی کافر کا خواب میں آنا اور اس کا عمل مسلمانوں کے لیے شرعی دلیل کیسے بن سکتا ہے؟

کفار کے اعمال کا ان کو کوئی اجر نہیں ملے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴾ (١٨/ الکهف:١٠٥)

”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کے سامنے جانے سے انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔“

گویا کہ یہ آیات بتا رہی ہیں کہ کافروں کے سارے اعمال برباد ہیں اللہ کے ہاں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اٹھارہ پاکباز نبیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ (٦/ الانعام:٨٨)

”بالفرض اگر یہ انبیاء کرام علیہم السلام شرک کرتے تو ان کے بھی عمل ضائع ہو

جاتے۔"

نبی کریم ﷺ کے متعلق فرمایا:

﴿ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾ (۳۹/ الزمر:٦٥)

"بالفرض آپ ﷺ بھی شرک کریں تو آپ ﷺ کے عمل بھی ضائع ہو جائیں۔"

جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق شرک کرنے کا وہم وگمان بھی نہیں کیا جا سکتا تو ابولہب جس نے ساری زندگی شرک وکفر میں گزاری ہو اور میلاد والے پیغمبر کی مخالفت کرتے ہوئے مر گیا تو ابولہب کی کیا حیثیت ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۚ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴾ (۷/ الاعراف:۵۰)

"اور دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے کہ ہمیں اپنے پانی کا کچھ فیض دو یا اس کھانے کا جو اللہ نے تمہیں دیا۔ کہیں گے بیشک اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا۔" (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی)

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوا کہ جہنمیوں کے لیے پانی حرام ہوگا پانی کا ان کو کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا تو پھر ابولہب کے لیے انگلی سے جہنم میں پانی کیا ایسی کونسی طاقت ہے جو قرآن کے برخلاف ابولہب کو پانی فراہم کر رہی ہے اور اس کو یہ فیض پہنچا رہی ہے۔

قرآن کریم میں ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ﴾ (۷۸/ النباء:۲٤)

"بے شک جہنم تاک میں ہے سرکشوں کا ٹھکانہ اس میں قرنوں (ہمیشہ) رہیں گے اس میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہ پائیں گے اور نہ کچھ پینے کو مگر کھولتا ہوا پانی اور دوزخیوں کا جلتا پیپ جیسے کو تیسا بدلہ۔" (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی)

اس آیت مبارکہ سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ جہنمیوں کو ٹھنڈک کا مزہ اور ٹھنڈا پانی کسی صورت میں نہیں ملے گا بلکہ کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ قرآن مجید کی ان پانچ آیات کے مقابلہ میں

جو روایت ابولہب کے خواب والی بریلوی حضرات پیش کرتے ہیں۔اس کی حیثیت کیا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابولہب دشمن رسول منکر بعثت رسول اول دشمن رسول گستاخ رسول جس نے آپ کو تکلیفیں در تکلیفیں دیں اور اپنے بیٹوں سے نبی ﷺ کو پریشان کیا۔ اس گستاخ رسول ابولہب کو مرنے کے بعد پینے کا ٹھنڈا پانی عطا کیا جائے کیا یہ بات کوئی عقلمند شخص تسلیم کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے دشمن رسول اللہ ﷺ کے متعلق خود فرمایا:

﴿ تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُۥ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ ﴾

''تباہ ہو گئے ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ خود تباہ ہو گیا اسے کچھ کام نہ آیا اس کا مال اور نہ جو کمایا اب دھنستا ہے لپیٹ مارتی آگ میں۔'' (ترجمہ احمد رضا خان)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جشن عید میلاد النبی کا ثبوت اللہ کے قرآن میں نہ رسول اللہ ﷺ کی سنت و فرمان میں موجود ہے ڈیڑھ لاکھ کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت و فرمان میں نہ یہ کام مقلدین حضرات کے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں موجود ہے بس سارا پیٹ پوجا کا چکر ہے

سمجھنے کو تو وہ سب داستان غم سمجھتے ہیں
جو مطلب کہنے والے کا اس کو کم سمجھتے ہیں

بشریت انبیاء علیہم السلام قرآن کی روشنی میں

حفیظ الرحمٰن قادری بریلوی تحریر کرتے ہیں کہ بعض لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں دلیل کے طور پر قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (۱۸/ الکھف:۱۱۰)

''یہ تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔'' (ترجمہ کنز الایمان)

ان کے نزدیک نبی بشر ہے اور بشر نور نہیں ہو سکتا اگر کوئی ایسا عقیدہ رکھے کہ نبی علیہ السلام نور ہیں تو ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ (شرک کیا ہے صفحہ ۶۸)

قارئین محترم قادری بریلوی کے دلائل کا جواب ترتیب وار اس باب کے آخر میں دیا جائے گا۔ پہلے ہم اہل حدیث کا عقیدہ قرآن سے پیش کریں گے کہ تمام انبیاء علیہم السلام بشر ہی تھے کوئی نبی نوری دنیا میں نہیں آیا بلکہ سارے رسولوں علیہم السلام نے اپنے بشر ہونے کا اعلان خود فرمایا:

دلیل نمبر ۱

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ (۱۴/ ابراھیم:۱۱)

''کفار کو رسولوں نے کہا کہ یہ ضرور ہے کہ ہم تمہاری طرح کے بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں بتا دیا گیا کہ بشریت میں تو تمہارے ساتھ شریک ہیں یعنی ہماری جنس اور تمہاری جنس ایک ہے تم بھی انسان ہو اور ہم بھی انسان ہیں مگر آیت کے دوسرے حصے میں امتیاز بیان فرمایا کہ ہم پر اللہ نے احسان فرمایا نبوت ورسالت عطا فرمائی مگر یہ بات یاد رکھیں کہ مقام کے لحاظ سے رسول و نبی کا رتبہ مخلوق میں سب سے زیادہ اونچا ہوتا ہے۔ جس کا عقیدہ یہ ہو کہ نبی علیہ السلام کا مقام میرے مقام کی طرح ہے نبی علیہ السلام کی عزت میری طرح ہے۔

نبی علیہ السلام کی شان میری طرح ہے نبی علیہ السلام کی سیرت وصورت میری طرح ہے نبی کی عظمت میری طرح ہے تو ہمارے عقیدے کے مطابق ایسا انسان مسلمان ہی نہیں بلکہ کافر ہے یہاں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ تمہاری طرح کا بشر ہوں یہ صرف جنس بشریت کے اعتبار سے ہے۔ اکثر لوگ اہل حق پر کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں کہ یہ نبی علیہ السلام کی عزت بڑے بھائی جتنی کرتے ہیں سب جھوٹ اور افتراء ہے وگرنہ کوئی مسلمان اہل ایمان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا کروڑوں بھائی، باپ، ماں، قبیلے، خاندان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی کی خاک کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان جیسی کسی کی شان نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام جیسا کسی کا مقام نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبے جیسا کسی کا رتبہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تمام مخلوقات سے اونچا ہے۔

سنا جس کسی نے کلام محمدؐ
ہوا جان و دل سے غلام محمدؐ
ہوا ہے نہ ہوگا میسر کسی کو
بلند اس قدر ہے مقام محمدؐ
اگر چاہتا ہے کہ خدا تجھ سے خوش ہو
دل و جان سے کر احترام محمدؐ

اس آیت مبارکہ میں تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنے بشر ہونے کا اعلان فرمایا ہے:

اس لیے اہل حدیث نے یہ عقیدہ اپنایا ہے:

دلیل نمبر۲

اللہ تعالیٰ نبوت صرف بشر کو ہی عطا کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (۳/ آل عمران:۷۹)

”کسی بشر کے لیے یہ جائز نہیں کہ اللہ تو اُسے کتاب، حکم اور نبوت دے پھر وہ

لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر تم میرے بندے بن جاؤ۔"

اس آیت مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بشر کو ہی کتاب حکمت اور نبوت سے نوازتا ہے اللہ تعالیٰ نے امام کائنات ﷺ سے اپنی بشریت کا واضح اعلان کروایا:

دلیل نمبر ۳

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل :۹۳)

"آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ پاک ہے میں بجز اس کے اور کیا ہوں بشر رسول ہوں۔"

اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ سے واضح اعلان کروایا گیا کہ کہہ دو کہ میں ایک بشر رسول اللہ ﷺ ہوں اللہ نے اعلان کروایا رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا مگر سمجھ نہیں آتی کہ مولوی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی بات پر یقین کیوں نہیں کرتے اور نور نور کی رٹ لگائے پھرتے ہیں اور جن لوگوں کا عقیدہ اللہ کے قرآن کے مطابق ہے ان پر گستاخ رسول کے فتویٰ صادر کر رہے ہیں۔

ایک مقام پر پھر آپ ﷺ کو تصریحی اعلان بشریت کا حکم ملا۔

دلیل نمبر ۴

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحَىٰ إِلَيَّ﴾ (۱۸/ الکھف: ۱۱۰)

"کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں میری طرف وحی آتی ہے۔"

دلیل نمبر ۵

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے پھر اعلان کروایا:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾

(۴۱/ حم سجدہ:۶)

"آپ کہہ دیجئے کہ میں تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے بیشک معبود تمہارا ایک ہے۔"

دلیل نمبر ۶

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا بشر ہمیشہ رہنے والا نہیں۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ﴾

(۲۱/ الانبیاء:۳٤)

''ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کو دائمی زندگی نہیں دی کیا پس آپ وفات پا جائیں پس یہ ہمیشہ رہیں گے۔''

ایک جگہ میں تقریر کرنے کے لیے گیا تو میں نے مذکورہ آیات قرآنی پر درس دیا تو فارغ ہونے کے بعد ایک صاحب میرے پاس آ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ آپ نے جو بیان کیا کہ اللہ نے نبی ﷺ سے فرمایا: تم کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا بشر ہوں یہ اللہ نے صرف نبی کو کہا ہم یہ نہیں کہہ سکتے نبی ﷺ اپنے آپ کو بشر کہیں تو درست ہے اگر ہم کہیں تو گستاخی ہو گی میں نے پوچھا حضرت یہ بتائیں کہ اللہ کتنے ہیں کہنے لگے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے اللہ تو ایک ہی ہے میں نے کہا اللہ کو ایک کہنا گستاخی نہیں اُس نے کہا وہ کیسے میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے تو صرف نبی ﷺ سے کہا تھا۔

قل ھو اللہ احد کہہ دو کہ اللہ ایک ہے نبی علیہ السلام تو کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ایک ہے مگر ہم نہیں کہہ سکتے یہ بات سننے کے بعد وہ آدمی خاموش ہو کر چلا گیا تعصب کی عینک اگر اتار کر بندہ قرآن وسنت کے دلائل پر غور کرے تو صراط مستقیم کچھ دور نہیں۔

دلیل نمبر ۷

تمام انبیاء علیہم السلام جن پر اللہ نے انعام فرمایا آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ﴾

(۱۹/ مریم:۵۸)

''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا نبیوں سے سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔''

دلیل نمبر ۸

بشر خاکی ہوتے ہیں نوری نہیں ہوتے۔

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ ﴾ (۴۲/ الشوریٰ:۵۱)

''اور یہ کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا تو پردے کے پیچھے سے یا فرشتہ بھیج کر سو وہ وحی پہنچا دے اللہ کے حکم سے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ بیشک وہ عالیشان خوب حکمت والا ہے۔''

دلیل نمبر ۹

جتنے انبیاء علیہم السلام بھی دنیا میں تشریف لائے سب کے سب مرد تھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (۲۱/ سورہ الانبیاء:۷)

''اور ہم نے تم سے پہلے مرد ہی پیغمبر بنا کر بھیجے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے اگر تم نہیں جانتے تو جو یاد رکھتے ہیں ان سے پوچھ لو۔''

دلیل نمبر ۱۰

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾ (۷/ الاعراف:۳۵)

''اے آدم کی اولاد اگر تمہارے پاس پیغمبر آئیں جو تم میں سے ہی ہوں گے جو میرے احکام تم سے بیان کریں گے سو جو شخص پرہیزگاری رکھے اور درستگی کرے سو ہم ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

دلیل نمبر ۱۱

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ۙ ﴾ (۱۶/ النحل:۴۳)

''اور ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف آدمی ہی رسول بنا کر بھیجے ہم ان پر وحی بھیجا کرتے تھے اگر تمہیں علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔''

دلیل نمبر ۱۲

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی ﴾

(۱۲/ یوسف:۱۰۹)

''اور ہم نے تم سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔''

وصف: بشریت ہی سے ملا ہوا ایک پہلو وصف عبدیت بھی ہے مشرکین کی سمجھ میں یہ پہلو کبھی نہیں آیا جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار سمجھایا چنانچہ ارشاد فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے تھے۔

دلیل نمبر ۱۳

﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ ﴾ (٤/ النساء:١٧٢)

''مسیح علیہ السلام اس بات سے عار نہیں رکھتے کہ اللہ کے بندے ہوں۔''

مزید تاکید کے لیے اس وصف عبدیت کو اپنی زبان سے دہرایا ہے آپ نے شروع ہی میں اپنی زبان سے کہہ دیا تھا۔

دلیل نمبر ۱۴

﴿ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴾ (۱۹/ مریم:۳۰)

''میں تو اللہ کا بندہ ہوں اُسی نے مجھ کو کتاب دی اور اُسی نے مجھے نبی بنایا۔''

دلیل نمبر ۱۵

چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام کے سلسلہ میں ہے:

﴿ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴾ (۱۹/ مریم:۲)

''یہ تذکرہ ہے آپ کے پروردگار کی مہربانی کا اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر۔''

دلیل نمبر ۱۶

نوح علیہ السلام کے سلسلہ میں ہے:

﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا ﴾ (۵٤/ القمر:۹)

''ان سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے بندے کو جھٹلایا تھا۔''

دلیل نمبر ۱۷

حضرت ایوب علیہ السلام بھی بندے تھے چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ ۘ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ ﴾ (۳۸/ ص:٤۱)

''ہمارے بندے ایوب علیہ السلام کا بھی ذکر کر جب اُس نے اپنے رب کو پکارا۔''

دلیل نمبر ۱۸

حضرت داوٗد علیہ السلام بھی اللہ کے بندے تھے چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ ﴾ (۳۸/ ص:۱۷)

''ہمارے بندے داوٗد علیہ السلام کا ذکر کریں جو بڑی قوت والا تھا۔''

دلیل نمبر ۱۹

﴿ وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ ﴾ (۳۸/ ص:۳۰)

''ہم نے داوٗد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام عطا فرمایا جو بڑا اچھا بندہ تھا۔''

دلیل نمبر ۲۰

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بندے تھے چنانچہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝ ﴾

(۲۵/ فرقان:۱)

''برکت والی ہے وہ ذات جس نے نازل کیا قرآن کو اپنے بندے پر تاکہ تمام لوگوں کو ڈرائے۔''

دلیل نمبر ۲۱

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل:۱)

''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔''

دلیل نمبر ۲۲

﴿اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَیُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾
(۳۹/ الزمر:۳۶)

''کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں یہ لوگ آپ اللہ تعالیٰ کے اوروں سے ڈرتے ہیں۔''

دلیل نمبر ۲۳

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۝﴾
(۱۸/ الکهف:۱)

''سب تعریف اللہ ہی کو ہے جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل کی اور اس میں کسی قسم کی کجی نہ رکھی۔''

دلیل نمبر ۲۴

﴿هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾
(۵۷/ الحدید:۹)

''وہ (اللہ) ایسا ہے جو اپنے بندے پر کھلی ہوئی آیتیں نازل کرتا ہے کہ وہ تم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے۔''

دلیل نمبر ۲۵

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾
(۲/ البقره:۲۳)

''اگر تمہیں شک ہے اس (کتاب) کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو تم بھی ایک سورۃ اس طرح کی لے آؤ۔''

دلیل نمبر ۲۶

جس کا خاندان اور حسب نسب ہو وہ بشر ہی ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا﴾ (۲۵/ الفرقان:۵۴)

''اور وہی تو ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا پھر اس کو صاحب نسب اور صاحب قرابت دامادی بنایا اور تمہارا پروردگار (ہر طرح) کی قدرت رکھتا ہے۔''

یہ معاملات بشر کے ہی ہوتے ہیں کسی نوری کا کوئی قبیلہ خاندان اور نسب نہیں ہوتا وہ کسی کا داماد ہوتا ہے نہ سسر نہ صاحب اولاد جبکہ ہمارے نبی پاک ﷺ کے تمام رشتے موجود تھے پھر بھی آپ ﷺ کی بشریت سے انکار کی کیا وجہ ہے؟

دلیل نمبر ۲۷

تمام رسول انسانوں کی جنس سے ہی آئے تھے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (۲/ البقرہ:۱۲۹)

''ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر ان ہی میں سے ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجیے۔''

دلیل نمبر ۲۸

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ﴾

(٦٢/ جمعه:٢)

''وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں سے ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھتا ہے۔''

دلیل نمبر ۲۹

﴿ كَمَآ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ ﴾ (۲/ البقرہ:۱۵۱)

''جس طرح تم لوگوں میں ہم نے ایک رسول کو بھیجا تم ہی میں سے۔''

دلیل نمبر ۳۰

﴿ لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ ﴾

(۳/ آل عمران:)

''حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا جب اس نے ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا۔''

دلیل نمبر ۳۱

﴿ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ ﴾ (۹/ التوبہ:۱۲۸)

''تمہارے پاس ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں۔''

تمام انسان خاکی مخلوق ہیں ان میں کوئی نوری مخلوق نہیں ابتداء میں انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام تھے۔

دلیل نمبر ۳۲

﴿ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲۶﴾ ﴾

(۱۵/ الحجر:۲۶)

''ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے۔''

دلیل نمبر ۳۳

﴿ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ ۚ﴿۱۲﴾ ﴾ (۲۳/ المومنون:۱۲)

''اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے۔''

دلیل نمبر ۳۴

﴿ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ كَالۡفَخَّارِ ۙ﴿۱۴﴾ ﴾ (۵۵/ الرحمٰن:۱۴)

''پیدا کیا اللہ نے انسان کو مٹی سے جو بجتی ہوئی ٹھیکری کی مانند تھی۔''

دلیل نمبر ۳۵

﴿ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ﴾ (۳۲/ السجدہ:۷)

''اور انسان کی پیدائش کی ابتداء مٹی سے کی۔''

دلیل نمبر ۳۶

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ﴾

(۲۲/ الحج:۵)

''اے لوگو اگر تمہیں قیامت کے دن جینے میں کچھ شک ہو تو یہ غور کرو کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے۔'' (ترجمہ احمد رضا بریلوی)

دلیل نمبر ۳۷

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ ﴾

(۳۰/ الروم:۲۰)

''اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تمہیں پیدا کیا مٹی سے پھر جبھی تم بشر دنیا میں پھیلے ہوئے۔''

دلیل نمبر ۳۸

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ﴾ (۳۵/ فاطر:۱۱)

''اللہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔''

دلیل نمبر ۳۹

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ﴾ (۴۰/ المومن:۶۷)

''اللہ وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔''

دلیل نمبر ۴۰

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ﴾ (۶/ الانعام:۲)

''وہ اللہ وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی گارے سے پیدا کیا۔''

دلیل نمبر ۴۱

﴿ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝﴾ (۳۷/ الصفت:۱۱)

''ہم نے پیدا کیا ان کو چکنی مٹی سے۔''

دلیل نمبر ۴۲

﴿ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ ﴾ (۲۰/ طٰهٰ:۵۵)

''ہم نے تمہیں اس زمین سے پیدا کیا پھر تمہیں اس میں لوٹائیں گے۔''

دلیل نمبر ۴۳

پوری انسانیت کے باپ جناب آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت فرمایا فرشتوں سے:

﴿ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝﴾ (۳۸/ ص:۷۱)

''جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔''

سب سے پہلے بشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں باقی سارے انسان آدم سے پھیلے ہیں۔

دلیل نمبر ۴۴

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ﴾ (٤/ النساء:۱)

''اے لوگو ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک ہی نفس سے اور پیدا کیا اس سے اس کی بیوی کو اور پھر پھیلا دیئے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں۔''

اس مفہوم کی آیات اور بھی ہیں مثلاً (سورہ زمر آیت نمبر ۱، سورہ انعام آیت ۹۹، سورہ اعراف آیت ۱۸۹)

نیز مذکورہ بالا آیات قرآنی سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کی بیوی سارے انسانوں کی ماں حضرت آدم علیہ السلام کے جسم سے تخریج کی گئیں ہے معلوم ہوا کہ تمام انسان ان ہی کی نسل سے

تھے نبی کریم ﷺ بھی ان دونوں کے بیٹے تھے اگر یقین نہیں آتا تو میں نمونے کے طور پر رسول اللہ ﷺ کا آدم علیہ السلام کے بیٹے ہونے کا بین ثبوت یعنی سلسلہ نسب پیش کر دیتا ہوں غور فرمائیں کہ آپ خاکی تھے یا نوری۔

امام کائنات کا شجر طیبہ:

محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اود بن ہمیسع بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن اُبی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن براف بن طانخ بن جاصم بن ناحش بن ماخی بن یمسفی بن عبقر بن عبید بن الدعا بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحذ بن ارعوے بن عیضی بن دیشان بن عیصر بن اقناد بن الہام بن مقصر بن ناحب بن زارح بن سمی بن مزی بن عوض بن عرام بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم بن آزر بن ناخور بن سروج بن رعو بن فالج بن عامر بن ارفکشاد بن سام بن نوح علیہ السلام بن لامک بن متوشالخ بن ادریس علیہ السلام بن یارد بن مہلہل ایل بن قیناں بن آنوش بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام۔

(بحوالہ تحفۃ الموحدین صفحہ ۲۵۹)

افسوس ہے محض لوگوں کی احمقانہ سوچ پر کہ آپ ﷺ سے لے کر آدم علیہ السلام تک ۸۰ پشتوں کا شجرہ پڑھ لیا پھر بھی آپ ﷺ بشر نہیں بلکہ نوری ہیں تو حماقت کا دروازہ توڑ کر باہر آجائیں اصلاح عقیدہ کے لیے بشریت کا نسخہ استعمال کریں۔

ہمارا فرض ہے کہنا بتا دینا

تمہارا کام ہے مانو یا نہ مانو

دلیل نمبر ۴۵

بشر کے رسول ہونے پر کفار کو بڑا تعجب تھا کہ بشر رسول کیسے بن گئے۔

﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ ﴾

(۱۰/ یونس:۲)

"کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈر سنا دو۔"

دلیل نمبر ۴۶

﴿ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ﴾

(۷/ الاعراف:٦٩)

"کیا تم کو اس بات پر تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تا کہ وہ تمہیں ڈرائے۔"

دلیل نمبر ۴۷

﴿ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴾ (۵۰/ ق:۲)

"بلکہ ان لوگوں نے تعجب کیا کہ انہی میں سے ایک ہدایت کرنے والا ان کے پاس آیا تو کافر کہنے لگے کہ یہ بات تو بڑی عجیب ہے۔"

آپ ﷺ کے نبی بننے پر کفار بڑا تعجب کرتے ہیں کہ بشر رسول کیسے بن گیا جیسے آج کل لوگ نبوت کو مانتے ہیں مگر بشریت کا انکار کرتے ہیں اور نوری ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔ کفار کا عقیدہ تھا کہ بشر رسول نہیں ہوسکتا بلکہ نبی ہونے کے لیے نوری مخلوق ہونا شرط ہے اسی لیے وہ نبیوں پر ایمان نہیں لائے جوان کی طرف مبعوث ہوئے تھے کیوں کہ وہ نبیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان میں بشر کی خاصیت انہیں واضح نظر آتی تھی تو انہوں نے دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ بشر نبی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ان میں نوری مخلوق ہونے کی شرط مفقود ہے۔

قرآن کریم نے اس عقیدے کو بیان بھی کیا اور رد بھی کیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل:۹٤)

"اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر کر کے بھیجا ہے۔"

دلیل نمبر ۴۹

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا:

﴿فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ﴾

(۲۳/ المومنون:۲٤)

''اس (نوحؑ) کی قوم کے سرداروں نے صاف کہہ دیا کہ یہ تو تمہاری طرح کا بشر ہے جو تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ نبی بنانا چاہتا تو وہ فرشتوں کو نبی بنا کر اتار دیتا۔''

دلیل نمبر ۵۰

ھود علیہ السلام کی قوم کا بھی یہی نظریہ تھا کہ رسول کے لیے نوری ہونا ضروری ہے بشر رسول نہیں ہوسکتا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝﴾

(۲۳/ المومنون:۳۳-۳٤)

''اس (ھود علیہ السلام) کی قوم کے سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کیا تھا اور وہ آخرت کی ملاقات کی تکذیب کرتے تھے اور ہم نے انہیں دنیوی زندگی میں خوشحال کر رکھا تھا انہوں نے کہا یہ (ھود علیہ السلام) تو تم جیسا بشر ہے تمہاری ہی خوراک یہ بھی کھاتا ہے اور تمہارے پینے کا پانی یہ بھی پیتا ہے اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت کی تو تم خسارہ اٹھاؤ گے۔''

دلیل نمبر ۵۱

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ قَالُوْا مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَاۤ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝ ﴾ (٣٦/ یٰسین:١٥)

''ان لوگوں نے کہا تم تو ہماری طرح کے بشر ہو اور رحمان نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم نرا جھوٹ بولتے ہو۔''

یہ کہنے کا مطلب یہی تھا کہ چونکہ تم بشر ہو اور بشر نبی نہیں ہو سکتا لہٰذا تم نبی نہیں ہو کیونکہ اللہ نے ان پر وحی نازل نہیں کی لہٰذا تم پر بھی وحی نازل نہیں ہوگی تم اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہو بشر ہونے کی وجہ سے ان کی نبوت کا انکار کر دیا۔

دلیل نمبر ۵۲

﴿ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓىِٕكَةً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾

(٤١/ حم سجدہ:١٤)

''جب ان کے پاس پیغمبران آگے اور پیچھے سے آئے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو کہنے لگے کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتے اتار دیتا سو جو تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔''

ان کا نظریہ یہ تھا کہ بشریت نبوت کے منافی ہے یعنی بشریت اور نبوت دونوں وصف کسی شخص میں اکٹھے نہیں ہو سکتے یعنی جو بشر ہوگا وہ نبی نہیں ہو سکتا اور جو نبی ہوگا وہ بشر نہیں ہو سکتا جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ جو نبی ہوگا وہ ضرور نوری مخلوق ہوگا۔ اسی لیے وہ بشر نہیں ہو سکتا اور کہتے ہیں:

﴿ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ﴾ (٦/ الانعام:٩١)

''اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔''

ان کا مطلب یہ تھا کہ اللہ نے کبھی بھی کسی بشر کو نبی یا رسول بنا کر مبعوث نہیں کیا

فرعونیوں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے بشر ہونے کی وجہ سے وہ ان پر ایمان نہیں لائے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

دلیل نمبر ۵۳

﴿فَقَالُوٓا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَيۡنِ مِثۡلِنَا وَقَوۡمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ﴾

(۲۳/ المومنون:۴۷)

''کہنے لگے کہ کیا ہم ان اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لے آئیں اور ان کی قوم کے لوگ ہمارے غلام ہیں۔''

دلیل نمبر ۵۴

اللہ تعالیٰ نے سب قوموں کے باطل اعتراض کا جواب یوں دیا:

﴿قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِى الۡاَرۡضِ مَلٰۤٮِٕكَةٌ يَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَٮِٕنِّيۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوۡلًا﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل:۹۵)

''کہہ دو کہ زمین میں فرشتے ہوتے چلتے پھرتے آرام کرتے تو ہم ان کے پاس فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ واضح بتا دیا کہ زمین پر بسنے والے نوری نہیں تھے بلکہ خاکی تھے اگر نوری ہوتے تو ہم کسی نوری فرشتے کو رسول بنا کر مبعوث کرتے۔ کیونکہ زمین پر بسنے والے انسان تھے اس لیے بشروں کو ہی رسول بنا کر بھیجا گیا۔

ایک باطل اعتراض اور اس کا جواب:

کچھ لوگ ان پڑھ سادہ لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو بشر کافروں نے کہا تھا تو جو نبی کو بشر کہے وہ کافر ہے معاذ اللہ۔

پہلی بات یہ کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو جو بشر کہا تھا وہ ان کی نبوت کا انکار کر کے کہا تھا دراصل ان کے کفر کی وجہ انبیاء علیہم السلام کو بشر کہنا نہ تھی بلکہ ان کے کفر کی وجہ بشر کو نبی رسول نہ ماننا تھا یعنی جو کوئی بشر کو نبی تسلیم نہ کرے یہ کفر کی بات ہے خالص ایمان کی بات یہ ہے کہ نبی کو بشر بھی تسلیم کرے اور رسول و نبی بھی کیوں کہ سب رسولوں علیہم السلام نے اپنے بشر ہونے کا اعلان خود فرمایا تھا۔

جیسا کہ سورہ ابراہیم میں ہے اس کفر کی کبھی تائید نہ کرتے بلکہ رد کرتے رسولوں علیہم السلام کا

اس بات کا اقرار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کو بشر کہنا کفر نہیں بلکہ ایمان ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام نے تائید فرمائی۔

دلیل نمبر ۵۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نوری ہونے کا خود رد فرمایا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ﴾ (٦/ انعام:٥٠)

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں نوری فرشتہ ہوں۔''

اہل حق کے خلاف ایک پراپیگنڈا

اہل حق کے خلاف جب ان لوگوں کو قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں ملتی تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ گستاخ رسول ہیں معاذ اللہ اہل حدیث کا تو یہ عقیدہ ہے کہ گستاخی کرنا تو دور کی بات جس کے ذہن میں رسول کی گستاخی کا تصور بھی آجائے تو کافر اور واجب القتل ہو جاتا ہے۔

جب پوچھا جائے کہ وہ کیا گستاخی کرتے ہیں تو عام مشہور ہے ہمیں بچپن سے ہی یہ کہہ کر وھابی سے متنفر کیا جاتا تھا کہ وہ نبی کی عزت بڑے بھائی جتنی کرتے ہیں یہ بات انہوں نے اس لیے بنائی کہ بعض علماء حق نے یہ کہا تھا کہ نبی کو بھائی کہنا جائز ہے۔ مگر نبی کا مقام پوری کائنات سے بلند و بالا ہوتا ہے ساری کائنات کے بھائی بیٹے باپ سب مل کر بھی اللہ کے پیغمبر کے ایک چھوٹے سے صحابی رضی اللہ عنہ کے مقام تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ تمام انبیاء علیہم السلام تمام فرشتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے اونچا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نبی کا مقام میرے بھائی جتنا ہے ہمارے نزدیک ایسا شخص مسلمان ہی نہیں ہو سکتا ہاں دینی رشتہ سے محض بھائی کہہ دینا کوئی گستاخی کی بات نہیں جتنے بھی نبی آئے وہ سارے اپنی قوم کے رشتہ دار بھائی ہی تھے جیسا کہ قرآن کریم ہے:

دلیل نمبر ٥٦

﴿ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾ (٢٦/ شعراء:١٢٤)

”جب ان سے ان کے بھائی ھود علیہ السلام نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں۔“

دلیل نمبر ٥٧

﴿ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ﴾ (٧/ الاعراف:٦٥)

”اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ھود علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔“

دلیل نمبر ٥٨

﴿ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ﴾ (٧/ الاعراف:٧٣)

”اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔“

دلیل نمبر ٥٩

﴿ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ﴾ (٧/ اعراف:٨٥)

”اور مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔“

ان چار قرآنی آیات سے اس امر کا ثبوت کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی امتوں کا بھائی قرار دیا اس سے معلوم ہوا کہ امتی اگر نبی علیہ السلام کو بھائی کہہ دے تو اس میں کوئی گستاخی کا پہلو نہیں نکلتا غور فرمائیں غصہ تھوک کر مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

دور ہو جائے اگر کینہ تو دل آئینہ ہو
معرفت کے نور سے روشن تمہارا سینہ ہو

دلیل نمبر ٦٠

بعض لوگوں نے اللہ کے بندوں کو اللہ کا جزء قرار دیا ہے کھلے ناشکرے ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾

(٤٣/ الزخرف:١٥)

''اور انہوں نے اللہ کے بعض بندوں کو اس کا جزء ٹھہرا دیا یقیناً انسان کھلا ناشکرا ہے۔''

بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے نور کا ٹکڑا ہیں ایسے لوگوں کو قرآن کی روشنی میں اپنے عقیدے کی اصلاح کرنی چاہیے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس مسئلہ کو واضح بیان فرما دیا کہ نبی ﷺ ایک بشر رسول ہیں آپ ﷺ سے قرآن میں واضح اعلان کروا دیا:

﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل:۹۳)

''اے نبی ان لوگوں سے کہہ دو کہ میرا رب ہر عیب و نقص سے پاک ہے میں تو صرف ایک بشر رسول ہوں۔''

اس آیت مبارکہ میں بشریت اور رسالت دونوں کا واضح ثبوت موجود ہے مگر ضد اور تعصب ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں کشادہ ذہن سے غور کیا جائے تو بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔

دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے قرآن میں واضح اعلان کروایا کہ ان لوگوں کو بتا دیں:

﴿ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ (۱۸/ الکهف:۱۱۰)

''کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ اور پوری انسانیت کے باپ کو اللہ نے بشر کہا:

﴿ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴾ (۳۸/ ص:۷۱)

''جبکہ آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔''

تمام رسولوں علیہم السلام نے اپنی بشریت کا خود اعتراف کیا جیسا کہ قرآن کریم سے واضح ہے:

﴿ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ (۱۴/ ابراهیم:۱۱)

''ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم تو تمہارے جیسے بشر ہی ہیں۔''

قرآن مجید کے اتنے واضح دلائل دیکھنے کے باوجود بھی آپ ﷺ کو اگر بشر نہیں مانتا بلکہ نوری مخلوق تصور کرتا ہے تو میرے خیال میں اسے اپنے ایمان کی فکر ہونی چاہیے کہ اللہ کی میں آیات کا انکار کرتا ہے صرف اپنے خودساختہ عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے تو بعض لوگ جب قرآن کے اتنے واضح دلائل دیکھتے ہیں تو وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ آپ ﷺ بشر نہ تھے مجبور ہو کر کہتے ہیں کہ وہ بشر بھی ہیں اور نور بھی یہ بات تو اس طرح ہے کہ دن کے بارہ بجے کسی سے پوچھا جائے کہ بتاؤ دن ہے کہ رات وہ کہے دن بھی ہے اور رات بھی یہ عجیب ہی منطق ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ کیونکہ جو نوری مخلوق ہے وہ خاکی نہیں اور جو خاکی ہے وہ نوری نہیں ایک ہی وقت میں دونوں کا ہونا ناممکنات میں سے ہے اللہ تعالیٰ میرے مسلمان بھائیوں کو قرآن وسنت کے مطابق عقیدہ اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب سے اشرف مخلوق انسان ہے انسان کے سامنے نوریوں سے سجدہ کروا کے بھی مالک کائنات نے ثابت کر دیا کہ بشر نوریوں سے افضل ہے نوری مفضول ہیں۔

تو نبی ﷺ کو اشرف مخلوق سے نکال کر ادنیٰ مخلوق میں داخل کرنا مقام میں کمی ہے نہ کہ اضافہ نبی ﷺ کا مقام نوریوں سے بلند ہے۔

اب ہم حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کو بیان کریں گے کہ نبی پاک ﷺ نور تھے یا بشر؟

بشریت امام الانبیاء علیہ السلام حدیث کی روشنی میں

دلیل نمبر ۱

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا :عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ))

(صحیح بخاری مع شرح ج ٤ ص٧١٧ حدیث ٣٤٤٥)

''مجھے میرے مرتبہ ومقام کی حد سے آگے نہ بڑھاؤ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم کو حد سے بڑھادیا میں تو اللہ کا بندہ ہوں تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو۔''

دلیل نمبر ۲

حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھا کہ سلام پھیردیا آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا نماز کے متعلق کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا کیا ہوا صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا آپ ﷺ نے تو نماز زیادہ پڑھادی ہے آپ ﷺ نے اپنے پاؤں قبلہ کی طرف کئے اور دو سجدے کئے پھر سلام پھیردیا۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے اگر نماز کے متعلق کوئی نیا حکم نازل ہوگا تو میں تمہیں بتادوں گا:

((إِنَّمَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ، أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي))

(صحیح بخاری شریف باب التوجه نحو القبله حدیث ٤٠١ ج ، ص ٤٦٤ مع شرح)

''میں تمہارے جیسا ایک بشر ہی ہوں میں بھی تمہاری طرح بھول جاتا ہوں اگر میں بھول جاؤں تو مجھے یاد کرادیا کرو۔''

دلیل نمبر ۳

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَأَقْضِي نَحْوَ مَا أَسْمَعُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ))

(بخاری شریف کتاب الاحکام باب موعظة الامام حدیث ۷۱۶۹)

''میں ایک بشر ہی ہوں اور تم میری طرف اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو شاید تم میں سے کوئی اپنی حجت پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ تیز طرار ہو تو میں اس کی حجت سننے کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو سن لو جس کے حق میں میں کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کر دوں تو سمجھو کہ وہ آگ کا ٹکڑا ہے چاہے تو اسے پکڑ لے چاہے چھوڑ دے۔''

اس حدیث مبارکہ سے دو باتیں واضح ہوئیں ایک یہ کہ آپ ﷺ ایک بشر ہی تھے دوسرا یہ کہ آپ ﷺ عالم الغیب بھی نہ تھے تعصب چھوڑ کر غور کیا جائے تو حق تک پہنچنا آسان ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَإِنِّي اشْتَرَطْتُ عَلَىٰ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ، أَيُّ عَبْدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ سَبَبْتُهُ أَوْ شَتَمْتُهُ، أَنْ يَكُونَ ذٰلِكَ لَهُ زَكَاةً وَأَجْرًا))

(صحیح مسلم شریف کتاب البر والصلة حدیث ۲۶۰۲)

''میں ایک بشر ہی ہوں اور میں نے اپنے رب سے ایک سوال کیا ہے کہ میں نے جس کسی مسلمان کو برا بھلا کہا ہو (اور وہ اس کا مستحق نہ تھا) تو وہ اس کے لیے باعث خیر اور اجر ثواب بنا دے''

دلیل نمبر ۵

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول ﷺ نے خطبہ دیا اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

((يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَنِي رَسُولُ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ

فَاجِیبُ)) (مسلم شریف فضائل الصحابه؛ مسند احمد ج ٤ ص٣٤٧، وهو فی المشکوۃ باب مناکب)

''اے لوگو سن لو میں تو ایک بشر ہی ہوں قریب ہے میرے پاس میرے رب عزوجل کا بھیجا ہوا (موت کا فرشتہ) پیغام لے کر آ جائے تو میں اس کا پیغام قبول کرلوں۔''

دلیل نمبر ٦

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِينِكُمْ فَخُذُوهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِي، فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ))

(مسلم شریف کتاب الفضائل باب وجوب امتثال حدیث ٢٣٦٢)

''میں ایک بشر ہی ہوں میں جب تمہیں تمہارے دین کی کسی بات کا حکم دوں تو اس کو قبول کیا کرو اور جب تمہیں اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں ایک بشر ہی ہوں۔''

دلیل نمبر ٧

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَخْشَعُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُولُ يُسْخِطُ الرَّبَّ)) (صحیح جامع صغیر حدیث ٢٣٤٠ سلسله صحيحه ١٧٣٢)

''میں ایک بشر ہی ہوں آنکھ بہہ رہی ہے دل غمگین ہے اور ہم ایسی کوئی بات نہیں کہیں گے جو رب کو ناراض کرے۔ یہ بات آپ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات کے وقت کہی تھی۔''

دلیل نمبر ٨

ایک اور حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَرْضَى كَمَا يَرْضَى الْبَشَرُ وَأَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ

الْبَشَرُ)) (صحیح جامع صغیر حدیث۷۸۵۶)

''میں ایک بشر ہی ہوں بشروں کی طرح راضی خوش ہوتا ہوں اور مجھے بشروں کی طرح غصہ بھی آجاتا ہے۔''

دلیل نمبر ۹

مخلوقات سے عاقل مخلوق کی تین قسمیں ہیں ملائکہ جنات اور انسان ان میں سے ہر ایک کی اصلیت اور خلقت کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

((خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ، وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ))

(مسلم شریف کتاب الذهدوالرقائق باب فی حدیث متفرقه حدیث۲۹۹۶)

''(مطلب یہ ہے) کہ ملائکہ تو نور سے پیدا ہوئے اور جنات آگ کے شعلے سے اور آدم مٹی اور پانی سے جس کا بیان قرآن کریم میں موجود ہے۔''

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی آپ ﷺ بھی انسان تھے خاکی تھے نوری مخلوق نہ تھے۔

دلیل نمبر ۱۰

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کسوف کے خطبہ میں فرمایا تھا:

((يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ رَسُولٌ)) (مواردالظمان:۱۵۸)

''اے لوگو میں تو ایک بشر رسول ہوں۔''

یہ فرمان رسول قرآن کریم کی آیت کے بالکل مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ کہہ دیں۔

﴿هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا﴾ (۱۷/ بنی اسرائیل:۹۳)

''میں تو صرف ایک بشر رسول ہوں۔''

دلیل نمبر ۱۱

چنانچہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا جو کہ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں بیان کرتی ہیں کہ:

((كَانَ بَشَرٌ مِنَ الْبَشَرِ)) (مسند احمد : ٤، صفحه ٢٥٦)

''آپ ﷺ بشروں میں سے ایک بشر تھے۔''

دلیل نمبر۱۲

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ فرمایا تھا کہ:

((اَنَّ رَسُوْلَ ﷺ قَدْمَاتَ وَاَنَّهُ بَشَرٌ))

(دارمی شریف باب وفات النبی ص۲۳)

''بیشک رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں اور وہ بشر ہیں۔

دلیل نمبر۱۳

احمد رضا خان صاحب بریلوی کی کتاب فتاویٰ افریقہ سے پڑھیے وہ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر بچہ کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا یہاں تک کہ مرنے کے بعد اس میں دفن کیا جائے گا:

((انا وابوبكر وعمر خلقنا من تربة وحدة فيها ندفن))

(فتاویٰ افریقه ص ۸۵ مطبوعه رضوی پریس ۱۲۳۶)

''میں ﷺ اور ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما ایک ہی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔''

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ خاکی تھے نوری نہ تھے مٹی سے پیدا کیے گئے تھے ان احادیث مبارکہ سے روز روشن کی طرح رسول اللہ ﷺ کی بشریت ثابت ہو چکی ہے ماننے والوں کے لیے ایک آیت قرآنی اور ایک حدیث نبوی کافی ہوتی ہے اس عنوان کی سینکڑوں احادیث موجود ہیں میں نے خوف طوالت سے صرف چند احادیث کو نقل کیا ہے لیکن مختلف طریقے سے لوگ رسول اللہ ﷺ کو نوری ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں مگر حق دلائل کیونکہ قرآن وسنت سے ثابت ہیں اس لیے کسی کو انکار کی جراءت نہیں ہو سکتی میں نے بھی کبھی نبی ﷺ کو نوری ثابت کرنے کی بڑی کوشش کی تھی مگر بیکاریوں کہ قیاسی من گھڑت روایات جو کہ عوام الناس میں مشہور ہو چکی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں اس موضوع پر

رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح روایت مروی نہیں ہے یہ جھوٹی کہانیاں اللہ کے قرآن کے صریح خلاف ہیں اور حدیث کے بھی۔

یہ مدعی اسلام تو ہیں ساتھ مگر بیگانوں کے
تقویٰ کی تو بو ہی نہیں اور رنگ نہیں ایمان میں

رسول اللہ ﷺ کا سایہ

بعض بریلوی حضرات نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نوری تھے کیونکہ آپ کا سایہ نہیں تھا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس مسئلہ کی بھی وضاحت ہو جائے جس میں عامۃ الناس میں بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں وہ یہ کہ اس رسول اللہ کا سایہ تھا یا نہیں یاد رکھیں کہ کچھ لوگ جو قرآن وسنت کے واضح اور روشن دلائل سے بے خبر ہوتے ہیں اور ہر سنی سنائی بات پر بغیر تحقیق کے اپنا عقیدہ بنا لیتے ہیں اور اسی بات کو حرف آخر سمجھتے ہیں اور کبھی یہ سوچنا ہی گوارہ نہیں کرتے کہ کیا ہمارا عقیدہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے یا مخالف کیا ہم کسی غلط راستے پر تو نہیں چل رہے؟ پس جس کے دل میں یہ سوچ پیدا ہو جائے کہ قرآن وحدیث میں اس کی کیا دلیل ہے۔ تحقیق کی جستجو پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جلد حق کی پہچان کروا دیتا ہے اور اس کی آنکھوں سے جہالت کے پردے ہٹا دیتا ہے اور راہ حق پر چلا دیتا ہے پھر لاکھوں جہالت کے پردے لے کر اس کے پیچھے پھرتے ہیں کہ دوبارہ اس کی آنکھوں پر جہالت کے پردے ڈال دیں مگر وہ مر تو سکتا ہے مٹ تو سکتا ہے مگر جہالت کے پردوں کو عقیدت کے رنگ میں ہرگز قبول نہیں کرتا کیوں کہ یہ حق کا خاصہ ہے۔

لیکن حق کی معرفت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی نصیب ہوتی ہے وگرنہ بڑے بڑے پڑھے لکھے رات دن مطالعہ میں وقت گزارنے والے خود اندھیروں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وحدیث کے صریح دلائل کے مطابق عقیدہ اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

کیا نوری مخلوق کا سایہ نہیں ہوتا:

چنانچہ بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا سایہ نہیں تھا یہ دعویٰ اس طرح کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ چلتے پھرتے رہے دراصل ان لوگوں کے دلوں میں یہ بات

لوہے کی لکیر کی طرح بیٹھ گئی ہے کہ چونکہ آپ ﷺ نوری مخلوق تھے اور نوری مخلوق کا سایہ نہیں ہوتا۔ میں بڑے محبت بھرے جذبات سے ان اپنے بھائیوں کی خدمت میں گزارش کروں گا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیکھنے کے لیے آنکھیں دی ہیں اور سننے کے لیے کان دیئے ہیں۔ صحیح اور غلط چیز میں فرق کرنے کے لیے عقل سے نوازا ہے ان سے کام لو اور ان کو قرآن وحدیث کے تابع کرو اور قرآن وحدیث کو اپنی عقلوں کے تابع مت کرو دنیا سے چلے جانے کے بعد قرآن وحدیث کی روشنی ہی تمہارے کام آئے گی تعصب سے ہٹ کر دلائل پر غور فرمائیں۔

چنانچہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ فرشتوں کا بھی سایہ ہوتا ہے جو باتفاق نوری مخلوق ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ رضی اللہ عنہ جب غزوۂ احد میں شہید ہوئے اور جابر رضی اللہ عنہ اور ان کی پھوپھی دونوں رو رہے تھے اور پھوپھی کی روتے روتے کبھی چیخ بھی نکل جاتی تھی انہیں نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

((تَبْكِيهِ أَوْلَا تَبْكِيهِ مَاذَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رَفَعْتُمُوْهُ))

(صحیح بخاری کتاب الجنائز ولجهاد؛ مسلم کتاب فضائل الصحابة صفحه ١٤٣)

''اس پر روئے یا نہ روئے فرشتے اس پر اپنے پروں سے برابر سایہ کیے ہوئے تھے یہاں تک کہ تم نے اس کو اٹھایا۔''

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ نوری مخلوق کا بھی سایہ ہوتا ہے مگر فرق اتنا ضرور ہے کہ انسانی مخلوق چونکہ عام عادت میں نظر آنے والی چیز ہے اس کا سایہ بھی عام نظر آتا ہے اور نوری مخلوق چونکہ عام نظر آنے والی چیز نہیں اس لیے اس کا سایہ بھی نظر نہیں آتا ہاں معجزانہ طریقے سے نظر آ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دکھا دیا تھا۔

قارئین محترم یہ بات سب کو تسلیم ہے کہ کسی بھی شخص کو سب سے زیادہ سمجھنے والی اس کی اپنی بیوی ہی ہوتی ہے چنانچہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے کسی سائل نے سوال کیا کہ بتایئے رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے تو جواب دیا:

((كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ وَيُحْلِبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ))

(مسند احمد سلسلة صحيحه : ٦٧١)

''آپ ﷺ جنس بشر میں سے تھے بکری کا دودھ خود دھو لیتے ور اپنے کام خود کر لیتے۔''

بشریت رسول پر ایک واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ بشر ہی تھے مگر آپ ﷺ کا مقام نور والوں سے بھی بلند و بالا تھا سایہ کے بارہ میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا گواہی دیتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ تم اپنا اونٹ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو دے دو تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہنے لگیں میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ کس طرح دے دوں؟ اس بات کی وجہ سے آپ ﷺ ان سے ناراض ہو گئے اور ذوالحجہ اور محرم یا تین ماہ اس زینب رضی اللہ عنہا کے پاس نہیں آئے ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن دوپہر نصف النہار کے وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کا سایہ آتے دیکھا۔ (مسند احمد جلد ٦/١٣٢)

نیز حضرت عائشہ حضرت زینب کے متعلق فرماتی ہیں کہ:

((فرأت ظلهُ فقالت ان هذا لظلُّ رجل وما يدخل على النبی ﷺ فمن هذا فدخل ﷺ)) (مسند احمد جلد ٦ / ٣٣٨)

''انہوں نے آپ ﷺ کا سایہ دیکھا تو دل میں کہا یہ کسی مرد کا سایہ ہے رسول اللہ تو میرے پاس آتے ہی نہیں یہ کون ہو سکتا ہے اسی وقت ﷺ اندر آ گئے۔''

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کا سایہ اتنا واضح ہے کہ کسی قسم کی تاویل کی گنجائش ہی نہیں ایک اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ دس سال تک آپ ﷺ کے خادم رہے فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک آپ ﷺ نے ہاتھ آگے بڑھایا اور پھر پیچھے ہٹا لیا ہم نے سبب دریافت کیا تو فرمایا مجھ پر جنت پیش کی گئی تھی میں نے اونچے درخت دیکھے جن کے گچھے نیچے لٹک رہے تھے میں نے کچھ لینے کا ارادہ کیا تو وحی آئی کہ پیچھے ہٹ جاؤ تو میں پیچھے ہٹ گیا اور مجھ پر جہنم بھی پیش کی گئی جو میرے اور تمہارے درمیان میں (حتی رائت ظلی وظلکم فیها) یہاں تک کہ میں

نے اپنا اور تمہارا سایہ اس آگ کی روشنی میں دیکھا پس میں نے تمہیں اشارہ کیا تھا کہ پیچھے ہٹ جاؤ فوراً میری طرف وحی آئی کہ ان کو ان کی جگہ پر ٹکے رہنے دو۔

(مستدرك حاكم ج ٤/ ٤٥٦ صحيح ابن خزيمه ج ٢/ ٥١)

سایہ کے متعلق ایک اور حدیث مبارکہ میں آیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل علیہ السلام نے مجھے عصر کی نماز پڑھائی حين كان فيئي مثلي جبکہ میرا سایہ میرے قد کے برابر ہو گیا پھر آ کر مجھے عصر کی نماز پڑھائی حين كان فيئي مثلي جبکہ میرا سایہ میری دو مثل ہو گیا۔

(مجمع الزوائد جلد ۱/ ۳۰۳)

قرآن کریم سے ثابت ہے کہ ہر مخلوق کا سایہ ہے۔

تعصب چھوڑ کر قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے مسائل حل نہ ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴾ (۱۶/ النحل:۴۸)

"کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے ان کے سائے دائیں اور بائیں جانب اللہ کو سجدے کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور وہ عاجزی کرتے ہیں۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُم بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴾ (۱۳/ الرعد:۱۵)

"اللہ ہی کے لیے زمین اور آسمانوں کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح و شام۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے وغیرہ پہنتے تھے ایک جسم رکھتے تھے ہر جسم والی چیز کا سایہ ہوتا ہے اگر خالی کپڑے کو دھوپ میں لٹکائیں تو زمین پر اس کا سایہ ضرور ہوگا اگر اس میں انسان گوشت اور

خون ہڈیوں والا جسم بھی ہو تو پھر سایہ کیوں نہ ہو گا حیران ہوتا ہوں کہ یہ لوگ حقیقت کو تسلیم کیوں نہیں کرتے اللہ تعالیٰ نے کیا خوب ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَا تُغْنِي الْآيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ (۱۰/ یونس:۱۰۱)

''نہ ماننے والی قوم کو ڈرانے والے اور آیات کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے۔''

اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور کا دنیا میں کوئی مشاہدہ نہیں کر سکتا اللہ کے نور کی شان وجلالت اتنی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے نور کا مشاہدہ نہیں کر سکے تھے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: ''رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ'' اے میرے رب مجھے اپنا دیدار کرا دیجئے کہ ایک نظر آپ کو دیکھ لیں ''وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ'' لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ ''فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ'' اگر پہاڑ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ ''فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا'' پس جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے فَلَمَّآ اَفَاقَ پھر جب ہوش میں آئے تو ''قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' عرض کرنے لگے بیشک تو پاک ہے میں توبہ کرتا ہوں اب میں سب سے پہلا یقین کرنے والا ہوں۔ (۷/ الاعراف:۱۴۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی آنکھوں سے اللہ کے نور کا مشاہدہ نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ذاتی نور کا مشاہدہ ہماری مادی آنکھوں سے نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ '' هل رأيت ربك'' کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا نورانی اراہ وہ ایک نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ (مسلم شریف کتاب الایمان حدیث ۱۷۸)

حضرت مسروق تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ تو نے ایسی بات کہہ دی جس کی وجہ سے میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں پھر فرماتی ہیں کہ

((مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَأَىٰ رَبَّهٗ فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْيَةَ عَلَى اللّٰهِ))

(بخاری کتاب تفسیر القرآن سورۃ النجم حدیث ٤٨٥٥)

''جو کوئی یہ دعویٰ کرے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو بلا شبہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔''

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((حِجَابُهُ النُّورُ لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَاانْتَهٰى اِلَيْهِ بَصَرُهُ)) (مسلم کتاب الایمان حدیث ١٧٩)

''اللہ کا حجاب نور ہے اگر وہ حجاب اٹھا دے اس کے چہرے کے انوار تمام مخلوق کو جلا کر رکھ دیں جہاں تک اس کی نگاہ پہنچے۔''

قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾

(٦/ الانعام:١٠٣)

''نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کر لیتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ﴾ (٤١/ شوریٰ:٥١)

''کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ سے براہ راست کلام کرے مگر وحی کے ذریعے سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے پس وہ اللہ کے حکم سے جو وہ چاہے وحی کرے بیشک وہ نہایت بلند اور حکمت والا ہے۔''

اگر رسول اللہ ﷺ اللہ کے نور سے ہوتے تو معراج کی رات اللہ کے نور کو دیکھ لیتے اور دوسرے لوگ آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکتے۔

حفیظ الرحمٰن قادری کے پیش کردہ دلائل کی حقیقت

پہلی دلیل فرقان حمید میں ارشاد رب العالمین ہے۔

﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴾ (۵/ المائدہ:۱۵)

''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور ایک روشن کتاب۔''

الجواب: سوال پیدا ہوتا ہے کہ بریلوی حضرات نبی کریم ﷺ کو نور مانتے ہیں بلکہ اللہ کا ذاتی نور مانتے ہیں آپ ﷺ کو بشر کہنے والوں پر گستاخ رسول بے ادب ہونے کے فتوے لگاتے ہیں بشریت رسول کے اتنے واضح اور قاطع دلائل کو نظر انداز کر جاتے ہیں ان کا استدلال کیا ہے ان لوگوں نے کہاں ٹھوکر کھائی ہے اس بات کا اصولی جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ (۳/ آل عمران:۷)

''وہ اللہ وہی تو ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری (یعنی قرآن مجید) اس میں محکم آیات ہیں جو اصل کتاب میں اور کچھ متشابہ آیات ہیں جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ متشابہ آیات کے درپے ہوتے ہیں فتنہ بپا کرنے کو اور اپنی طرف سے ان کا مطلب کشید کرتے ہیں حالانکہ ان کا قطعی مطلب اللہ کی سوا کوئی نہیں جانتا۔''

اصل بات یہ ہے کہ فتنہ پرور لوگ ایک خاص غرض کے تحت لوگوں کو عقائد حقہ سے برگشتہ کرنے کے لیے ایک دعویٰ کرتے ہیں اور اس دعوے کو ایک حسین شکل میں پیش کرتے ہیں تاکہ ظاہری الفاظ کی کشش عوام کو اپنی طرف مائل کر سکے جو مسئلہ قرآن کی سینکڑوں محکم اور

واضح آیات سے ثابت ہوا سے چھوڑ کر ایک غیر واضح دلیل پر اپنے عقیدہ کی عمارت کھڑی کرنا کون سی دانشمندی ہے اس آیت مبارکہ پر صدق دل سے غور فرمائیں۔

دوسرا جواب اکثر مفسرین نور کو کتاب مبین ہی کی صفت قرار دیتے ہیں اور واؤ کو عطف صغائرت کے بجائے عطف تفسیری سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ درج ذیل ہیں اس آیت کی ابتداء میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر پہلے ہی آچکا ہے یہ آیت یوں شروع ہوتی ہے:"یا ھل الکتب قد جاء کم رسولنا" اگر نور اور کتاب مبین دو الگ الگ چیزیں ہوتیں تو بعد والی آیت میں یھدی به الله کے بجائے یھدی بھماالله آنا چاہیے تھا۔

قرآن کی ایک آیت دوسری کی وضاحت کرتی ہے مراد قرآن کریم بالکل واضح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴾ (٤/ النساء:١٧٤)

''ہم نے تمہاری طرف نور مبین نازل کیا (یعنی قرآن کریم)۔''

اس آیت مبارکہ سے صاف واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن ہی کو نور قرار دیا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ﴾ (٧/ الاعراف:١٥٧)

''اور اس نور کی پیروی کی جسے ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ اتارا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں بھی نور قرآن کو ہی کہا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ذکر نور سے الگ کیا گیا ہے۔ مزید ارشاد فرمایا:

﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْۤ اَنْزَلْنَا ﴾ (٦٤/ التغابن:٨)

''تو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا۔''

اس آیت مبارکہ میں بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ جو آپ ﷺ پر قرآن نازل کیا گیا وہ نور ہے قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ نے تورات کو بھی نور کہا چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ ﴾

(٦/ الانعام:٩١)

''وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو موسیٰ لائے تھے اور جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت تھی۔''

اسی طرح انجیل کو بھی نور کہا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًی وَّنُوْرٌ ﴾ (۵/ المائدہ:٤٦)

''ہم نے عیسیٰ کو انجیل عطا فرمائی جس میں نور اور ہدایت تھی۔''

مذکورہ بالا آیات قرآنی سے ثابت ہوا کہ اس آیت مبارکہ میں نور قرآن کریم اور دیگر آسمانی کتابوں کو کہا گیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا اعلان واضح الفاظ میں کر دیا ہے تیسرا جواب لوگوں کا ذہن اس بات پر پختہ ہو چکا ہے کہ نور اور کتاب مبین دو چیزیں ہیں واؤ کی وجہ سے حالانکہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر درمیان میں واؤ بھی ہے اور تذکرہ ایک ہی چیز کا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِیْنٍ ﴾ (۲۷/ النمل:۱)

''یہ قرآن اور کتاب مبین کی آیتیں ہیں۔''

حالانکہ قرآن اور کتاب مبیں دو نہیں بلکہ ایک ہی چیز ہے اگر کوئی قرآن اور کتاب مبین دو سمجھتا ہے تو یہ اس کی جہالت ہے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴾ (۱۵/ الحجر:۱)

''یہ کتاب اور قرآن روشن کی آیتیں ہیں۔''

یہاں پر بھی کتاب اور قرآن مبین دونوں ایک ہی ہیں الگ الگ نہیں پہلی آیت میں کتاب مبین کا عطف القرآن پر کیا گیا ہے اور زیر بحث آیت میں کتاب مبین کا عطف نور پر کیا گیا ہے پس نور سے مراد قرآن مجید ہے اور دوسری آیت میں قرآن مبین کا عطف الکتاب پر کیا گیا ہے اور دونوں سے مراد ایک ہے اس سے ثابت ہوا کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد صرف ایک قرآن کریم ہے۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

حفیظ الرحمٰن قادری کی دوسری دلیل اور اس کا جواب:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل نے کائنات بنائی سب سے پہلے کس چیز کو بنایا تو سرکار دو عالم نور مجسم نے ارشاد فرمایا:

اے جابر رضی اللہ عنہ اللہ عزوجل نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے بنایا۔ (مصنف عبدالرزاق نشر الطیب صفحہ ٦)

الجواب: یہ روایت کئی وجوہات کی بنا پر صحیح نہیں ہے۔

اس کی کوئی معروف سند نہیں ملی محدث علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوٰۃ کے حاشیہ میں فرمایا ہے کہ اس کی اسناد معروف نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ باب بدء الوحی)

اس روایت کو مصنف عبدالرزاق کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن اس میں یہ روایت ہی نہیں ہے اس کی تفصیل کے لیے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۵ صفحہ ۱۷ تا ۲۰ جعلی جزء کی کہانی اور علمائے ربانی۔

عبدالرزاق نابینا ہو گئے تھے تلقین کو قبول کر لیتے تھے کئی منکر روایتیں بھی روایت کر دیتے تھے جیسا کہ حافظ ابن عدی نے الکامل ۵/ ۱۹۴۸ میں کہا ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ عبدالرزاق سے بعض نے منادر روایات بیان کی ہیں جو اس کی کتابوں میں نہیں ہیں۔ (سہو ۹/ ۵۶۸)

یہ روایت صحیح احادیث کے بھی خلاف ہے کیونکہ صحیح احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے قلم پیدا کیا گیا چنانچہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا۔ اسے حکم دیا کہ لکھ اس نے عرض کیا کیا لکھوں فرمایا: قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے لکھ چنانچہ اس نے ہمیشہ تک جو کچھ ہونے والا تھا سب کچھ لکھ دیا۔ (ترمذی ابو داؤد مسند احمد ۵/ ۳۱۷)

اور مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھی ہیں اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

(مسلم عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ)

پھر یہ روایت ان نصوص کے بھی خلاف ہے جن میں آتا ہے کہ آدم مٹی سے پیدا ہوئے

جن آگ سے اور فرشتے نور سے قرآن میں ہے''واللہ خلق کل دابۃ من ماء''اللہ ہی نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الزھدوالرقائق باب فی احادیث متفرقۃ حدیث۲۹۹۶)

میرے بھائیو: اللہ کے نور کی شان اور جلالت اتنی کہ موسیٰ علیہ السلام بھی اس نور کا مشاہدہ نہیں کر سکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور کا مشاہدہ اس دنیا میں نہیں ہو سکتا اگر رسول اللہ ﷺ اللہ کے ذاتی نور کا حصہ ہوتے تو دنیا کا کوئی انسان بھی آپ ﷺ کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتا۔

صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے حالانکہ آپ ﷺ عبداللہ کے بیٹے اور عبدالمطلب کی اولاد ہیں آپ ﷺ کا شجرہ آدم علیہ السلام تک پہنچتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے نور سے پیدا ہونے والی روایت جھوٹی ہے۔ حالانکہ باپ کا نام عبداللہ ہے جس کے معنی اللہ کا بندہ ہیں جو بندے کا بیٹا ہوگا وہ بھی بندہ ہی ہوگا۔ حالانکہ آپ ﷺ کا مقام نوریوں سے بھی بلند تھا مگر بات سمجھنے کی ہے۔

یہ روایت قرآنی آیات اور صحیح احادیث کے سراسر خلاف ہے کیونکہ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ کا نور اللہ کے نور سے ہوا تو وہ ذات الٰہی کا جزء ہوا اور یہ کھلی اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور انکار ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا ۚ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴾

(۴۳/ الزخرف:۱۵)

''اور اس کے بندوں میں سے ٹکڑا ٹھہرایا بیشک انسان کھلا ناشکرا ہے۔''

(ترجمہ احمد رضا خان بریلوی)

یہ بات پوری امت کو تسلیم ہے کہ آپ ﷺ انسان تھے انسان کے بیٹے تھے بی بی آمنہ اور جناب عبداللہ بھی انسان تھے اور انسان کی پیدائش اللہ کے نور سے نہیں ہوتی بلکہ والدین کے نطفے سے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ﴾ (۷۶/ الدھر:۲)

''ہم نے انسان کو نطفہ مخلوط سے پیدا کیا۔''

احمد رضا خان بریلوی کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ ﷺ مٹی سے پیدا ہوئے نور سے نہیں چنانچہ خان صاحب نے ایک حدیث لکھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ایک ہی مٹی سے پیدا کیے گئے اور اسی میں دفن ہونگے۔ (فتاویٰ افریقہ ص ۸۲)

احمد رضا خان بریلوی کے نزدیک یہ حدیث نبی ﷺ کے مٹی سے پیدا ہونے پر نص ہے مفتی احمد یار خان نعیمی بریلوی نے بھی رسول اللہ ﷺ کے بشر ہونے کا اعتراف کیا ہے چنانچہ وہ جاء الحق کی ایک عبارت لکھتے ہیں کہ ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہوتے ہیں۔ (جاء الحق صفحہ ۱۶۱)

میں پوچھتا ہوں کہ اگر بشر کہنا گستاخی ہے کفر ہے تو بریلوی علماء نے اس گستاخی کفر کی تائید کیوں کی؟

چنانچہ مفتی امجد علی بریلوی نے اپنی مشہور کتاب بہار شریعت میں یہ عبارت تحریر کی ہے کہ نبی علیہ السلام اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو۔ انبیا سب بشر تھے۔ (بہار شریعت جلد ۱ ص ۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس روایت کا کوئی سر پاؤں نہیں ہے بالکل بناوٹی من گھڑت روایت ہے بے سند موضوع روایت ہے جو قرآن وصحیح احادیث کے سراسر خلاف ہے۔ کیوں کہ صحیح احادیث سے آپ ﷺ کا بشر ہونا ثابت ہے اور قرآن بھی اس پر ناطق ہے۔

جس طرح ہم اس بات کے شروع میں دلائل نقل کر آئے ہیں لہٰذا یہ روایت کلام رسول اللہ ﷺ نہیں ہے رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث اور قرآن کریم کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کریم اور صحیح احادیث کے مطابق عقیدہ اپنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

حفیظ الرحمٰن قادری صاحب جبریل علیہ السلام کی عمر کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

کہ نبی کریم نے پوچھا اے جبریل علیہ السلام تیری عمر کتنی ہے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی عمر کا پتہ نہیں البتہ چوتھے حجاب میں ایک ستارہ ستر ہزار سال بعد طلوع ہوتا

تھا اور میں نے زندگی میں اس کو بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے میری عمر کا اندازہ آپ خود ہی لگا لیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے جبریل وہ ستارہ میرا ہی نور تھا۔ (شرک کیا ہے کتاب صفحہ ۷۱)

الجواب: حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری کہانی ایک افسانہ ہے رسول اللہ ﷺ سے کسی صحیح سند سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں مصنف نے بھی اس روایت کو بے سند نقل کیا ہے کسی بھی قابل اعتماد محدث نے اس روایت کو کسی معتبر حدیث کی کتاب میں نقل نہیں کیا۔ لہٰذا یہ روایت جھوٹی ہے۔ حدیث رسول نہیں ہے نبی کریم ﷺ پر افتراء و بہتان ہے۔ ہمارے مسلمان کا حال یہ ہے کہ لکھنے والے بھی آنکھیں بند کرکے اردو رسالے سے لکھی ہوئی بات کو اپنی کتاب میں بغیر تحقیق کے نقل کر دیتے ہیں اور دوسرے لوگ بغیر تحقیق کے ایسی باتوں کو اپنا عقیدہ بنا لیتے ہیں اور ایسی باتوں کو دین سمجھنے لگ جاتے ہیں یہ بہت بڑا المیہ ہے۔

؎ جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

قادری صاحب کی چوتھی دلیل اور اس کا جواب

بعض افراد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بشر ہیں وہ نوری نہیں کیونکہ نور بشر نہیں ہو سکتا حالانکہ قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے حجرے میں حضرت جبریل علیہ السلام لباس بشری میں تشریف لائے۔

''وہ اس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا۔''

(سورہ مریم آیت ۱۷ پارہ ۱۶؛ شرک کیا ہے کتاب صفحہ ۷۱، ترجمہ: کنز الایمان)

الجواب: بشریت دو قسم کی ہے ایک اصلی حقیقی دوسری تمثیلی صوری

حقیقی بشریت میں اصلیت ماہیت اور لوازمات نہیں بدلتے جیسے کھانا پینا، خوشی غمی، نیند بیداری، صحت بیماری، ازدواجی زندگی لباس میں قیام تجارت سفر حضر وغیرہ جو بشر تمثیلی صوری ہوتا ہے کہ اصل میں نور ہو شکل صورت بشری لباس میں تشریف لے آئے تو اس میں اصلی نسلی حقیقی بشر جیسے لوازمات خواہشات نہیں ہوتیں غور فرمائیں اور انصاف سے فیصلہ کریں کہ کیا آپ ﷺ حقیقی اصلی نسل بشر ہے یا تمثیلی صوری۔

جیسے ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے انسانی شکل میں آئے تھے چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

﴿ هَلْ أَتٰىكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ الْمُكْرَمِينَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ۖ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ۝ فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ۝ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۝ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلٰمٍ عَلِيمٍ ۝ ﴾ (۵۱/ الذاریات: ۲۴-۲۸)

''بھلا تمہارے پاس ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے جب وہ ان کے پاس آئے تو سلام کہا انہوں نے بھی سلام کہا (دیکھا تو) ایسے لوگ کہ نہ جان نہ پہچان تو اپنے گھر جا کر ایک (بھنا ہوا) موٹا بچھڑا لائے اور ان کے آگے رکھ کر کہنے لگے کہ آپ تناول کیوں نہیں کرتے اور دل میں ان سے خوف معلوم کیا انہوں نے کہا خوف نہ کیجیے ان کو ایک دانش مند لڑکے کی بشارت بھی سنائی۔''

جناب ابراہیم علیہ السلام کے پاس نوری فرشتے بشر کے لبادہ وصورت میں آئے۔ جناب ابراہیم علیہ السلام نبی ہونے کے باوجود بھی ان کو معلوم نہ کر سکے جب تک کہ انہوں نے خود وضاحت نہ کی اور پھر نوری چاہے انسانی شکل میں آئے وہ کھانا نہیں کھاتا اس سے معلوم ہوا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوری بشریت کے لبادہ میں آتے تو پھر بھی نہ کھانا کھاتے نہ پانی پیتے نہ شادی کرتے نہ بچے پیدا کرتے۔

رہا مسئلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کہنے کا یہ کسی حدیث سے ثابت ہی نہیں ہاں اگر تو نور ہدایت کے معنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کی وجہ سے کہا جائے تو اس میں حرج نہیں مگر نور من نور اللہ سمجھ کر کہنے کی گنجائش نہیں جس کی پیدائش ہو ماں باپ ہوں سسرال ہوں وہ نوری نہیں بلکہ بشر ہی ہوا کرتے ہیں پتہ نہیں یہ لوگ حقیقت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے یہ بات قرآن کریم میں واضح موجود ہے:

﴿ فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۝ ﴾ (۲۵/ الفرقان: ۵۴)

''اور وہی تو ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا۔ پھر اس کو صاحب نسب۔ اور صاحب قرابت دامادی بنایا اور تمہارا رب ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے۔''

خلاصہ کلام میں نے قرآن وحدیث کے حوالہ جات کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ

آپ ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام حقیقی اصلی جنس نسلی ذاتی پیدائشی بشر انسان آدم رجال بندے تھے جو آدمی قرآن وحدیث کے اتنے دلائل سننے کے بعد بھی آپ ﷺ کے نور من نور اللہ کا قائل ہے وہ ان دلائل قرآن وحدیث کا منکر ہے جو یہ کہے کہ نبی کی حقیقت کیا ہے وہ بھی گمراہ ہے کیونکہ آپ ﷺ کی حقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرما دی ہے اور آپ ﷺ نے بھی اپنا تعارف واضح کروا دیا ہے اور اعلان فرما دیا کہ میں بھی تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں۔ (صحیح مسلم)

اور قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بھی اعلان کروایا کہ کہہ دو کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔

(سورہ کہف)

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر
دار دنیا سے کسی دن سفر ہے کہ نہیں
اور محشر کا کچھ خوف وخطر ہے کہ نہیں

ضد وعناد اور کینہ کو دل سے نکال کر ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ ہم آپ کے سامنے صرف وہی کچھ بیان کرتے ہیں جو اللہ کے قرآن اور نبی ﷺ کے فرمان سے ثابت ہے۔ اور اسی کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ تھا اور اُسی سچے عقیدے کی دعوت اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وحدیث کے مطابق عقیدہ اپنانے کی توفیق دے۔ آمین

مسئلہ حاضر وناظر

حفیظ الرحمٰن قادری صاحب لکھتے ہیں کہ کیا نبی ﷺ کو حاضر ناظر ماننا شرک ہے سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ اپنے مزار پر انوار میں زندہ ہیں اور ساری کائنات کو ملاحظہ فرما رہے ہیں اور جسمانی طور پر جہاں تشریف لے جانا چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں بلکہ ایک وقت میں کئی جگہ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ (شرک کیا ہے صفحہ ۷۶)

الجواب: قارئین محترم آپ نے قادری صاحب کا عقیدہ ونظریہ تو ملاحظہ فرمالیا خود ہی کہتے ہیں کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ہر جگہ پر موجود نہیں ہیں وگرنہ جس جگہ چاہیں تشریف لے جائیں کے کیا معنی ہیں اگر ہر مقام پر پہلے سے ہی حاضر وناظر ہیں۔

تو پھر کسی جگہ سے کہیں جانے کی ضرورت ہی کیوں درپیش آئی جبکہ آپ کے عقیدہ کے مطابق آپ ﷺ ہر جگہ پر حاضر وناظر ہیں پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جہاں پر آپ تشریف لے جائیں گے وہاں پہلے سے موجود نہیں تھے وگرنہ تشریف لانے کے کیا معنی ہیں۔ حاضر وناظر کے معنی موجود دیکھنے والا ہے اگر آپ ﷺ ہر ایک کے پاس موجود ہیں تو پھر سب صحابی بن جائیں گے کیوں کہ ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں جو بیٹھا وہ بھی صحابی ہے جو ایمان کی حالت میں فوت ہوا چاہے اُس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ نہیں کیونکہ کئی صحابی رضی اللہ عنہ ایسے بھی تھے جو نابینا تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا صرف آپ ﷺ کی مجلس میں آپ کی صحبت میں بیٹھنے کی وجہ سے صحابی بنے۔

جیسے عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ وغیرہ اس سے ثابت ہوا کہ جس کو رسول اللہ ﷺ ایمان کی حالت میں دیکھیں وہ بھی صحابی ہو جاتا ہے اگر رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہیں تو پھر ہر مسلمان صحابی ہو گیا۔ اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دوسرے مسلمانوں پر امتیازی فضیلت

ختم ہو جاتی ہے اس پر بھی غور فرمائیں کہ قرآن کریم میں صرف دو طرح کی سورتیں ہیں کچھ مکی اور کچھ مدنی ہیں جب آپ ﷺ مکہ میں تھے۔ اُس وقت نازل ہونے والی سورتیں مکی ہیں اور جب مدینہ چلے گئے اس کے بعد نازل ہونے والی سورتیں مدنی ہیں۔ اگر آپ ﷺ پوری دنیا میں ہر جگہ موجود تھے تو باقی مقام والی سورتوں کا تذکرہ کیوں نہیں۔

آپ ﷺ کو صرف مکی مدنی سرکار ہی کیوں کہا جاتا ہے آپ کو چینی، ہندی، سندھی ایرانی، ہندوستانی، پاکستانی، افغانی یا پوری دنیا کی دوسری جگہ کی طرف آپ، ﷺ کو کیوں منسوب نہیں کیا جاتا جبکہ آپ ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں ہر شہر کے باشندے ہیں؟ پھر آپ ﷺ کو محمد ﷺ عربی ہی کیوں کہا جاتا ہے۔

آپ کو عجمی کیوں نہیں کہا جاتا جبکہ آپ ﷺ عجم میں بھی ہر جگہ ہر وقت مقیم ہیں موجود ہیں؟ آپ کی زبان صرف عربی ہی کیوں تھی جبکہ آپ ﷺ پوری دنیا کے تمام شہروں میں موجود ہیں پھر ہر ملک اور ہر علاقے کی زبان آپ ﷺ کیوں نہیں بولتے تھے؟ نعت خواں حضرات اپنی نعتوں میں صرف مکہ اور مدینہ کی تعریف کیوں کرتے ہیں دنیا کے دوسرے شہروں کی تعریف کیوں نہیں کرتے جبکہ آپ ﷺ دنیا کے ہر شہر میں حاضر و ناظر تھے اور بقول آپ کے آج بھی موجود ہیں؟

لوگ عقیدت و محبت سے سفر کر کے مکہ اور مدینہ کی طرف کیوں جاتے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ پاکستان کے ہر شہر میں موجود ہیں انڈیا کے ہر شہر میں موجود ہیں سرکار تو لاہور میں موجود ہیں پھر مکہ مدینہ کا اتنا طویل سفر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

نعت پڑھنے والے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ آ گئے ہیں حضور ﷺ آ گئے ہیں ان اللہ کے بندوں سے کوئی پوچھے سرکار تو پہلے یہاں موجود حاضر و ناظر ہیں تو آ کہاں سے گئے آتے تو وہ ہیں جو پہلے موجود نہیں ہوتے یہ تمہارا کیا عجیب فلسفہ ہے......؟؟

کچھ نعت خواں حضرات یوں کہتے ہیں کہ سنا ہے آپ ﷺ ہر عاشق کے گھر تشریف لاتے ہیں میرے گھر میں بھی ہو جائے چراغاں یا رسول اللہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس عاشق کے گھر پہلے تشریف نہیں لائے تھے میں سوچتا ہوں کہ اس نے سنا کس سے ہے یہ

بھی جھوٹ ہے کبھی میں بھی یہ پڑھا کرتا تھا مگر میں نے کسی سے سنا ہوا نہیں تھا پھر قابل غور بات یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ صرف عاشقوں کے گھر حاضر ناظر ہوتے ہیں غیر عاشقوں کے گھر غیر مسلم کافروں کے گھر حاضر و ناظر نہیں ہوتے۔ پھر ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو پھر تشریف لانے کے کیا معنی ہیں؟ جب بندہ ضد تعصب عناد کو دل سے نکال کر سچائی پر غور کرتا ہے۔

تو اس پر حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے مگر اندھی عقیدت کے پردے سمجھنے کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں۔ میں خود اس مسئلہ پر اہل حدیث کا بہت مخالف تھا مگر جب عقیدت کے پردوں کو آنکھوں سے ہٹا کر دیکھا تو حقیقت کچھ اور تھی قرآن وحدیث میں تحقیق کی تو اللہ تعالیٰ نے سمجھ عطا فرمائی غور فرمائیں کہ پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی ہجرت کے معنی ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کو کہتے ہیں اس بات کو اوّل جماعت کا طالب علم بھی بخوبی جانتا ہے کہ ہجرت کے کیا معنی ہیں جس وقت آپ ﷺ کو مکہ والوں نے ہجرت پر مجبور کیا اور آپ کو اپنا آبائی وطن چھوڑنا پڑا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تو کس قدر پاکیزہ اور دل پسند شہر ہے اور تو مجھے کتنا محبوب ہے اور اگر میری قوم نے مجھے نکالا نہ ہوتا تجھے چھوڑ کر کسی اور جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔

(معارف الحدیث ص ۲۷۹ ج ٤ ؛ مشکوٰۃ ص ۲۳۸ باب حرم مکہ)

غور فرمائیں اگر رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر تھے تو آپ ﷺ مکہ کو مخاطب کر کے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی اگر آپ ﷺ نے مکہ کو چھوڑا ہی نہیں تھا تو پھر ہجرت نبوی کا انکار لازم آتا ہے، کیونکہ جب آپ ﷺ مکہ میں تھے تو مدینہ میں نہ تھے اور جب مدینہ میں تشریف لے گئے تو مکہ میں نہ تھے پھر ہر جگہ حاضر کیسے ہوئے۔

ہجرت کی رات مشرکین نے پلان کے مطابق آنحضرت ﷺ کے مکان کا گھیراؤ کر دیا آپ ﷺ نے نازک ترین لمحے میں مشرکین کی امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں۔

اپنی چادر عنایت فرما کر حکم دیا کہ میرے بستر پر سو جاؤ تمہیں کفار تکلیف نہیں

پہنچا سکیں گے۔

(سیرت ابن ھشام ج۱ صفحہ ۱۸۲ بحوالہ الرحیق المختوم ص ۲۸٤)

اگر آپ ﷺ ہر جگہ پر موجود ہوتے تو مشرکین کو آپ ﷺ کے صرف ایک مکان کا گھیراؤ کرنے کی کیا ضرورت تھی بلکہ وہ دنیا کی ہر جگہ کا گھیراؤ کرتے۔ لیکن آپ ﷺ صرف ایک ہی گھر میں موجود تھے اس لیے اُس جگہ کا گھیراؤ کیا گیا سوچنے کی بات یہ بھی کہ اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سونے کا حکم کیوں دیا وہ اپنے بستر پر بھی موجود ہوتے مدینہ میں بھی موجود ہوتے خود مشرکیں کو ان کی امانتیں واپس کرتے اور علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ چھوڑنا آپ ﷺ کی مکہ میں اپنے بستر پر عدم موجودگی کی واضح دلیل ہے مگر عقلمندوں کے لیے......!!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ (۵۸/ المجادلہ:۷)

''نہیں ہوتے تین مشورہ کرنے والے مگر اللہ چوتھا ہوتا ہے ان کا اور نہیں مشورہ کرتے ان میں سے پانچ مگر چھٹا ان کا اللہ ہوتا ہے نہ ہوتے اس سے کم اور نہ زیادہ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں وہ ہوتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن ان عملوں کی خبر دے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔''

تین افراد میں چوتھا اللہ تعالیٰ پانچ افراد میں چھٹا اللہ تعالیٰ تین سے کم چھ سے زیادہ ان گنت تعداد میں اللہ تعالیٰ کی معیت حاضر ہونے پر قیامت کے دن مخلوق کے ہر عمل کی خبر دینا ناظر ہونے پر دلالت کرتا ہے اگر رسول اللہ ﷺ بھی ہر شخص کے پاس حاظر و ناظر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں نہیں فرما دیا کہ جہاں تین ہوتے۔ چوتھا میرا نبی ﷺ ہوتا ہے اور پانچواں میں ہوتا ہوں جب پانچ ہوتے ہیں تو چھٹا میرا نبی ہوتا ہے اور ساتواں میں ہوتا ہوں اس آیت مبارکہ میں تو اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے حاظر ناظر ہونے کی واضح نفی فرما دی ہے۔ یہ

صفت علم وقدرت کے اعتبار سے صرف اللہ تعالیٰ کی ہے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴾ (۲/ البقرہ:۱۱۵)

''اور اللہ تعالیٰ کے لیے مشرق ومغرب ہے پس جدھر منہ کرو ادھر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ﴾ (۱۰/ یونس:٦۱)

''اور تم جس حال میں بھی ہوتے ہو یا قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہو یا تم لوگ کوئی اور کام کرتے ہو جب اس میں مصروف ہوتے ہو ہم تمہارے سامنے ہوتے ہیں۔''

حصر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فرمان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر وقت علم وقدرت کے اعتبار سے حاضر وناظر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مخلوق میں سے کسی کی یہ صفت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴾

(۳/ آل عمران:٤٤)

''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں اور آپ ﷺ ان کے پاس موجود نہیں تھے جبکہ وہ قلموں کو ڈالتے تھے کہ ان میں سے کون بی بی مریم کی پرورش کرے اور آپ ﷺ اس وقت بھی ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔''

آپ ﷺ کی روح اس وقت عالم ارواح میں تھی اس دنیا میں پیدا نہیں ہوئے تھے جب عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بی بی مریم رضی اللہ عنہا کی کفالت کا جھگڑا ہوا قلموں کے ذریعے فیصلہ ہوا۔

جس کی قلم اوپر کو تیرے وہ مریم کی کفالت کا ذمہ دار ہوگا اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو اطلاع دی آپ ﷺ اس واقعہ میں موجود حاضر ناظر نہ تھے واضح فرمادیا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ﴾ (۱۲/ یوسف:۱۰۲)

''یہ خبریں ہیں غیب کی جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور جب برادران یوسف علیہ السلام نے اپنی بات پر اتفاق کیا تھا وہ فریب کر رہے تھے اور تم ان کے پاس موجود نہیں تھے۔''

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا کلام:

﴿ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴾ (۲۸/ القصص:٤٤)

''اور آپ طور کی مغربی جانب موجود نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کو احکام دیئے اور نہ ہی آپ حاضرین میں سے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس وقت میں نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی نبوت عطا کی آپ ﷺ اس وقت طور پہاڑ پر موجود نہیں تھے ان آیات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ کی روح مبارک عالم ارواح میں تھی ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں تھی یہ دور تھا آپ ﷺ کی پیدائش سے پہلے دوسرا دور بی بی آمنہ کے گھر پیدا ہو کر ۶۳ سال کی زندگی اس دار فانی میں گزار دی۔

تیسرا دور اس دنیا فانی سے انتقال کر کے موت کو لبیک کہتے ہوئے عالم برزخ اعلیٰ علیین میں روح پہنچ گئی اور آپ ﷺ کا جسد اطہر حجرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا میں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتار دیا۔ آپ ﷺ ان تینوں ادوار میں سے کسی ایک دور میں بھی ہر وقت ہر جگہ موجود حاضر ناظر نہیں تھے۔ اگر آپ ﷺ ہر جگہ موجود حاضر و ناظر ہیں تو پھر مدینہ جانے کا تجسس کیسا؟

مسئلہ حاضر ناظر احادیث کی روشنی میں

((عَنْ يَحْيٰى قَالَ سَأَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنْ قَصْرِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا خَرَجَ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ اَمْيَالٍ اَوْ ثَلَاثَةِ فَرَاسِخَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ))

''یحییٰ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نماز قصر کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ تین میل یا تین فرسخ کی دوری تک جاتے تو آپ ﷺ نماز قصر کرتے دو رکعتیں پڑھتے۔''

(صحیح مسلم شریف ص ۲۴۲ ج ۱ کتاب صلوۃ المسافرین و قصرھا)

غور فرمائیں اگر بریلوی عقیدہ کے مطابق آپ ﷺ ہر جگہ پر حاضر ناظر ہیں تو پھر سفر پر جانے کا کیا فلسفہ ہے کہ تین فرسخ کے فاصلہ پر جاتے تو نماز قصر کرتے کہ آپ وہاں پر مسافر ہوتے اگر آپ ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں تو پھر آپ ﷺ ہر جگہ مقیم ہیں کسی جگہ پر مسافر ہی نہیں تو نماز قصر کی کیا منطق ہمیشہ چار رکعت ہی پڑھتے۔

دوسری حدیث مبارکہ میں ہے

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں ساتھی رہا مگر آپ ﷺ نے دو رکعتوں سے زیادہ نماز نہ پڑھی۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۴۳)

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ سفر پر جاتے آتے رہتے تھے ہر جگہ پر حاضر ناظر نہ تھے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ:

((عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَسْئَالُ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ اَيْنَ اَنَا غَدًا اَيْنَ اَنَا غَدًا يُرِيْدُ يَوْمَ عَائِشَةَ فَاَذِنَ لَهٗ اَزْوَاجُهٗ يَكُوْنُ حَيْثُ شَاءَ فَكَانَ فِيْ بَيْتِ عَائِشَةَ حَتّٰى مَاتَ عِنْدَهَا))

(مشکوٰۃ ص ۲۷۹ باب القسم الفصل الاوّلی)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرمایا کرتے تھے اس بیماری میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی میں کل کہاں ہوں گا میں کل کہاں ہوں گا عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا ارادہ کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی ازواج نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں چاہئیں رہائش رکھیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر رہنے لگے حتیٰ کہ اس کے گھر فوت ہوئے۔

قارئین محترم غور فرمائیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر ناظر ہوتے ہر ایک کے پاس موجود ہوتے تو باریاں مقرر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی ایک ہی وقت میں سب عورتوں کے پاس موجود ہوتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں ایک ہی وقت میں اپنی گیارہ ازواج کے پاس حاضر ناظر نہ رہتے تھے تو اب ہر جگہ ہر امتی کے پاس بعد از وفات کیسے حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور لاکھوں کروڑوں قبروں میں بیک وقت بعد از وفات کیسے موجود و حاضر ہیں۔

خدارا تعصب کو چھوڑ کر ان حقائق پر غور فرمائیں آخر ایک دن اس دنیا کو چھوڑ کر ہم نے ضرور جانا ہے اور اپنے ہر ایک عمل کا جواب بھی دینا ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ مُعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ ثُمَّ اعْتَکَفَ اَزْوَاجُہٗ مِنْ بَعْدِہٖ))

(بخاری شریف ج ۱ ص ۲۷۱ باب الاعتکاف فی العشر الاواخر)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوئی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے اعتکاف کیا۔''

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر ناظر تھے تو اعتکاف کیسے ہوا ابوداؤد میں حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعتکاف مسجد کے علاوہ نہیں ہوتا اگر ہر آن ہر گھڑی ہر پل موجود حاضر ناظر ہیں تو آپ کا اعتکاف کیسے ہوا اعتکاف تو تب ہوتا ہے کہ صرف اسی مسجد میں ہوں جہاں

اعتکاف بیٹھتے تھے ہر گلی کوچہ ہر شہر بازار گھر تک رہنے کی رخصت نہیں صرف اسی مسجد میں ہوں تب اعتکاف ہوگا۔

ایک حدیث مبارکہ اس طرح ہے:

جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کا وعدہ کیا مگر وہ نہ آئے کہ آپ کی چارپائی کے نیچے کتا تھا:

((فَقَالَ يَا عَائِشَة حَتي دَاخَلَ هَذَا الْكَلْبُ هُهنَا))

''اے عائشہ رضی اللہ عنہا اس جگہ پر کتا کب داخل ہوا؟

((فقال و الله مادريت))

''کہنے لگی اللہ کی قسم میں نہیں جانتی۔''

جبریل علیہ السلام نے کہا ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو۔

(مسلم شریف ص ۹۹/ ج ۲ باب تحریم التدبر)

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہر جگہ موجود ہوتے تو جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری جگہ ملاقات کر لیتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی گھر میں موجود تھے کسی اور جگہ حاضر ناظر نہ تھے اگر غیب دان ہوتے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتے کے داخل ہونے کا علم ہوتا مگر ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی علم نہیں تھا کہ کتا کب داخل ہوا۔

قابل غور بات ہے کہ یہ کتا بھی مدینے کا تھا اللہ تعالیٰ ہمیں کسی شہر کا کتا نہ بنائے انسان ہی رکھے اور کملی والے کا غلام بنا کر رکھے۔ آمین یارب العالمین

((فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ ، فَالْتَمَسْتُهُ))

(صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۱۹۲ حدیث ٤٨٦)

''ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے گم پایا اور ان کو تلاش کرنے لگی۔''

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اچانک ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گم پایا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا۔ پھر ہم نے کہا شاید آپ ﷺ پر جنوں یا انسانوں نے پراسرار طور پر حملہ کر دیا ہو ہم نے وہ رات سخت ترین پریشانی اور اذیت میں گزاری جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ غار حراء کی جانب سے تشریف لائے۔ ہم نے عرض کی اللہ کے رسول ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو گم پایا اور تلاش کرتے رہے لیکن آپ ﷺ کہیں نہ ملے لہذا ہم نے پوری رات سخت ترین پریشانی میں گزاری۔

(صحیح مسلم ج/ ص ١٨٤ حدیث ٤٥٠)

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ ﷺ ہر وقت ہر جگہ حاضر ناظر موجود نہ تھے۔ وگرنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بستر سے تلاش کرنے کی ضرورت نہ تھی آپ ﷺ ام المومنین کے بستر پر بھی موجود ہوتے غائب نہ ہوتے دوسری حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ جب آپ ﷺ غار حراء میں تشریف لے گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کتنا علاقہ چھان مارا آپ ﷺ کی تلاش میں اور ساری رات پریشانی میں گزاری اگر آپ ﷺ ہر جگہ پر موجود حاضر ناظر تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس حاضر کیوں نہیں تھے۔ جس علاقہ میں تلاش کرتے رہے اس میں موجود حاضر ناظر کیوں نہیں تھے کیوں کہ آپ ﷺ غارِ حراء میں تشریف فرما تھے اور کسی جگہ پر موجود نہیں تھے۔ یہ حاضر ناظر نہ ہونے کے بین ثبوت ہیں مگر ضد ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں اس سے ایک بات یہ بھی واضح ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غیب کا علم نہیں جانتے تھے اگر جانتے ہوتے تو آپ ﷺ کو گم پا کر پریشان نہ ہوتے بلکہ ان کو علم ہوتا کہ آپ ﷺ غار حراء میں ہیں تلاش نہ کرتے۔

ایک اور حدیث مبارکہ ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ایک نماز میں کچھ لوگوں کو گم پایا۔ (مسلم شریف ج ا ص ٢٣٢ حدیث ٦٥١)

((أَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ أَوْ شَابًّا فَفَقَدَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَسَأَلَ عَنْهَا أَوْ عَنْهُ فَقَالُوا مَاتَ))

(صحیح مسلم شریف ج ١ ص ٣٠٩ حدیث: ٩٥٦)

''ایک سیاہ فام عورت یا نوجوان مسجد میں رہتا تھا رسول اللہ ﷺ نے اسے گم پایا تو اس کے بارے میں دریافت کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اسکی وفات ہو

گئی ہے۔''

اگر آپ ﷺ ہر جگہ حاظر ناظر موجود ہوتے تو اس مسجد کے خادم کی موت کا آپ کو پتہ کیوں نہ چلا اس کے پاس حاضر ناظر موجود تھے تو آپ ﷺ نے آنکھوں کے سامنے ہونے والا جنازہ کیوں نہ دیکھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہر مسلمان کی قبر میں آتے ہیں موجود ہوتے ہیں تو پھر اس کی قبر میں کیوں نہ آئے اگر آئے تو اس کی موت کی خبر آپ کو کیوں نہ ہوئی قابل غور بات ہے۔

حدیث مبارکہ میں ہے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو گم پایا ایک آدمی نے عرض کیا اللہ کے رسول اللہ ﷺ میں آپ کو ان کے بارے میں آگاہی دیتا ہوں وہ شخص آیا تو دیکھا کہ وہ اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں۔

(صحیح بخاری ج ا صفحہ ۵۱۰ حدیث :۳۶۱۳)

مزید حدیث مبارکہ پیش خدمت ہے سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا آپ ﷺ نے فرمایا مغیرہ رضی اللہ عنہ پانی والا برتن پکڑو۔ میں نے برتن پکڑ لیا پھر آپ ﷺ چلتے گئے حتی کہ مجھ سے چھپ گئے اور قضائے حاجت سے فارغ ہوئے۔

(صحیح بخاری ج۱ ص ٦٢ حدیث : ٣٦٣؛ مسلم ج ۱ ص ۱۳۳ حدیث ۲۷٤)

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی حیات طیبہ میں بھی ہر جگہ حاضر وناظر نہ تھے آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے گم ہو جایا کرتے تھے اگر ہر جگہ ہوتے تو گم کیسے ہوتے وہ ہستی جو دوسروں سے اتنا دور ہو جائے کہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے وہ ہر جگہ حاضر وناظر ہوتی ہے عقلی طور پر بھی محال اور ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر ہوں کیونکہ ہر جگہ میں تو گندگی اور غلاظت والی جگہیں بھی شامل ہیں نیز لوگوں کی خلوت گاہیں اور ایسی جگہیں بھی شامل ہیں جن کو ایک عام مسلمان بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا کسی مسلمان کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ آپ ﷺ کے اپنے پاس حاضر وناظر ہوتے ہوئے اپنی زندگی کے سارے معاملات کو سرانجام دے سکے بہت سے جائز معاملات ایسے ہیں کہ ایک مسلمان مر تو سکتا ہے، لیکن ان کو کسی دوسرے مسلمان بھائی کے

سامنے بھی انجام نہیں دے سکتا چہ جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے ہوتے ہوئے وہ ایسا کام کرے۔ بعض تو شرعی کام عبادت کے کام بھی آپ ﷺ کی موجودگی میں کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جماعت کرواتے ہوئے جب پتہ چلا تو نماز سے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا تھا کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔ (بخاری کتاب الاذان حدیث ۶۶۴)

اور آج کا مولوی رسول اللہ ﷺ کو حاضر موجود جانتے ہوئے بھی جماعت خود کرواتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود فرمایا:

﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَوٰةَ﴾ (٤/ النساء:١٠١)

''اور اے محبوب جب آپ ان میں تشریف فرما ہوں پھر نماز میں ان کی امامت کرو۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ جب آپ ﷺ ان میں موجود ہوں تو امامت آپ ﷺ فرمائیں پھر کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے پاس موجود مانتے ہیں امامت آپ ﷺ کو کیوں نہیں کروانے دیتے اور آپ ﷺ بھی اللہ کے اس حکم کے مطابق امامت کیوں نہیں کرواتے؟

قارئین محترم غور فرمائیں آپ ﷺ کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالات واقعات پر نظر دوڑائیں آپ ﷺ کا پیدا ہونا رضاعت کے لیے دائی حلیمہ کے ہاں جانا پھر واپس آنا دادا کے پاس رہنا پھر چچا کی کفالت میں رہنا تجارت کے سفر کرنا پھر واپس آنا غار حراء میں جانا پھر کچھ وقت کے بعد گھر تشریف لانا کوہ صفا پر چڑھ کر توحید کا اعلان کرنا پھر توحید ربانی کی پاداش میں شعب ابی طالب میں قید رہنا کئی مکانوں اور بند کمروں میں تبلیغ کرنا طائف کا سفر کرنا اور پھر واپس مکے آنا معراج کی رات مکہ کو چھوڑ کر بیت المقدس جانا پھر بیت المقدس کو چھوڑ کر آسمان پر جانا پہلے سے دوسرے پھر دوسرے سے تیسرے آسمان پر جانا حتی کہ ساتویں آسمان پر جانا اور قرب الٰہی کی منازل طے کرنا مکہ چھوڑ کر مختلف علاقوں میں جانا اور پیچھے اپنی جگہ امامت کے لیے کسی کو مقرر کرنا نماز کے لیے مسجد جانا پھر گھر واپس آنا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے الگ الگ گھر بنانا اور ان میں باری باری جانا بیماری کی حالت میں

مسجد نہ جا سکنا بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امامت کے لیے مقرر کرنا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات پا جانا اور رفیق اعلیٰ سے جا ملنا غرض ہر واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کی نفی کرتا ہے اگر دل میں تعصب نہ ہو تو ان واقعات سے مسئلہ حاضر ناظر بخوبی سمجھا جا سکتا ہے جو ہر جگہ موجود ہو وہ کسی جگہ جاتا آتا نہیں جو جائے اور آئے وہ ہر جگہ حاضر ناظر نہیں ہوتا ان باتوں سے معلوم ہوا کہ ہر جگہ حاضر ناظر ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہرگز نہیں۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب تہمت لگی اس واقعہ سے حاضر ناظر ہونے کی نفی روز روشن کی طرح واضح ہے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ﴾ (۲٤/ النور:۱۱)

''بیشک وہ کہ یہ بڑا بہتان لائے ہیں تمہیں میں سے ایک جماعت ہے۔''

سید المفسرین بریلویہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں بڑا بہتان سے مراد حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانا ہے۔

۵ھ میں غزوہ بنی المصطلق سے واپسی کے وقت قافلہ قریب مدینہ ایک پڑاؤ پر ٹھہرا تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ضرورت کے لیے کسی گوشہ میں تشریف لے گئیں وہاں آپ کا ہار ٹوٹ گیا، اس کی تلاش میں مصروف ہو گئیں۔ ادھر قافلہ نے کوچ کیا اور آپ رضی اللہ عنہا کا محمل (ہودج) شریف اونٹ پر کس دیا اور انہیں یہی خیال رہا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا اس محمل شریف میں ہیں۔ قافلہ چل دیا آپ رضی اللہ عنہا آ کر قافلہ کی جگہ بیٹھ گئیں اور آپ رضی اللہ عنہا نے خیال کیا کہ میری تلاش میں قافلہ ضرور واپس ہوگا۔ قافلہ کے پیچھے گری پڑی چیز کو اٹھانے کے لیے ایک صاحب رہا کرتے تھے۔ اس موقع پر حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اس کام پر تھے جب وہ آئے اور انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو بلند آواز سے انا اللہ وانا الیہ راجعون پکارا آپ رضی اللہ عنہا نے کپڑے سے پردہ کر لیا انہوں نے اپنی اونٹنی بٹھائی آپ رضی اللہ عنہا اس میں سوار ہو کر لشکر تک پہنچیں۔ منافقین سیاہ باطن نے اوھام فاسدہ پھیلائے اور آپ رضی اللہ عنہا کی شان میں بدگوئی شروع کی بعض مسلمان بھی ان کے فریب میں آ گئے اور ان کی زبان سے بھی کوئی کلمہ بیجا سرزد ہوا ام المومنین رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں اور ایک ماہ تک بیمار رہیں۔

اس زمانہ میں انہیں اطلاع نہ ہوئی کہ ان کی نسبت منافقین کیا بک رہے ہیں ایک روز ام مسطح سے انہیں یہ خبر معلوم ہوئی اور اس سے آپ رضی اللہ عنہا کا مرض اور بڑھ گیا اور اس صدمہ میں اس طرح روئیں کہ آپ رضی اللہ عنہا کے آنسو نہ تھمتے تھے اور نہ ایک لمحہ کے لیے نیند آتی تھی۔

اس حال میں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ (حاشیہ رضا خانی ترجمہ خزائن العرفان ص ۶۳۲)

بریلوی دوستو! ذرا سوچ کر جواب دو کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنی المصطلق کے لیے تشریف لے گئے تو کیا غازی ومجاہدین اور مسجد نبوی کے نمازیوں کو یعنی دونوں جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نماز پڑھایا کرتے تھے یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف قافلہ مجاہدین کو نماز پڑھاتے تھے اور مسجد نبوی میں کوئی دوسرا نائب امام تھا؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہی حاضر وموجود تھے تو پھر قریب مدینہ پہنچنے کا مطلب کیا ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کہ ہر جگہ موجود وحاضر اور عالم الغیب تھے تو پھر عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار ٹوٹنے تلاش کرنے پیچھے رہ جانے اور خالی محمل کی روانگی وغیرہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں خبر نہ دی؟

منافقین نے جو بہتان باندھا اس کی تغلیط اور باطل ہونے کا اعلان یہ کہہ کر کیوں نہ کر دیا کہ ہم تو خود صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھے تم کیوں افتراء کرتے ہو؟

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر اور عالم الغیب جانتے ہوتے تو پھر سچے مسلمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منافقین کے فریب میں کیوں آتے؟ بلکہ منافقین کو یہ بہتان عظیم افتراء کرنے کی جراءت ہی نہ ہوتی۔

بریلوی دوستو! حقیقت آپ کے بانیان مذہب کے قلم سے نقل کرتے ہوئے ناصحانہ گزارش ہے کہ خدارا ہوش کرو جھوٹے واعظوں کے بہکاوے میں آ کر اپنی عاقبت خراب نہ کرو وقت ہے سوچو سمجھو ٹھنڈے دل سے غور کرو ضد وہٹ دھرمی کو قریب بھی نہ آنے دو۔

یا نہ رکھ منزل یوسفؑ میں قدم اے طالب
یا نہ کر شرط کہ واں گرگ نہ ہو چاہ نہ ہو

احمد رضا خان صاحب بریلوی تو ہندو کے بھی کئی جگہ پر حاضر ناظر ہونے کے قائل تھے۔

چنانچہ ان سے سوال کیا گیا عرض اولیاء ایک وقت میں چند جگہ حاضر وناظر ہونے کی قوت

رکھتے ہیں؟ ارشاد: اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہ دعوت قبول کر سکتے ہیں۔

دوسرا سوال عرض حضور اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ عالم مثال سے اجسام مثالیہ اولیاء کے تابع ہو جاتے ہیں اس لیے کہ ایک وقت میں متعدد جگہ ایک ہی صاحب نظر آتے ہیں۔

اگر یہ ہے تو اس پر شبہ ہوتا ہے کہ مثل تو شے کا غیر ہوتا ہے امثال کا وجود شے کا وجود نہیں اور ان اجسام کا وجود اس جسم کا وجود نہ ٹھہرے گا۔

ارشاد: اگر ہوں گے تو جسم کے ان کی روح پاک ان تمام اجسام سے متعلق ہو کر تصرف فرمائے گی اور از روئے روح وحقیقت وہی ایک ذات ہر جگہ موجود ہے۔ یہ بھی تو ظاہر میں ورنہ سبع سنابل شریف میں حضرت سیدی فتح محمد قدس سرہ الشریف کا وقت واحد میں دس ہزار مجلسوں میں تشریف لے جانا تحریر فرمایا ہے اور اس پر کسی نے عرض کی حضرت نے وقت واحد میں دس جگہ تشریف لے جانے کا وعدہ فرما لیا ہے یہ کیوں کر ہو سکے گا؟ فرمایا کہ کرش گھنیا کافر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا فتح محمد اگر چند جگہ ایک وقت میں ہو گیا تعجب ہے۔ یہ ذکر کر کے فرمایا: کیا گمان کرتے ہو کہ شیخ ایک جگہ موجود تھے باقی جگہ مثالیں حاشا بلکہ شیخ بذات خود ہر جگہ موجود تھے۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت احمد رضا حصہ اوّل صفحہ ۱۴۲ مطبوعہ مشتاق بک کارنر اردو بازار لاہور)

بریلوی دوستو! ایمانداری سے کہو کہ کرش گھنیا کی حاضری سے دلیل پکڑنا کیا ہندوازم ہے یا نہیں؟ اگر یہ آپ کے نزدیک عین اسلام ہے تو پھر قرآن وحدیث سے رسول اللہ ﷺ کا یا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا احد میدان جنگ میں مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ کی مساجد میں پنج گانہ نماز کی امامت کرانا فیصلے کرنا اور مسائل بتانا وغیرہ ثابت کر کے دکھاؤ۔

احمد مرسل کی باتوں کی کہاں توقیر ہے
اب تو ہر جا قول مرشد یا طریقہ پیر ہے

تماشائی شیخ اور بے حیا مرید

کرشن گھنیا کی مثال سے احمد رضا خان صاحب کا مقصد دراصل اپنے پیر و مشائخ کو ہر جگہ حاضر ناظر ثابت کرنا تھا اس لیے احمد رضا خان صاحب نے دوسری مثال یوں پیش کی عبدالعزیز دباغ آپ کے پیرومرشد تشریف فرما ہیں اور فرماتے ہیں احمد عالم ہو کر انہیں سیدی احمد سلجماسی کے دو بیویاں تھیں سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات کو تم نے ایک بیوی کے جاگتے ہوئے دوسری بیوی سے ہم بستری کی یہ نہیں چاہیے۔
عرض کیا حضور وہ اس وقت سوتی تھی فرمایا سوتی نہ تھی سوتے میں جان ڈال دی تھی عرض کیا حضور کو کس طرح علم ہوا فرمایا وہ سو رہی تھی کوئی اور پلنگ بھی تھا عرض کی ہاں، ایک پلنگ خالی تھا فرمایا اس پر میں تھا تو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ ہے۔

(ملفوظات اعلیحضرت حصہ دوم صفحہ ۲۰۲)

قارئین محترم غور فرمائیں اس سے بڑھ کر اور بے حیائی کیا ہوگی کہ بریلوی حضرات اپنے بزرگوں کے سامنے جماع کرتے ہیں اور پیر صاحب تماشائی کی حیثیت سے یہ پورا ماجرا سامنے دیکھ رہا ہے کیونکہ بقول خان صاحب شیخ مرید سے کسی وقت جدا نہیں ہوتا ہر آن ساتھ ہے۔

بریلوی دوستو! یہ حیا سوز مسائل و حرکات کیا اسلامی تعلیم کا نچوڑ ہیں؟

چنانچہ ملفوظات کے اندر ہی دوسرے مقام پر یوں منقول ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی قبور مطہرات میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں۔ وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔ (ملفوظات اعلیحضرت حصہ دوم صفحہ ۳۱۰)

جس دین کی حجت سے سب ادیان تھے مغلوب
اب معترض اس دین پہ ہر ہرزہ سرا ہے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر موجود ہیں تو پھر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو قبروں میں پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بریلوی دوستو! اگر یہ اسلامی مسئلہ ہے تو پھر کتب احادیث وسیرت وتفاسیر معتبرہ سے دکھا دیجئے کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جو کہ ایک مدت تک زندہ رہیں کبھی ان میں سے ایک بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مرقد انور کے اندر حاضر ہوئیں ہوں؟ اسلامی تعلیمات سے اس کی دلیل ہرگز نہیں ملتی اصل بات یہ ہے کہ بریلویت کے افکار وعقائد بعید از عقل اور انسان کے فہم سے بالاتر ہیں انہی عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں اور ایک وقت میں اپنے جسم مبارک سمیت کئی مقامات پر موجود ہو سکتے ہیں۔

حقیقت میں یہ عقیدہ نہ صرف کتاب وسنت کی صریح مخالفت پر مبنی ہے بلکہ عقلی وخرد اور فہم تدبر سے بھی عاری ہے شریعت اسلامیہ میں اس قسم کے خود ساختہ عقائد ونظریات کی کوئی گنجائش نہیں ہے ان کے عقائد اور قرآن وحدیث کے درمیان وسیع تضاد پایا جاتا ہے شریعت اسلامیہ اور افکار بریلویہ کا نقطہ نظر اور نہج فکر الگ الگ ہے۔ دونوں کے درمیان کسی قسم کی مطابقت نہیں ہے، اللہ سب کو ہدایت کی توفیق دے اور حق کی معرفت نصیب فرمائے۔ آمین

حفیظ الرحمٰن قادری بریلوی کے دلائل کی حقیقت

پہلی دلیل اور اسکا جواب

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (۲۱/ الانبیاء:۱۰۷)

''ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔''

قادری صاحب لکھتے ہیں کہ اس ایک آیت مبارکہ میں کافی مسائل کا حل موجود ہے کہ جس طرح اللہ عزوجل رب العالمین ہے یعنی سارے جہانوں کے پالنے والا ہے۔ ہر ایک کو رزق دینے والا اب یہ اس صورت میں ہے کہ اللہ عزوجل کے قریب بھی ہو اور اختیار ہو۔ الحمد اللہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کی رحمت ہر جگہ موجود ہے ہر ایک کو رزق پہنچا رہا ہے تو اس طرح عزوجل کی عطا سے اس کے محبوب ﷺ رحمتہ للعالمین ہیں۔ (شرک کیا ہے صفحہ ۷۶)

الجواب: حقیقت یہ ہے کہ قادری صاحب نے صغرے کبرے تو خوب ملائے مگر اس آیت

مبارکہ سے ان کا خودساختہ مذہب ہرگز ثابت نہیں ہوتا قرون اولیٰ کی تمام تر قرآنی تفاسیر اٹھا کر دیکھیں یہ عقیدہ رسول اللہ ﷺ کا تھا نہ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کسی مسلمان مفسر نے یہ تفسیر نہیں کی رحمت للعالمین یہ آپ ﷺ کی صفت بیان کی گئی ہے رحمت صفت کا کسی میں پایا جانا ہر جگہ موجود اور حاضر ہونے کی دلیل ہرگز نہیں ہے۔

اس طرح تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴾ (۱۷/ اسراء:۸۲)

''قرآن مومنوں کے لیے رحمت ہے۔''

اور تورات کو بھی رحمت فرمایا۔ (٦/ الانعام:١٥٤)

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ﴾ (۲/ البقرہ:۱۷۸)

اور اسی طرح قصاص میں تخفیف کو بھی رحمت فرمایا۔

تو کیا ہر وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ نے رحمت کا اطلاق کر دیا وہ جہانوں کو محیط اور حاضر ناظر ہو جائے گی؟ مومنوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ ﴾ (٤/ النساء:١٧٥)

''پس اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔''

رحمت اگر جہانوں کو محیط ہے تو کیا خیال ہے وہ مومن جو رحمت کے بیچ میں ہوں گے وہ بھی جہانوں کو محیط اور ہر جگہ حاضر ناظر ہو جائیں گے؟

بارش کے لیے بھی اللہ نے لفظ رحمت استعمال کیا چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ﴾ (۲۷/ النمل:٦٣)

''جو اپنی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے۔''

اگر رحمت کا لفظ بارش پر اطلاق ہوا ہے کیا بارش ہر وقت ہر جگہ برستی رہتی ہے؟ حالانکہ کئی جگہ پر بارش ہوتی ہے کئی جگہوں پر نہیں ہوتی۔

رحمت للعالمین سے تمام جہانوں کے اندر موجود ہونے کا استدلال درست نہیں ہے کیونکہ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہونے کا مقصد آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا باعث

رحمت ہے۔ اگر رحمت ہونے کا مقصد تمام جہانوں میں موجود ہونا لیا جائے تو پھر جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (۳/ آل عمران:۹۶)

''بلا شبہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے تعمیر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے یہ گھر بابرکت ہے اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت ہے۔''

بیت اللہ تمام جہان والوں کے لیے ہدایت کا مرکز ہے تو کیا بیت اللہ جو مکہ میں واقع ہے یہ تمام جہانوں میں موجود ہے حالانکہ یہ صرف مکہ میں موجود ہے باقی دنیا کے کسی شہر میں بیت اللہ کا وجود نہیں پھر بھی ھدی للعالمین ہے اس طرح آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں مدفون ہیں جو مدینہ منورہ میں ہے لیکن آپ ﷺ کی تعلیمات تمام جہانوں کے لیے رحمت ہے۔

حفیظ الرحمٰن قادری کی دوسری دلیل اور اس کا جواب

قادری صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام ایک ہیں اور ایک وقت میں کتنے افراد کی روح قبض کرتے ہیں اور عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ﴾

(۳۲/ السجدہ:۱۱)

''تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے۔''

حضرت عزرائیل علیہ السلام اللہ عزوجل کی مخلوق ہیں اور ایک وقت میں مختلف جگہوں پر حاضر ہونا ثابت ہے تو یہ شان ہے خدمت گاروں کی سردار کا عالم کیا ہوگا۔ (کتاب مذکورہ صفحہ ۷۶)

الجواب: عزرائیل نام ہی کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور نہ قرآن سے، قادری صاحب نے ملک الموت کو حاضر ناظر ثابت کرنے کے لیے یہ آیت تحریر کی ہے یہ مفتی احمد یار بریلوی کے چبائے ہوئے لقمے دوبارہ چبانے کی کوشش کی گئی ہے خود تو کشادہ نظری سے قرآن کا مطالعہ کیا نہیں بلکہ وہی مخصوص رٹی رٹائی باتیں کی ہیں جو پہلے بریلوی کرتے رہے اگر قرآن کا

مطالعہ کیا ہوتا تو ان کو معلوم ہوتا کہ روح ایک ہی فرشتہ نہیں نکالتا بلکہ بے شمار فرشتے نکالتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ حَتّٰٓى إِذَا جَآءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴾

(٦/ الانعام: ٦١)

''یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔''

اس آیت میں رسل جمع کا صیغہ استعمال ہوا آگے وھم لا یفرطون اور وہ کمی نہیں کرتے یہ بھی جمع ہے۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ ﴾ (٤/ النساء: ٩٧)

''بیشک جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴾

(٤٧/ محمد: ٢٧)

''تو اس وقت ان کا کیسا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے، ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے۔''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ موت کے فرشتے بہت ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بڑی طاقت اور قوت پرواز بخشی ہے لیکن وہ عالم الغیب یا حاضر ناظر ہر جگہ ہرگز نہیں اگر وہ زمین پر ہیں تو آسمان پر نہیں اگر وہ آسمان پر ہیں تو زمین پر نہیں۔

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ لوگ نبی ﷺ کو حاضر ناظر ثابت کرنے کے لیے کبھی شیطان کی طرف بھاگتے ہیں کبھی عزرائیل کی مثالیں دیتے ہیں میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اتنا دور کیوں اندھیرے میں ٹکریں مارتے ہو صرف ایک دلیل اللہ کے قرآن سے پیش کر دو کہ نبی ﷺ

ایک ہی وقت میں اپنی حیات طیبہ میں اتنی جگہ بیک وقت موجود ہوئے ہم مان لیں گے یا تو رسول اللہ ﷺ کی ایک صحیح صریح حدیث مبارکہ پیش کردو کہ آپ ﷺ ایک ہی وقت میں اتنی جگہ موجود ہوئے ہم فوراً مان لیں گے اگر نہیں تو اللہ کا خوف کرو۔

قادری صاحب کی تیسری دلیل اور اس کا جواب

قبر میں انسان سے تین سوالات ہوتے ہیں جس میں ایک سوال یہ بھی ہوتا ہے۔

((وما كنت تقول في حق هذا الرجل)) (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۸٤)

''تو اس مرد کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا۔''

ھذا قریب، اشارہ ہے سرکار قبر میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور قبر والے سے پوچھا جاتا ہے اب ایک وقت میں کتنے افراد انتقال کرتے ہیں۔ (شرک کیا ہے صفحہ ۷۸)

الجواب: جب انسان دار فانی سے اپنا وقت پورا کر کے قبر کی آغوش میں پہنچتا ہے تو منکر نکیر جو سوالات کرتے ہیں ان میں سے ایک سوال نبی کریم ﷺ کے متعلق بھی ہوتا ہے۔ اور یہ بات کسی حدیث میں مذکورہ نہیں کہ آپ ﷺ خود تشریف لاتے ہیں اور نہ ہی اس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

قادری صاحب نے اسم اشارہ قریب سے رسول اللہ ﷺ کے قبر میں موجود ہونے پر استدلال کیا ہے، جو کہ درست نہیں ہے۔ کیوں کہ حضور دو قسم کا ہوتا ہے ایک حضور ذہنی اور دوسرا حضور شخصی یہاں حضور ذہنی مراد ہے شخصی نہیں یہ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر کیا ہے صفحہ ۲۴۰ ج ۱۔

اس کے علاوہ قرآن مجید اور کتب احادیث میں کئی مثالیں موجود ہیں کہ ھذا اسم اشارہ کو بعید کے معنوں میں استعمال کیا گیا اور یہ ضروری نہیں کہ جس کی طرف ھذا کا اشارہ ہو اور وہ پاس ہی موجود ہو قرآن مجید میں ہے کہ ملائکہ قوم لوط علیہ السلام کو غرق کرنے کے لیے تشریف لائے تو پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے آنے کا سبب پوچھا تو وہاں فرشتوں نے کہا:

﴿إِنَّا مُهْلِكُوٓا۟ أَهْلِ هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا۟ ظَٰلِمِينَ﴾ (۲۹/ العنکبوت:۳۱)

''ہم اس بستی کے باشندوں کو ہلاک کرنے والے ہیں کیوں کہ یہ ظالم ہیں۔''

لوط علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں تھے بستی سدوم پاس موجود نہیں تھی لیکن فرشتے ھذا کا اشارہ کر کے کہتے ہیں کیوں کہ سدوم ابراہیم علیہ السلام اور ملائکہ علیہ السلام کے ذہن میں تھا اس طرح صحیح بخاری ج ا ص ۴؛ مسلم ج ۲ ص ۹۷ میں مروی ہے کہ ہرقل روم نے بیت المقدس میں جب سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا:

((ایکم اقرب نسبا بھذا الرجل)) (مسلم وبخاری حوالہ مذکور)

''تم میں سے اس آدمی کے نسبی لحاظ سے کون زیادہ قریب ہے؟''

یہاں پر بھی ھذا کا اشارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوا یہ بھی حضور ذہنی تھے۔

بیت المقدس سے مدینہ تقریباً ۱۰۷ میل کی مسافت پر ہے لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ حضور ذہنی تھا شخصی نہیں تھا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کے وقت وہاں موجود نہیں تھے۔

اس طرح صلح حدیبیہ میں بدیل بن ورقاء مشرکین مکہ کی طرف سے شرائط صلح نامہ طے کرنے کے لیے سفیر بن کر آیا اور گفتگو کر کے واپس مکہ پہنچا تو اُس نے کہا کہ:

((انا قد جئنا کم من عند ھذا الرجل))

(بخاری شریف ج ۱ ص ۳۷۸)

''ہم تمہارے پاس اس آدمی سے ہو کر آئے ہیں۔''

اسی طرح صحیح بخاری میں دوسرے مقام پر سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا سنا تو تحقیق حال کے لیے اپنے بھائی کو بھیجا اور کہا:

((ارکب الی ھذا لوادی فاعلم لی علم ھذا الرجل))

(بخاری ج ۱ ص ٤٤؛ مسلم ۲۹۷)

''تو اس وادی کی طرف سوار ہو مجھے اُس آدمی کے بارے میں معلومات فراہم کر۔''

اس قسم کی بہت سی مثالیں کتب احادیث میں موجود ہیں کہ ھذا اسم اشارہ کو دور اور حضور ذہنی کے لیے استعمال کیا گیا ہے اسی طرح قبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اور اس میں لفظ ھذا استعمال ہوا ہے وہ بھی حضور ذہنی کے لیے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے قبر میں کسی مردے کے پاس حاضر ہونے کی صراحت کسی صحیح حدیث میں نہیں بلکہ حاضر نہ ہونے کے شواہد ضرور ملتے ہیں جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کالا مرد یا عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا یا ایک کالی عورت دیا کرتی تھی وہ مرگئی یا مرگیا تو آپ ﷺ کو اس کے مرنے کی خبر نہ ہوئی ایک دن آپ ﷺ نے اس کو یاد فرمایا اور پوچھا وہ کدھر ہے لوگوں نے عرض کیا وہ فوت ہوگیا یا ہو گئی آپ ﷺ نے فرمایا تم نے مجھ کو خبر کیوں نہیں دی اور لوگوں نے کچھ وجہ بتائی آپ ﷺ نے فرمایا اب مجھے اس کی قبر بتاؤ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا پھر آپ ﷺ نے اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔

(صحیح بخاری جلد١ ص ٥٧٨ کتاب الجنائز حدیث ١٢٥٦)

غور فرمائیں اگر آپ ﷺ قبر میں مردے کے پاس حاضر ہوتے تو مسجد کے خادم یا خادمہ کی موت کا علم ہوتا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شکوہ نہ کرتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قبر دریافت نہ کرتے کیونکہ سوال وجواب کے وقت خادم کے پاس موجود تھے پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ کہاں ہے مجھے کیوں نہیں بتایا اس کی قبر کہاں ہے اس سے روز روشن کی طرح بات عیاں ہے کہ آپ ﷺ کسی کے پاس قبر میں موجود نہیں ہوتے اگر آپ ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر تھے تو پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس خادم مسجد کا جنازہ پڑھا اس وقت ان کے پاس حاضر و ناظر کیوں نہیں تھے۔ اگر تھے تو پھر یہ کیوں کہا کہ مجھے کیوں نہیں بتایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قادری صاحب کے اسم اشارہ ھذا سے حاضر کا مسئلہ بالکل ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی ھذا اسم اشارہ کا اس سے کوئی تعلق ہے، یہ اشارہ قریب اور دور دونوں کی جگہ قرآن وحدیث میں استعمال ہوا ہے۔

قارئین محترم ہماری آپ سے درخواست ہے کہ مذکورہ بالا دلائل پر غور فرمائیں پھر فیصلہ خود کریں کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا نہیں یہ عقیدہ درست ہے یا غلط اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو صحیح عقیدہ سمجھنے اور اپنانے کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین

قرآن کی نظر میں غیر اللہ سے مدد مانگنا کیسا ہے؟

حفیظ الرحمٰن قادری لکھتے ہیں کہ آج اس بارے میں بڑا شور مچایا جاتا ہے، بلکہ اشتہارات بھی لگائے جاتے ہیں یااللہ مدد صرف اللہ سے مانگو کوئی داتا نہیں کوئی دینے والا نہیں اس قسم کے اشتہارات آپ پڑھتے رہتے ہوں گے۔ (شرک کیا صفحہ ۸۱)

الجواب: قارائین محترم مدد مانگنا دو طرح کا ہوتا ہے ایک ماتحت الاسباب دوسرا مافوق الاسباب قرآنی دلائل شروع کرنے سے پہلے ان الفاظ کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیوں کہ یہاں ان پڑھ لوگوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے اور مسئلہ بتانے میں دونوں طرح کی مدد کا فرق واضح نہیں کیا جاتا جس سے عوام الناس دھوکے بازوں کے مکر کی وجہ سے، پریشانی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ماتحت الاسباب

آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دار الاسباب بنایا ہے ہر مقصد کے حصول کے لیے کچھ نہ کچھ اسباب موجود ہیں جن کو اپنا کر ہم اپنا مطلوبہ مقصد حاصل کرتے ہیں مثلاً حصول صحت کے لیے دوا استعمال کرتے ہیں اور یہ کام انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کرتے رہے حصول رزق کے لیے کوشش اور محنت ہے حصول اولاد کے لیے شادی وغیرہ کے اسباب اختیار کیے جاتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کام کے کرنے کے لیے اسباب وغیرہ کا محتاج نہیں ہے وہ چاہے تو بغیر اسباب کے بھی محض اپنی قدرت کاملہ واختیار سے کوئی کام کر دے ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم ان اسباب کو ترک نہ کریں بلکہ ان اسباب کو اختیار کرتے ہوئے پھر بھی مکمل بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی رکھیں۔

جو کام ہم ان اسباب عادیہ کو بروئے کار لا کر کرتے ہیں اسے ماتحت الاسباب کہتے

ہیں۔ مثلاً کسی کو بھوک لگی ہو تو وہ کھانا طلب کرتا ہے اس کو چاہیے کہ کھانا حاصل کرنے کی پوری کوشش کرے پیاس لگی ہو تو پانی تلاش کرے اگر اس کے پاس کوئی آدمی موجود ہو تو اس سے پانی طلب کرے شریعت اسلامیہ میں اس کی ہرگز ممانعت نہیں ہے یا کوئی شخص بیمار ہو تو وہ ڈاکٹر کو بلائے یا خود چل کر جائے اپنی حاجت بتائے حصول صحت کے لیے دوا طلب کرے اس کے کہنے کے مطابق دوائی استعمال کرے شریعت کی رو سے جائز اور درست ہے بلکہ سنت ہے۔ کیوں کہ یہ اسباب کے اندر رہ کر سب کچھ کر رہا ہے جہاں سبب موجود ہوں وہاں کسی سے مدد طلب کرنا جائز ہے مثلاً کوئی شخص ڈوب رہا ہے تو وہ اپنے آپ کو بچانے کی پوری کوشش کرے۔ کسی سہارے کو تلاش کرے تاکہ اس کی مدد سے بچ سکے یا وہاں کوئی آدمی موجود ہو تو اسے مدد کے لیے بلائے یہ بھی شریعت کی رو سے جائز ہے یوں سمجھیں کہ جس کام کا کسی کے پاس اختیار ہو اور وہ سبب بھی موجود ہو تو مدد کے لیے بلانا جائز اور درست ہے کیونکہ اسباب کے تحت لوگوں کی مدد کے انبیاء علیہم السلام بھی طلبگار تھے ان کو بھی ماتحت الاسباب لوگوں کی مدد کی ضرورت تھی۔

چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے مدد مانگی تھی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ﴾

(٦١/ الصف:١٤)

''اے ایمان والو دین خدا کے مددگار ہو جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کون ہے جو اللہ کی طرف ہو کر میری مدد کرے حواری بولے ہم دین خدا کے مددگار ہیں۔''

کیوں کہ یہاں سبب موجود تھا ماتحت الاسباب دینی کام کی دنیاوی ضرورت کے تحت اسباب عادیہ موجود ہونے کی وجہ سے مدد مانگی ایسی مدد تو کسی غیر مسلم سے بھی مانگی جا سکتی ہے مثلاً ایک جگہ پر کوئی بوجھل چیز پڑی ہے ہم اس کو اٹھانا چاہتے ہیں مگر اٹھا نہیں سکتے ہمارے پاس ایک غیر مسلم آدمی کھڑا ہے ہم اس کو مدد کا کہہ سکتے ہیں کہ یار یہ بوجھ اٹھوا دو یہ جائز ہے۔

کیوں کہ جس کام کے لیے ہم نے مدد مانگی وہ شخص کام کرسکتا ہے اس کے اختیار میں ہے۔لہذا سبب کے موجود ہونے کی وجہ سے مدد طلب کرنا درست ہے شرک نہیں ایسی دنیاوی امداد انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم کی فرمائی تھی۔

جیسا کہ قران مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ (۹/ التوبہ:۱۰۰)

''اور سب میں اگلے پہلے مہاجرین اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔''

اس آیت مبارکہ میں مہاجرین اور انصار کا ذکر آیا ہے انصار اپنے ہجرت کرنے والے بھائیوں کی مدد تعاون کرنے والے تھے جو کچھ ان کے پاس موجود تھا انہوں نے اپنے مہاجرین بھائیوں کو دے کر ان کی مالی مدد کی تعاون کیا کیوں کہ نیکی کے کام میں اپنے بھائی سے تعاون کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دیا ہے ارشاد ربانی ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

(۵/ المائدہ:۲)

''اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔''

اور مافوق الاسباب جہاں اسباب عادی موجود نہ ہوں پیاسا شخص یا بیمار یا ڈوبنے والا کسی ایسی ہستی کو پکارتا ہے جو اس سے بہت دور ہے عام اسباب کے تحت اس کی آواز وہاں تک نہیں پہنچ سکتی یا کسی فوت شدہ آدمی کو پکارتا ہے اور اس کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر چہ سننے سنانے کے اسباب موجود نہیں ہیں۔

مگر پھر بھی میرے حالات کو جانتا ہے اور عادی اسباب نہ ہونے کے باوجود میری مدد اور مشکل کشائی کی طاقت اور اختیار رکھتا ہے تو یہ پکارنا مافوق الاسباب پکارنا ہے اس ہستی کے اختیار کا عقیدہ جو اس کے ذہن میں ہے یہ بھی مافوق الاسباب اختیار کا عقیدہ ہے۔

ایسے اختیارات اور طاقت کا مالک صرف اللہ ہے ایسی پکار اور ایسا عقیدہ صرف اللہ کے بارے میں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ سننے جاننے اختیار اور تصرف کے لیے اسباب کا محتاج نہیں ہے۔

جبکہ مخلوق اسباب کی محتاج ہے غیر اللہ کے اندر وہی قوت اختیار ماننا پھر ان کو مافوق الاسباب پکارنا ایسا عقیدہ رکھنا شرک کہلائے گا یہی معنی مافوق الاسباب مدد مانگنے کا ہے یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ مخلوق کے سب اختیارات ماتحت الاسباب ہیں ہم بھی سنتے جانتے اختیار رکھتے ہیں کام کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں مگر یہ تمام کام اسباب کے اندر رہ کر کرتے ہیں اسباب کے دائرہ سے باہر ہمارا کچھ اختیار نہیں ہے قرآن کریم میں غیر اللہ کو مافوق الاسباب پکارنے اور مدد مانگنے کی نفی کی گئی ہے۔ قرآنی دلائل کو نقل کرنے سے پہلے ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں قرآن مجید میں یہ الفاظ کئی مقامات پر آئے ہیں "من دون اللہ و من دونہ" جس کے معنی ہیں اللہ کے علاوہ (ماسوی اللہ) اللہ کے علاوہ جو چیز بھی ہے، وہ غیر اللہ ہے اللہ نہیں۔ بعض لوگوں نے توحید کی آیات کی نفی کرنے کا ایک بہانہ بنالیا ہے کہ من دون اللہ سے مراد صرف بت ہیں یہ ایک بہت بڑا مغالطہ دیا جاتا ہے میرے بھائیو! یاد رکھو کہ من دون اللہ سے مراد بت ہی نہیں بلکہ اللہ کے علاوہ ہر چیز من دون اللہ ہے قرآن مجید سے واضح کرتے ہیں کہ من دون اللہ سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام بھی ہیں چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (۳/ آل عمران:۷۹)

"کسی بشر کا کچھ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہے تم اللہ کے علاوہ میرے بندے بن جاؤ۔"

یہاں من دون اللہ کا لفظ انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے بولا گیا ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ من دون اللہ سے مراد صرف بت ہیں ان کا کہنا محض مغالطہ دھوکہ اور فریب ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے کہ علماء اولیاء اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی من دون اللہ میں شامل کیا ہے

چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾

(۹/ التوبہ:۳۱)

''انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے علماء و مشائخ کو رب بنا رکھا ہے اور مسیح ابن مریم علیہ السلام کو بھی۔''

اس آیت مبارکہ میں من دون اللہ سے مراد علماء مشائخ اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

من دون اللہ سے مراد بت ہی نہیں بلکہ اللہ کے بندے بھی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (۷/ الاعراف:۱۹۴)

''بیشک اللہ تعالیٰ کے علاوہ جنہیں تم پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہیں انہیں پکار کے دیکھو یہ تمہاری پکار کا جواب دیں اگر تم سچے ہو۔''

من دون اللہ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام صدیقہ، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (۵/ المائدہ:۱۱۶)

''اور جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنا لو اللہ کے سوا۔'' (ترجمہ: احمد رضا خان بریلوی)

ان آیات مبارکہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ من دون اللہ سے مراد انبیاء علیہم السلام اولیاء رحمۃ اللہ علیہم بلکہ اللہ کے علاوہ تمام مخلوقات ہیں جن کی مافوق الاسباب غائبانہ طور پر مدد کے لیے پکارنے کی ممانعت ہے اور ان کے اختیارات کی نفی قرآن کریم میں بیان کی گئی ہے۔

﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (۸/ الانفال:۱۰)

''اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔''

ایک اور آیت کریمہ ہے:

﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ ﴾ (۲/ البقرہ:۱۰۷)

''کیا تم جانتے نہیں کہ آسمان اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے اور اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی مددگار نہیں۔''

ایک اور جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ ﴾ (۹/ التوبہ:۱۱۶)

''بے شک اللہ ہی کے لیے ہے آسمان اور زمین کی سلطنت جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی والی اور نہ مددگار ہے۔'' (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی صاحب)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ ﴾ (۴۲/ شوریٰ:۳۱)

''تم اللہ تعالیٰ کو کسی طرح عاجز نہیں کر سکتے اور تمہارا اللہ کے علاوہ کوئی مددگار نہیں۔''

اسباب کے بغیر اللہ کے علاوہ کوئی مدد نہیں کر سکتا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّیْهِ اِلَى الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ﴾ (۱۳/ الرعد:۱۴)

''صرف اللہ ہی کو پکارنا سچ ہے جن کو یہ لوگ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کسی طرح قبول نہیں کرتے مگر اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے تاکہ پانی اس کے منہ تک آپہنچے حالانکہ وہ اس تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ ﴾ (۷/ الاعراف:۱۹۴)

''بیشک اللہ کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو وہ تم ہی جیسے بندے ہیں۔''

اللہ کا ایک اور فرمان:

﴿ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴾ (۳۵/ فاطر:۱۳)

''اور اللہ کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔''

وہ شاید قفس ہی میں عمریں گنوائیں
گئیں بھول صحرا کی جن کو فضائیں

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴾

(۱۶/ النحل:۲۰)

''اللہ کے علاوہ جن کو وہ پکارتے ہیں انہوں نے کوئی چیز نہیں پیدا کی بلکہ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴾ (۶۷/ الملك:۲۰)

''بھلا کون ہے جو تمہاری فوج ہو کر اللہ کے سوا تمہاری مدد کر سکے۔ کافر تو دھوکے میں ہیں۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾

(۲/ آل عمران:۱۶۰)

''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ پر ہی بھروسہ رکھیں۔''

قارئین محترم غور فرمائیں کہ مافوق الاسباب مدد انبیاء کرام علیہم السلام نے کس سے مانگی چنانچہ سیدنا نوح علیہ السلام نے مشکل میں مدد صرف اللہ سے مانگی۔

﴿ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ۝ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ۝ ﴾ (٥٤/ القمر:٩۔١٠)

''ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے ہمارے بندے نوحؑ کو جھٹلایا تھا اور دیوانہ کہہ کر جھڑک دیا تھا پس انہوں نے اللہ سے دعا مانگی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد فرما۔''

اس طرح جناب ہود علیہ السلام نے بھی اللہ سے مدد مانگی

﴿ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ ﴾ (٢٣/ المومنون:٣٩)

''اے اللہ ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد فرما۔''

میدان بدر میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے مدد مانگی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد فرمائی:

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾

(٣/ آل عمران:١٢٣)

''جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت تمہاری مدد فرمائی جب تم کمزور تھے اللہ سے ڈرو اور اس کا شکریہ ادا کرو۔''

توحید کی آیات کو رد کرنے کا لوگوں نے ایک بہانہ بنا رکھا ہے کہ یہاں پر بتوں کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے حالانکہ بتوں کی حقیقت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بُت پرستی بھی اولیاء اللہ کی محبت میں کی گئی وگرنہ بتوں کی پوجا کرنے والے ہر پتھر اور ہر درخت کو نہیں پوجتے تھے بلکہ خاص پتھر و درخت تھے جو نیک لوگوں کے ناموں سے منسوب تھے ان کی پوجا نیک لوگوں کی محبت میں کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صراحت موجود ہے، کہ قوم نوح علیہ السلام کے وہ پانچ بت جن کا ذکر قرآن مجید سورہ نوح میں کیا گیا ہے۔ دراصل قوم نوح علیہ السلام کے نیک آدمیوں کے نام تھے جب وہ مر گئے تو شیطان نے

ان کے عقید تمندوں کو کہا کہ ان کی یاد تازہ رکھنے کے لیے ان کے مجسمے بنا کر اپنی بیٹھکوں میں رکھ لو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن جب مجسمے بنانے والے فوت ہو گئے تو ان کے بعد کی نسل نے ان کی تصویروں اور مجسموں کی عبادت شروع کر دی۔

(صحیح بخاری تفسیر سورہ نوح ج ۲ ص ۸۳)

حالانکہ ہر کوئی نماز میں اللہ سے وعدہ کرتا ہے۔

﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ (۱/ فاتحہ:۴)

''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔''

مگر نماز کے بعد انکے ہزاروں مددگار ہوتے ہیں جن کو مدد کے لیے پکارتے ہیں یعنی وعدہ کر کے مکر جاتے ہیں اور کئی مشکل کشا بناتے ہیں قرآن وسنت پر توجہ ہی نہیں دیتے ورنہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح فرمایا:

﴿ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ (۶/ الانعام:۱۷)

''اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو اسکا دور کرنے والا سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں اور اگر تجھ کوئی اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔''

قرآن کی فریاد:

﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ (۱۰/ یونس:۱۰۶)

''اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو مت پکارو جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ نقصان پہنچا سکے پھر اگر ایسا کیا تو تم ایسی حالت میں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔''

مافوق الاسباب مدد صرف اللہ ہی سے مانگنی چاہیے یہی تعلیم انبیاء علیہم السلام نے دی چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا:

﴿ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ﴾ (۷/ الاعراف:۱۲۷)

''موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرو اور صبر کرو۔''

کیوں کہ اسباب کے بغیر مدد کرنا اللہ کا حق ہے:

﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (۳۰/ الروم:٤٧)

''اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی۔''

اطاعت گزار کو جو جزا ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام سے ہے یہاں بدلہ عوض کا معاملہ نہیں ہوتا جیسے مخلوق کے مابین عام طور پر ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی مخلوق کو جو فضل وانعام کا حق پہنچتا ہے یہ خصوصی حق ہے غیر کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا بے سود ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے کہ:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴾ (۲۲/ الحج:۷۳)

''لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو کہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کے لیے سب متحد ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔''

ہر مشکل میں مافوق الاسباب مدد صرف اللہ سے ہی مانگنی چاہیے جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی:

﴿اذا سألت فاسأل الله واذا استعنت فاستعن بالله﴾

(/ ترمذی شریف:۲۵۱۲ وصحیه الالبانی)

''تم جب بھی سوال کرنا چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے کیا کرو اور جب بھی مدد طلب کرنا چاہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کیا کرو۔''

نیز رب ذوالجلال نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴾ (۱۳/ الرعد:۱٦)

''آپ پوچھیے کہ زمین وآسمان کا رب کون ہے؟ آپ خود ہی بتا دیجیے کہ اللہ ہے آپ کہیے کہ کیا تم لوگوں نے اُس کے سوا دوسروں کو یارو مددگار بنالیا ہے جو خود اپنی ذات کے لیے بھی نفع ونقصان کے مالک نہیں آپ کہیے کہ کیا نابینا اور بینا دونوں برابر ہیں؟ یا کیا تاریکیاں اور روشنی برابر ہے یا کیا انہوں نے اللہ کے کچھ ایسے شریک بنالیے ہیں جنہوں نے اللہ کی مخلوق کی طرح کسی کو پیدا کیا ہے اور وہ مخلوقات ان کی نظر میں گڈمڈ ہو گئے ہیں؟ آپ اعلان کر دیجیے کہ اکیلا اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے وہ تنہا زبردست ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴾

(۷/ الاعراف:۱۹۱)

''کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کیے جاتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴾ (۷/ الاعراف:۱۹۲)

''اور نہ ان کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنی مدد کر سکتے ہیں۔''

مزید فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴾

(۷/ الاعراف:۱۹۷)

''اور جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ نہ تمہاری ہی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔''

پھر فرمایا:

﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ﴾

(۳۹/ زمر:۳۸)

''کہ بھلا یہ بتاؤ کہ اللہ کے سوا تم جنہیں پکارتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اللہ مجھ پر عنایت کرنا چاہے تو یہ اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں۔''

؎ ہے مریدوں کو تو حق بات گوارا لیکن
شیخ و ملا کو بری لگتی ہے درویش کی بات

غیر اللہ کے متعلق غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب کو فرق کو ملحوظ رکھے بغیر سادہ لوگوں کو گمراہ کرنے اور انہیں قرآنی حقائق اور حدیثی معارف سے دور رکھنے کے لیے انتہائی سطحی قسم کی گفتگو کرنا شروع کر دیتے ہیں کیوں کہ ان کے پاس قرآن و حدیث کی دلیل تو ہوتی نہیں دل و دماغ میں کینہ بغض و نفرت کا ایک طوفان بپا ہوتا ہے۔

ان کے نزدیک قرآن وسنت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ جاہل قسم کے مولوی حضرات سے سنے سنائے قصے کہانیاں ہی ان کی دلیل ہوتی ہیں مخالف کی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے جب قرآن و حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے تو اس پر غور کرنے کی بجائے اعتراض کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز نہیں تو پھر آپ اپنی بیویوں سے کھانا کیوں طلب کرتے ہیں؟ اپنے ہمسایوں سے ضرورت کی اشیاء کیوں مانگتے ہیں؟ مساجد اور مدارس کے لیے لوگوں سے چندہ کیوں مانگتے ہیں؟ ڈاکٹر سے دوائی کیوں لیتے ہیں؟

① پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ بیوی سے کھانا مانگنا ماتحت الاسباب ہے بیوی کے پاس کھانا موجود ہوگا تو دے گی اگر کسی کی بیوی فوت ہو جائے تو وہ قبرستان میں جا کر بیوی سے کھانا مانگے تو اس کو کھانا مل جائے گا؟ اسی طرح کوئی زندہ آدمی اگر ہمارے پاس موجود ہو اور ہم اس سے کسی معاملہ میں مدد طلب کریں تو اگر اس کے اختیار میں وہ کام ہوا تو مدد کرے گا ورنہ نہیں۔

② مساجد اور مدارس کے لیے چندہ ان لوگوں سے مانگا جاتا ہے جو زندہ موجود ہیں اور وہی دینگے جن کے پاس پیسے موجود ہیں اور اگر کوئی بزرگوں کے قبرستان میں جا کر چندہ مانگے تو کیا قبروں میں مدفون بزرگ چندہ دے سکتے ہیں؟ یقین نہیں آتا تو تجربہ کر کے دیکھ لیں شاید آپ کو ہماری بات پر یقین آ جائے......!

③ ڈاکٹر سے دوائی کا جہاں تک تعلق ہے ڈاکٹر سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ مجھے شفا دے میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے اگر آپ کے پیٹ میں درد ہو تو ایک آدمی آپ کو فوراً مشورہ دے گا کہ فلاں ڈاکٹر کے پاس چلے جاؤ اس لیے کہ ڈاکٹر تجھے دوائی دے گا اور دوائی سے شاید آپ ٹھیک ہو جائیں یہ ڈاکٹر کا دوائی دینا سبب ہے۔ اگر ڈاکٹر سے کہے کہ دوائی کے بغیر مجھے شفا دے تو بغیر دوائی کے سبب ڈاکٹر کچھ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ دوائی ایک سبب ہے۔ سبب کے ذریعے مدد مانگنا نبی پاک ﷺ اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے دوائی استعمال کرنا بھی انبیاء کی سنت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے مگر سبب کے بغیر مدد صرف اللہ سے ہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے طلب کی ہے مخلوق اسباب کی محتاج ہے مگر اللہ کسی سبب کا محتاج نہیں ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ڈاکٹر کے ہاتھ میں شفا دینے کا اختیار ہے۔ ڈاکٹر خود دوائی کا محتاج ہے جب ڈاکٹر دوائی کا محتاج ہے تو شفا کیسے دے سکتا ہے ڈاکٹر تو دوائی کے ذریعے کوشش کرے گا دوائی میں شفا کی تاثیر پیدا کرنا اللہ کا کام ہے۔

اس قسم کی دوسری باتیں کرنا مشرکانہ ذہنیت کی فریب کارانہ چالیں ہیں جن سے عوام کو دھوکا دیا جاتا ہے اور انہیں توحید وسنت کے چشمہ صافی سے دور رکھنے اور اپنے جال میں پھنسائے رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ قرآن وسنت کی رو سے دنیوی معاملات میں اس قسم کی مدد لینا اور مدد دینا صرف جائز بلکہ کار ثواب ہے۔

بشرطیکہ جس سے مدد مانگی جارہی وہ اس پر قادر ہو اور اس سے جو کچھ مانگا جارہا ہے وہ چیز اس کے قبضہ اختیار میں ہو۔ اور جن امور کی طاقت وقدرت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں ان معاملات میں غیر اللہ سے مدد مانگنا مصائب ومشکلات میں انہیں دور ونزدیک سے اعانت کے لیے پکارنا انہیں نفع ونقصان کا مالک سمجھنا حاجت روا ومشکل کشا جاننا یہ سب اختیارات مافوق الاسباب اللہ تعالیٰ کے ہیں کسی دوسرے کو سمجھنا و گرداننا شرک ہے۔

بعض مولویوں کی طرف سے پھیلائی جانے والی گمراہی کی حقیقت عام فہم سادہ مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں پروفیسر علامہ عبدالستار حامد حفظہ اللہ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ایک عورت کی شادی کو کافی عرصہ گزر چکا ہے مگر اس کی گود اولاد سے خالی ہے وہ دونوں میاں بیوی اکثر اس محرومی پر افسردہ اور پریشان رہتے ہیں کیونکہ اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور رحمت ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ رب العزت بے اولادوں کو نیک اولاد نصیب فرمائے اور ہم سب کی اولادوں کو نیک نمازی اور فرمانبردار بننے کی سعادت نصیب فرمائے آمین ایک دن بے اولاد عورت کے گھر نمک ختم ہو جاتا ہے اب اسے نمک کی ضرورت ہے وہ اپنی ہمسائی سے نمک مانگ لیتی ہے اس کی پڑوسن اسے نمک دے دیتی ہے۔ پھر کسی دن وہی عورت اپنی ہمسائی سے مرچیں مانگ لیتی ہے پھر ایک دن ماچس کا مطالبہ کرتی ہے۔ ایک دن ہانڈی میں ڈالنے کے لیے تھوڑا گھی بھی طلب کر لیتی ہے اب کوئی شخص یوں کہے کہ جب تم نے نمک مرچ ماچس گھی اور مصالحہ غیر اللہ سے مانگ لیا ہے تو اب اس ہمسائی سے ایک لڑکی یا لڑکا بھی مانگ لے تو اسے عقل کا اندھا علم سے پیدل اور احمقوں کا سردار ہی کہا جائے گا۔ آپ غور فرمائیں کہ جو چیز اس نے ہمسائی سے مانگی وہ تو اس کے پاس موجود تھیں۔ تو کیا اولاد شفا زندگی اور موت کا اختیار اللہ کے علاوہ کسی کے پاس موجود ہے۔ (تفسیر سورہ فاتحہ صفحہ ۳۸۸)

ہرگز نہیں تو ایسا کرنے والے کی گمراہی میں کیا شک ہو سکتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ۝ ﴾ (۴۶/ احقاف:۵)

”اور اس شخص سے بڑا گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے لوگوں کو پکارتا

ہے جو اس کی پکار قیامت تک نہیں سن سکتے اور وہ ان کی دعا و پکار سے۔ غافل اور بے خبر ہیں۔"

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح مسئلہ سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

"اور اس شخص سے بڑا گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے لوگوں کو پکارتا ہے جو اس کی پکار قیامت تک نہیں سن سکتے اور وہ ان کی دعا و پکار سے۔ غافل اور بے خبر ہیں۔"

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
دوستو کچھ بھی فرمان محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

حفیظ الرحمٰن قادری کا ایک فریب لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

"اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کیساتھ ہے۔" (۲/ البقرہ ۱۵۳)

یہاں پر استعانت کا لفظ صبر اور نماز کے ساتھ استعمال ہوا ہے حالانکہ نہ صبر خدا ہے نہ نماز خدا ہے بلکہ یہ وہ صفات ہیں جو وجود میں بندے کی محتاج ہیں۔ (شرک کیا صفحہ ۸)

الجواب: قادری صاحب بھی قرآنی آیت سے اپنی مرضی کا نتیجہ اخذ کرتے ہیں حالانکہ آج تک کسی محدث قرون اولیٰ کے کسی مفسر نے یہ خود ساختہ نتیجہ اخذ نہیں کیا مگر بریلوی حضرت کو اپنا بناوٹی مذہب ثابت کرنے کے لیے قرآن کے مفہوم کو بگاڑنا کیوں نہ پڑے یہ سب کام کر گزرتے ہیں حالانکہ اس آیت مبارکہ میں غیر اللہ سے مدد مانگنے کا تصور بالکل بھی نہیں پایا جاتا بلکہ اللہ سے مدد مانگنے کی ترغیب دلائی گئی ہے چنانچہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد چاہو اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔ انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں آرام وراحت یا تکلیف و پریشانی نعمت میں شکر الٰہی کی تلقین اور تکلیف میں صبر اور اللہ سے استعانت کی تاکید ہے حدیث مبارکہ میں ہے کہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اسے خوشی پہنچتی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے دونوں ہی حالتیں اس

کے لیے خیر ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الذھد والرقاق حدیث ۲۹۹۹)

لہٰذا اس آیت مبارکہ میں نماز اور صبر کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قادری صاحب نماز اور صبر کو مددگار سمجھ رہے ہیں پھر اس کے کیا معنی ہوں گے کہ اگر کوئی آدمی آپ کے سامنے شور کر رہا ہو آپ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ آرام سے بات کرو تو معنی یہ ہوگا کہ آرام کوئی شخص ہے تم اس سے بات چیت کرو قادری صاحب کے فلسفے کا تو یہاں بھی معنی یہی ہوگا یا پھر کوئی آدمی کسی کام میں جلدی کر رہا ہو تو آپ اسے کہتے ہیں یار صبر سے کام لے تو کیا اس کا معنی یہ ہوگا کہ صبر کوئی شخصیت ہے جس سے تم اپنا کام لے لو تو ایسا استدلال کرنے والے کی جہالت میں کیا شک ہو سکتا ہے اللہ سے دعا کریں کہ ہمیں صحیح بات سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین

بقول شاعر

طوفان میں جب جہاز ہے چکر کھاتا
جب قافلہ وادی میں ہے سر ٹکراتا
اسباب کا آسرا ہے جب اٹھ جاتا
واں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

مسئلہ حیات النبی ﷺ قرآن کی روشنی میں

حفیظ الرحمٰن قادری بریلوی صاحب لکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم زندہ ہیں۔

(شرک کیا ہے صفحہ ۸۷)

قارئین محترم مسئلہ حیات النبی ﷺ بلا وجہ باعث نزاع و شفاق بنا ہوا ہے بریلوی اس بات پر بضد ہیں کہ آپ ﷺ، اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر انبیاء علیہم السلام اب بھی بقید حیات دنیویہ ہیں۔

دوسری طرف جماعت اہل حدیث کا کہنا ہے کہ ایسا سمجھنا نصوص صریحہ قرآن وحدیث اور اہل سنت کے مسلمات کے خلاف ہے سب سے پہلے مسئلہ حیات انبیاء علیہم السلام کو میں قرآن وحدیث سے پیش کروں گا جو اہل حدیث کا عقیدہ ہے باب کے آخر میں بریلوی حضرات کے شبہات کے جوابات دیئے جائیں گے۔ قارئین سے میری گزارش ہے کہ وہ فریقین کے دلائل کو کشادہ نظری سے پڑھیں ضد اور تعصب کی عینک اتار کر غور فرمائیں حق کیا ہے فیصلہ خود فرمائیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (۲۱/ الانبیاء:۳۵)

”ہر ایک نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔“

دوسرے مقام پر ہے:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ (۳۹/ زمر:۳۰)

”(اے نبیؐ) بیشک آپ کو بھی مرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی موت آنی ہے۔“

تیسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ﴾

(۲۱/ الانبیاء:۳۴)

''ہمیشگی تو ہم نے تم سے پہلے بھی کسی انسان کے لیے نہیں رکھی (اے نبیؐ) اگر آپ فوت ہو گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے؟''

چوتھے مقام پر فرمایا:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ﴾ (۳/ آل عمران:۱۴۴)

''اور محمدؐ تو صرف رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اگر آپ ﷺ کو موت آجائے یا قتل (کرکے) شہید کردیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟''

محمد ﷺ صرف رسول ہیں یعنی ان کا امتیاز بھی وصف رسالت ہی ہے یہ نہیں کہ وہ بشری خصائص سے بالاتر اور خدائی صفات سے متصف ہوں کہ انہیں موت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ جنگ احد میں شکست کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کافروں نے یہ افواہ اڑادی کہ محمد ﷺ قتل کردیئے گئے مسلمانوں میں جب خبر پھیلی تو بعض مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور لڑائی سے پیچھے ہٹ گئے جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی ﷺ کافروں کے ہاتھوں قتل ہو جانا یا اس پر موت کا وار ہو جانا کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ پچھلے انبیاء علیہم السلام بھی قتل اور موت سے ہم کنار ہو چکے ہیں اگر آپ ﷺ بھی (بالفرض) اس سے دوچار ہو جائیں تو کیا تم اس دین سے پھر ہی جاؤ گے۔

(تفسیر احسن البیان صفحہ ۱۷۷)

پانچویں مقام پر فرمایا:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

(۶/ الانعام:۱۶۲)

''(اے نبی) آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب رب العالمین کے لیے ہی ہے۔''

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو موت آنی ہی نہ تھی تو پھر میری موت کہنے کے کیا معنی ہیں خود غور فرمائیں۔

چھٹے مقام پر فرمایا:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (۲۱/ الانبیاء:۷)

''اور ہم نے تم سے پہلے مرد ہی پیغمبر بنا کر بھیجے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے اگر تم نہیں جانتے جو یاد رکھتے ہیں ان سے پوچھ لو۔''

مزید فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴾

(۲۱/ الانبیاء:۸)

''اور ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴾

(۵۵/ الرحمٰن:۲۶۔۲۷)

''جو کوئی ہے سب کچھ فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی تیرے رب کی ذات جو صاحب جلال واکرام ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ﴾ (۲۸/ قصص:۸۸)

''اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾ (۱۶/ النحل:۲۰۔۲۱)

''اور جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی نہیں بنا سکتے اور وہ خود مخلوق ہیں۔ وہ مردے ہیں زندہ نہیں اور ان کو خبر نہیں کہ وہ (مردے) کب اٹھائے جائیں گے۔''

ان آیات سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ اور تمام انسانوں پر موت طاری ہونا حق ہے اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام پر بھی اللہ تعالیٰ نے موت کا فیصلہ کیا چنانچہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ﴾ (۲/ البقرہ:۱۳۳)

''کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام کو موت آئی۔''

اگر لفظ موت انبیاء علیہم السلام کی توہین ہوتا تو اللہ انبیاء علیہم السلام کے لیے قرآن میں لفظ موت استعمال نہ کرتا اسی طرح سیدنا سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ ﴾

(۳٤/ سبا:۱٤)

''پھر جب ہم نے ان کے لیے موت کا حکم صادر کیا تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر زمینی کیڑے سے۔''

تمام انسانوں کو موت ضرور آئے گی چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ﴾

(۳۰/ الروم:٤۰)

''اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تمہیں موت دے گا پھر زندہ کرے گا۔''

موت ایک اٹل حقیقت ہے اس سے کوئی اللہ کا دشمن بچ سکے گا نہ نافرمان نہ کوئی فرمانبردار سوائے رحمن کے کوئی چیز لا یموت نہیں سب کو ایک نہ ایک دن ضرور موت کا پیالہ پینا ہے موت کسی کے لیے موجب توہین نہیں ہے ورنہ انبیاء علیہم السلام اور نیک وکاروں کو موت کبھی نہ آتی۔

وفات النبی ﷺ حدیث کی روشنی میں

نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے عقیدے کا یوں اظہار فرمایا:

((وقال الامن کان یعبد محمدﷺفان محمداقدمات))

(صحیح بخاری شریف کتاب فضائل اصحاب النبی حدیث ٣٦٦٨)

''سن لو جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو بیشک محمد ﷺ فوت ہو گئے ہیں''۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ سن کر تسلیم کر لیا تھا۔

(بخاری شریف حدیث ٤٤٥٤ غزوات کے بیان میں)

معلوم ہوا کہ اس بات پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ نبی ﷺ فوت ہو گئے ہیں چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مات النبی ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔

(صحیح بخاری حدیث ٤٤٤٦)

دوسرے مقام پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو بھی نبی علیہ السلام بیمار ہوتا ہے تو اسے دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔ (بخاری شریف حدیث٤٥٨٦ ،مسلم ٢٤٤٤)

آپ ﷺ نے دنیا کے بدلے میں آخرت کو اختیار کر لیا یعنی آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی زندگی اخروی یا برزخی زندگی ہے۔ ایک اور مقام پر ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((لقد مات رسول اللہﷺ)) (مسلم ترقیم : ٧٤٥٣)

''یقیناً رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔''

اس مسئلہ پر کثیر دلائل موجود ہیں ان صحیح ومتواتر احادیث سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی نماز کے بارے میں فرماتے تھے کہ آپ ﷺ

کی نماز یہی تھی حتی کہ آپ ﷺ دنیا سے چلے گئے۔ (صحیح بخاری شریف ۸۰۳)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خرج رسول اللہ ﷺ من الدنیا کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے چلے گئے۔ (صحیح بخاری حدیث ۵۴۱۴)

غور فرمائیں اگر آپ ﷺ فوت نہیں ہوئے تھے بلکہ بقول کچھ حضرات کے آپ ﷺ زندہ ہیں تو پھر کچھ لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ اگر آپ ﷺ زندہ تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے زندہ پیغمبر ﷺ کو کیسے قبر کھود کر دفن کر دیا کسی کو زندہ دفن کر دینا اس سے بڑی گستاخی اور کیا ہوگی یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دشمنوں کے ہاتھوں میں ہتھیار دینا ہے وہ کہیں گے کہ زندہ درگور کرنے والے آیا آنحضرت ﷺ کے سچے ساتھی تھے؟

احمد رضا خان صاحب بریلوی بیان کرتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات حقیقی حسی دنیاوی ہے ان پر تصدیق وعدہ الٰہی کے لیے محض ایک آن موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً ان کو ویسے ہی حیات عطا فرما دی جاتی ہے۔ (ملفوظات احمد رضا خان بریلوی حصہ سوم صفحہ ۳۱۰)

معلوم نہیں کہ احمد رضا خان صاحب کی آن کتنی طویل ہے کہ آپ ﷺ کا انتقال سوموار کو ہوا اور دفن بدھ کو فرمایا گیا گھر والوں نے کفن دفن کے انتظامات کیے دوسرے ساتھیوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں آئندہ خلافت اسلامی کے متعلق دانش مندانہ فیصلہ فرما دیا ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھی انفرادی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ کی دنیوی زندگی کا احساس نہ ہوا تیسرے دن اشک بار آنکھوں کے ساتھ جیتے زندہ پیغمبر ﷺ کو دفن کر دیا اس زندگی کو نہ بیویاں رضی اللہ عنہن سمجھ سکیں نہ بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا جان سکیں۔

تین دنوں میں آن ختم ہی نہ ہو سکی۔ تم ایک ادنی آدمی کو بھی زندہ درگور نہیں کر سکتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہل بیت رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو زندہ درگور کرنا کیسے گوارہ سمجھا؟

بقول خان صاحب کے انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات دنیوی زندگی ہے تو زمین میں دفن کرنے کی بجائے عادت کے مطابق زمین کے اوپر رہنا چاہیے تھا۔

دنیاوی زندگی ماننے کی صورت میں اس قسم کے سینکڑوں سوال عائد ہونگے اور اسلامی تاریخ ایک معمہ بن کر رہ جائے گی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح مختار ثقفی کی عیاریاں حجاج بن یوسف کے مظالم عباسی انقلاب سقوط بغداد اور ترکوں کے مظالم قادیانی نبوت جیسے حوادث لیکن کہیں بھی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مداخلت فرمائیں مسجد کے ایک خادم کی موت پر حضرت بے قرار ہوں اور قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر تعزیت کے لیے بھی تشریف نہ لائیں عقل مند باشعور لوگ آپ سے پوچھیں گے کہ آخر یہ کیوں ہے؟

حقیقت میں انبیاء کرام علیہم السلام وشہداء رحمۃ اللہ علیہم کی زندگی دنیاوی نہیں بلکہ برزخی اخروی زندگی ہے یہی سچ ہے۔مولوی بھی عجیب ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور روضہ مانتا ہے لیکن وفات نہیں مانتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ شدت مرض کے زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چینی بہت بڑھ گئی تھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا آہ ابا جان کو کتنی بے چینی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا آج کے بعد تمہارے ابا جان کی یہ بے چینی نہیں رہے گی پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی تھی ہائے ابا جان آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے بلاوے پر چلے گئے۔ہائے ابا جان آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنت الفردوس میں اپنے مقام پر چلے گئے ہم جبریل علیہ السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سناتے ہیں پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دفن کر دیے گئے فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

انس رضی اللہ عنہ تمہارے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالنے کے لیے کس طرح آمادہ ہو گئے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی وفاته حدیث ٤٤٦٢)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری ہنسلی اور تھوڑی کے درمیان سر رکھے ہوئے تھے۔

(صحیح بخاری شریف کتاب المغآزی باب مرض النبی حدیث٤٤٤٦)

قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ رہے تو اور کون ہمیشہ زندہ رہے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی زندگی ۶۳ سال تھی اس پر سب کا اتفاق ہے۔

لباس خضر میں یہاں سینکڑوں راہزن بھی پھرتے ہیں
اگر دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر

حفیظ الرحمٰن قادری کے شبہات کے جوابات

پہلی دلیل اور اس کا جواب

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ﴾ (٢/ البقرہ:١٥٤)

''جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔''

الجواب: قارئین محترم جب کوئی جہاد کے لیے ٹریننگ کرتا ہے تو اس کو مجاہد کہتے ہیں میدان جہاد سے اگر زندہ بچ جائے تو اس کو غازی کہتے ہیں شہید ہونے کے لیے اللہ کی راہ میں مرنا شرط ہے مارا جائے گا قتل کیا جائے گا پھر شہید ہوگا ورنہ شہید نہیں کہلا سکتا کفار موت کو عدم محض یا کلی فقدان سمجھتے تھے۔ قرآن نے موت کے اس اصطلاحی مفہوم کا شہداء کے حق میں انکار کیا یہ درست ہے لیکن قتل کے عنوان سے جسم اور روح کے انفصال کا اعتراف فرمایا یا ان کا خیال تھا کہ موت کے بعد دائمی فنا میں ان اعمال پر کوئی جزاء مرتب نہ ہوگی۔ قرآن نے اس معنی سے نفی فرما دی اور اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد رزق اور نئی زندگی کا اعلان فرمایا جو دنیوی زندگی سے مختلف ہوگی، اتنی مختلف کہ دنیا والے اس کا شعور بھی نہیں رکھ سکتے یہ بالکل درست ہے لیکن موت بمعنی انفصال روح سے انکار قطعاً غلط ہے پھر اگر یہ زندگی دنیاوی ہی تھی تو لاتشعرون کیوں فرمایا گیا؟ قرآن مجید نے شہید کے لیے لفظ قتل استعمال کیا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ قتل کے مفہوم میں موت شامل ہے تخلیق انسانیت سے لے کر آج تک کبھی بھی کسی آدمی نے یہ نہیں سنا ہوگا کہ فلاں آدمی قتل ہو گیا لیکن مرا نہیں وہ قتل بھی ہو گیا مگر جیتا جاگتا کھاتا پیتا ہے آپ روزانہ اخبار یقیناً پڑھتے ہوں گے مگر آپ نے یہ مضحکہ خیز خبر نہیں پڑھی ہوگی کہ فلاں ملک یا شہر میں تین آدمی قتل ہو گئے مگر مرے نہیں جب ہم دنیاوی لحاظ سے

اس قسم کی خبر کو مضحکہ خیز اور فضول سمجھتے ہیں تو اللہ سے یہ توقع کریں کہ وہ ہمیں اس قسم کی باتیں بتائے کہ میری راہ میں جو قتل ہو جائے اس کو موت نہیں آتی درحقیقت اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہو کر مر جانے والے کو مردہ کہنے کی ممانعت اس مفہوم میں ہے جو کفار کہتے تھے۔ اس آیت میں اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ سب کے سامنے شہید ہونے والا بھی بے جان ہی ہو جاتا ہے آپ نے کئی شہداء کے جنازے دیکھے ہوں گے۔ اگر شہید کی زندگی دنیاوی ہے تو پھر ایک شوہر کے ہوتے ہوئے شہید کی زوجہ نکاح کیوں کرتی ہے؟ شہید کے بچوں کو یتیم کیوں کہا جاتا ہے؟ شہید کی وارثت کیوں تقسیم ہوتی ہے؟ شہید کو دفن کیوں کیا جاتا ہے کیا کسی کا عزیز زندہ ہو تو وہ اسے غسل دے کر کفن پہنا کر زمین میں زندہ درگور کر دے گا؟

اگر شہید دنیوی حیات کے ساتھ زندہ ہوتا تو آپ ﷺ نے شہید ہونے کے بعد زندگی کی تمنا کیوں کی۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث کا آخری حصہ یوں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((والذی نفسی بیدہٖ لوددت ان اقتل فی سبیل اللّٰہ ثم احیٰ ثم اقتل ثم احیٰ ثم اقتل ثم احیٰ ثم اقتل))

(صحیح مسلم کتاب الامارت مع شرح نووی ج ٥ صفحہ١٥٦)

''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ضرور یہ خواہش کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں شہید کیا جاؤں پھر میں زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔''

قارئین محترم: اس حدیث کو پڑھیئے اور بار بار غور کیجیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دنیوی زندگی میں خود اپنی ذات کے لیے حلفیہ طور پر شہید ہو جانے کی تمنا کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ سے اس بات کی بار بار آرزو کی کہ آپ ﷺ کو اللہ کی راہ میں شہادت کی موت حاصل ہو یعنی ایک دفعہ شہید ہو جانے کے بعد پھر دنیاوی زندگی مل جائے۔ پھر شہادت کی موت

پائیں معلوم ہوا کہ شہید پر بھی موت ضرور طاری ہوتی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ آپ نے دو جانور خریدے ایک جانور کو آپ نے اللہ کا نام لے کر ذبح کر دیا اور دوسرا جانور اپنی طبعی موت مر گیا دونوں ایک جگہ پڑے ہیں دونوں حرکت بھی نہیں کر سکتے بولتے بھی نہیں چارہ وغیرہ بھی نہیں کھاتے لیکن آپ ایک جانور کو مردہ کہتے ہیں کیوں کہ قرآن کریم میں ہے مردہ جانور تم پر حرام ہے اور دوسرے کو مردہ نہیں کہتے حالانکہ مرے ہوئے دونوں ہی ہوتے ہیں لیکن جو اللہ کے نام پر مارا گیا اُس کو مردہ نہیں کہتے اس کی فضیلت ہے اسی طرح شہید کو بھی مرنے کے باوجود مردہ کہنے کی ممانعت ہے یہ اس کی فضیلت ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ وہ زندہ ہیں اور ہماری مدد و مشکل کشائی کرتے ہیں اس کی کوئی دلیل قرآن وسنت سے نہیں ملتی شہید ہونے والے اپنی زندگی دنیاوی میں بھی کسی کے مشکل کشا نہیں تھے حتی کہ شہید جام شہادت نوش کرنے کے بعد اپنے جنازے سے مکھی نہیں اڑا سکتے نہ ہی خود غسل کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہ مشاہدے کی بات ہے کہ وہ استنجا کرنے میں بھی لوگوں کے محتاج ہوتے ہیں خود اپنے کپڑے بھی نہیں اتار سکتے خود کفن بھی نہیں پہن سکتے بلکہ زندہ لوگوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ قبرستان چل کر جانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے قبرستان تک جانے میں بھی لوگوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ قبر میں دفن ہونے کے بعد وہ لوگوں کے مشکل کشا اور حاجت روا کیسے بن جاتے ہیں؟ یہ وہ باتیں ہیں جن کا انکار ممکن نہیں ہے بہت سے لوگ جو دنیوی زندگی پر زور دیتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں حقیقت میں وہ اپنے کاروبار زندہ رکھنا چاہتے ہیں اور حقیقت یہ بھی ہے کہ شہداء کی روحیں اس دنیا کے فوائد اور تکلیفات سے تو بہت دور جا چکی ہیں لیکن عالم برزخ میں ان کو دوسرے اجسام سبز پرندے وغیرہ کے عطا ہوتے ہیں ان سے وہ بے تکلف مستفید ہوتے ہیں یہی ان کی برزخی زندگی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

جو بات نبیؐ فرماتے ہیں معیار صداقت ہوتی ہے
خود لفظ شکل بن جاتے ہیں اور سچی ثابت ہوتی ہے

حفیظ الرحمٰن قادری کی دوسری دلیل اور اس کا جواب

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴾ (۳/ آل عمران:۱۶۹)

''جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔''

الجواب: دراصل شہداء کی زندگی جب عنداللہ ہے تو دنیوی رزق وہاں کیسے جا سکتا ہے اگر یقین نہیں آتا تو کسی شہید ہونے والے کے سامنے کھانے کی کوئی چیز پیش کر کے دیکھ لینا وہ کھاتے ہیں کہ نہیں اگر اس سے مراد برزخی حیات ہے دنیوی کے لیے یہ رزق دلیل نہیں بن سکے گا۔ رزق سے حیات دنیوی پر استدلال بے معنی ہے۔

ایسے رزق سے زندگی پر استدلال بالکل غلط ہے رزق تو انبیاء علیہم السلام شہداء رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ برزخ میں باقی ایمان دار مرنے والوں کو بھی ملتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے غور فرمائیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴾ (۲۲/ الحج:۵۸)

''اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل ہو گئے یا طبعی موت مر گئے ان کو اللہ اچھی روزی دے گا اور بیشک اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔''

اس آیت مبارکہ میں موت اور قتل دونوں پر رزق کا وعدہ فرمایا گیا ہے پس رزق طبعی موت سے مرنے والوں کو بھی ملتا ہے تو رزق سے زندگی پر استدلال صحیح نہ رہا وگرنہ آپ حضرات کے نظریات سے لازم آتا ہے کہ کوئی بھی مرتا ہی نہیں یوں ہی موت کا لفظ لغت میں رکھ دیا گیا ہے۔ دراصل شہداء کی یہ زندگی حقیقی ہے یا مجازی یقیناً حقیقی ہے لیکن اس کا شعور اہل دنیا کو نہیں کیونکہ یہ دنیاوی زندگی نہیں بلکہ برزخی زندگی ہے۔

شہداء کو مردہ نہ کہنا ان کے اعزاز و تکریم کے لیے ہے، یہ زندگی اخروی زندگی ہے جسے ہم سمجھنے سے قاصر ہیں یہ زندگی مومنین حتی کہ کفار کو بھی حاصل ہے شہید کی روح اور بعض روایات میں مومن کی روح بھی ایک پرندے کے جوف یا سینہ میں جنت میں جہاں چاہتی ہے گھومتی

پھرتی ہیں۔(صحیح مسلم کتاب الامارۃ تفسیر احسن البیان صفحہ ۱۸۸)

شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور یہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں رزق دیے جاتے ہیں حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا مذکورہ آیت سورۂ آل عمران کے بارہ میں تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے اس آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں قندیلوں کے اندر ہیں جو عرش مبارک سے لٹک رہی ہیں اور جہاں چاہتی ہیں جنت میں کھاتی پھرتی ہیں پھر وہی قندیلوں میں آکر رہتی ہیں ایک بار ان کے پروردگار نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ تم کچھ چاہتی ہو تو انہوں نے کہا اب ہم کیا چاہیں گی ہم تو جنت میں کھاتی پھرتی ہیں جہاں چاہتی ہیں پروردگار نے پھر پوچھا حتی کہ تیسری بار پھر پوچھا تو انہوں نے دیکھا کہ بغیر سوال کے ہماری رہائی نہیں تو انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہم یہ چاہتی ہیں کہ ہماری روحوں کو لٹا دے ہمارے جسموں میں تاکہ ہم مارے جائیں دوبارہ تیری راہ میں جب پروردگار نے دیکھا کہ اب ان کی کوئی خواہش نہیں تو ان کی چھوڑ دیا۔

(صحیح مسلم شریف کتاب الامارت مع شرح نووی صفحہ ۱۶۲ ج پنجم)

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ شہیدوں کی روحیں اصل جسموں میں نہیں ہوتیں بلکہ دوسرے قالب میں ہوتی ہیں اگر روح کو اصل جسم میں لوٹا دیا جائے تو بندہ دنیاوی حیات میں زندہ ہو جائے۔ لیکن اللہ نے شہیدوں کی اس خواہش کو پورا نہیں کیا ان کی ارواح کو جنت میں پرندوں کے قالب میں ہی رکھا ہے دنیا میں ان کی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

معلوم ہوا کہ شہیدوں کی حیات کا تعلق عالم برزخ کے ساتھ ہے دنیا والوں کو اس زندگی کا شعور تک نہیں پتہ نہیں قادری صاحب کو یہ کس نے بتا دیا کہ زندوں سے مافوق الاسباب مانگنا جائز ہے۔

ان سے یہ پوچھا جائے کہ شہیدوں کی قبر سے مانگنا ان کے نام کی نذر و نیاز دینا ان کی قبروں پر چادریں چڑھانا ان کے نام کا عرس میلہ لگانا یہ قرآن کی کس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کس حدیث سے ثابت ہے کیا یہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ہوتے تھے تو براہِ مہربانی اس کی دلیل شرعی پیش کریں محض الفاظ کے ساتھ کھیلنے سے دینی مسائل اور عقائد ثابت نہیں ہوتے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ فلسفہ معلوم نہ تھا دراصل اس وقت شہیدوں کی قبروں کو کاروباری اڈے بنا دیا گیا ہے۔

جہاد اکبر کے انوکھے شہید قادری صاحب ایک روایت کا ٹکڑا تحریر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف پلٹنے لگے ہیں یعنی نفس کے خلاف جہاد کرنا بڑا جہاد ہے جہاد اصغر میں مارا جائے تو زندہ ہے اور جہاد اکبر میں مارا جائے یعنی پوری زندگی نفس کے خلاف جہاد میں مصروف رہا اور مارا گیا اس کی حیات تو شہداء کرام کی حیات سے بھی بلند ہے۔ (شرک کیا ہے صفحہ ۸۷)

الجواب: پہلی بات کے انہوں نے روایت نقل کرنے کے بعد حوالہ مولانا روم کا دیا ہے جو حدیث کی کتاب ہی نہیں بلکہ تصوف وحکایات کی کتاب ہے جو بے سند ہے۔

مولانا حسین احمد مدنی کہتے ہیں کہ صوفیاء اس کو حدیث کہتے ہیں لیکن امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ امام نسائی نے اسے ابراہیم بن عیلہ کا کلام بتایا ہے الفاظ کی رکاکت زبردست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت کا قول نہیں ہوسکتا اور نہ حدیث کی کتابوں میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے محدث نے لکھا ہے پس حدیث کا فیصلہ محدثین کے اصول وقواعد کی رو سے کیا جائے گا بے چارے صوفیاء جن پر حسن ظن کا غلبہ ہوتا ہے ان حضرات کو تنقید وتفتیش کی فرصت کہاں ان کے حسن ظن سے کسی قول کا حدیث رسول ہونا ثابت نہیں ہو جائے گا۔
(اسلامی تصوف یوسف سلیم چشتی ص ۱۲۳ بحوالہ شریعت وطریقت صفحہ ۲۱۰)

اصل میں اس نظریے نے دبے الفاظ میں جہاد اسلامی کا زبردست نقصان کیا لوگوں کے دلوں سے اصل جہاد کا تصور مٹا دیا اور خودساختہ اذکار وظائف کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ جہاد سے بالکل ہی غافل ہو گئے کسی کوٹھڑی میں بیٹھ کر ضربیں لگانے کو ہی جہاد قرار دے دیا بلکہ اس کے لیے روایات بھی گھڑیں جن میں کفار سے قتال کو جہاد اصغر اور نفس سے جہاد کو جہاد اکبر قرار دیا۔

حالانکہ کفار سے لڑائی نفس کے جہاد کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی اگر یہ جہاد صوفیوں والا اکبر

ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساری زندگی اصغر جہاد ہی میں کیوں مشغول رہے پورے ذخیرہ حدیث اور پورے قرآن مجید میں ایک آیت یا حدیث بھی موجود نہیں ہے کہ ضربیں لگانے والے چلے کاٹنے والے درویش وملنگ لوگوں کو شہید کہا گیا ہو۔

اب مسلمانوں کا کام صرف یہ رہ گیا ہے کہ وہ نفس سے جہاد میں مصروف رہیں غرض کہ ان حضرات کی اس پالیسی کی وجہ سے تمام دنیا کے کفار بہت خوش ہیں بلکہ امریکہ بدمعاش جیسا اسلام دشمن ملک بھی پاکستان کو کہتا ہے کہ صوفی ازم کو عام کریں ہم امداد کے لیے تیار ہیں۔ کیوں کہ یہ ''جہاد'' ان کی مرضی کا ہے جس میں لڑنا پڑے نہ مرنا پڑے نہ زخموں سے چور ہونا پڑے اپنے گھروں آستانوں درگاہوں میں سکون سے بیٹھ کر ''مجاہد'' اپنے ''جہادی کھیل'' میں مصروف ہوں وہاں پر نذرانے بھی ملتے رہیں نذرونیاز کے بکرے بھی آتے رہیں اور ''مجاہد'' بھرپور مزے اڑاتے رہیں۔

ایسا جہاد تو تقریباً سب کو قابل قبول ہوگا لیکن کفار کے خلاف جہاد جو کرے گا وہ ان چیزوں سے محروم ہوگا لہٰذا قادری کا فلسفہ الفاظ کا کھیل ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی دوسری دلیل اور اس کا جواب،

سورۃ فاتحہ میں ہم اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔

ہم کو سیدھے راستہ پر چلا راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے احسان کیا انعام یافتہ کون افراد ہیں اللہ عزوجل نے خود نشاندہی فرمادی:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ (٤/ النساء:٦٩)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء صدیق اور شہدا اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔''

مندرجہ بالا آیات میں انعام یافتہ افراد کا ذکر خیر ہوا اس میں پہلے نمبر پر انبیاء علیہم السلام اور دوسرے نمبر پر صدیقین یعنی اولیاء اللہ اور تیسرے نمبر پر شہداء اور چوتھے نمبر پر صالحین آپ خود

ہی اندازہ لگائیں اگر تیسرے نمبر والا زندہ ہے تو پہلے اور دوسرے نمبر والے کی حیات کا کیا مقام ہوگا۔

الجواب: قارئین محترم اس آیت مبارکہ کا حیات النبی علیہ السلام یا ولی رحمۃ اللہ علیہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں قادری صاحب نے جو نتیجہ نکالا ہے اس کی کوئی دلیل ہی نہیں بلکہ نفس مسئلہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں پتہ نہیں یہ لوگ عوام کو کیوں دھوکہ دیتے ہیں۔ اس میں دنیا کی رفاقت کا تو ذکر ہی نہیں بلکہ جنت کی رفاقت کا ذکر ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ بلکہ عین ایمان ہے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنی اولاد، والدین اور باقی تمام لوگوں کے مقابلے میں مجھ سے زیادہ محبت نہ کرتا ہو۔ (بخاری شریف حدیث:۱۵ مسلم شریف:۴۴)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان و مال اور اہل عیال سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں جب گھر میں اپنے اہل عیال کے ساتھ ہوتا ہوں اور شوق زیارت بے قرار کرتا ہے تو دوڑا دوڑا آتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کر کے سکون حاصل کر لیتا ہوں۔ لیکن جب میں اپنی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو یاد کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو جنت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ اعلیٰ ترین درجات میں ہوں گے میں جنت میں گیا بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ سکوں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محروم رہوں گا تو میں بے چین ہو جاتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کو قادری صاحب نے حیات کی دلیل بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ (طبرانی صغیر)

صحابی رضی اللہ عنہ کے اظہار محبت کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بارے آیت نازل فرما کر یہ بات واضح فرما دی کہ اگر تمہاری محبت سچی ہے اور تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل رفاقت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرو اس بات کا تعلق جنت کی رفاقت ہے اس سے اولیاء رحمۃ اللہ علیہم انبیاء علیہم السلام کی حیات کیسے ثابت ہوئی؟

قادری صاحب لکھتے ہیں جسمانی طاقت اور روحانی طاقت

یاد رکھیں کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو اللہ عزوجل روحانی طاقت عطا فرماتا ہے وہ روحانی طور پر مدد فرماتے ہیں جس طرح سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو بلقیس شہزادی کا تخت اس کے یہاں آنے سے پہلے لے آئے تو حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں ایک پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا اور پھر اس نے لا کر دکھا بھی دیا اور کہا یہ میرے اللہ کا مجھ پر فضل تھا جس کی وجہ سے میں نے یہ تخت لا کر دکھا دیا۔ (کتاب شرک کیا ہے مع بدعت کی حقیقت صفحہ ۸۹)

یہ کون شخص تھا جس نے تخت کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش کیا؟ یہ کتاب کونسی تھی؟ یہ علم کیا تھا جس کے زور پر یہ دعویٰ کیا گیا تھا اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں نام میں بھی اختلاف ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے امام مجاہد کہتے ہیں اس کا نام اسطوم تھا بلیخ بھی مروی ہے انکا لقب ذوالنور تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۷۰)

الجواب: علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر نیشاپوری میں لکھتے ہیں کہ آصف بن برخیا نے دعا مانگی پس غیب ہوا عرش اپنی جگہ میں پھر ظاہر ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کی مجلس ملک شام میں محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پہلے پھرنے اس کی دید کے اسی طرح کم زیادہ عبارت کے ساتھ۔ (تفسیر جلالین ص ۳۲۰)

یہ محض آصف بن برخیا کی کرامت تھی قدرت اور طاقت اللہ تعالیٰ کی تھی معجزہ اور کرامت پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾

(٦/ الانعام:١٠٩؛ ٢٩ عنكبوت:٥٠)

''کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں بیشک نہیں ہوں میں مگر ڈرانے والا ظاہر۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (٤٠/ المومن:٧٨)

''اور نہ تھا کسی رسول کے بس میں یہ کہ لے آتا کوئی نشانی مگر اللہ کے حکم سے۔''

''مشرکین نے سوال کیا پس لے آؤ ہمارے پاس معجزہ ظاہر'' (۱٤/ ابراھیم:۱۰)

انبیاء علیہم السلام نے جواب دیا:

﴿ وَمَا كَانَ لَنَآ أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ﴾ (۱٤/ ابراھیم:۱۱)

''اور نہیں ہے ہمارے بس میں کے لے آئیں ہم تمہارے پاس کوئی معجزہ مگر ساتھ حکم اللہ کے۔''

قادری صاحب نے آصف بن برخیا کا واقعہ پیش کر کے اولیاء اللہ کے صاحب اختیار ہونے کا تاثر دیا ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ انڈیا پاکستان یا پوری دنیا میں جہاں کہیں بڑے بڑے پیر صاحب موجود ہیں ان کے پاس لے جاؤ ہم اس بزرگ کو ایک مہینے کا وقت دیتے ہیں کہ وہ واجپائی کا تخت پاکستان لے آئیں یا امریکہ کا تخت پاکستان لے آئیں تو ہم اپنا مسلک چھوڑ کر دوبارہ اُس پیر کے مرید ہو جائیں گے اگر نہیں کر سکتے اور یقیناً کوئی بھی نہیں کر سکتا تو اس واقعہ کو پیروں کے لیے پیش کرنا چھوڑ دیں۔

کشمیر میں مسلمانوں کے ساتھ اتنا ظلم ہو رہا ہے سارے سجادہ نشین مل کر بھارت کا تخت ایک سال میں پاکستان لے آئیں تا کہ کشمیر کے مسلمان بچوں اور عورتوں کو ظلم سے بچایا جائے لیکن یہ کام کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں۔

دراصل کرامت اور معجزہ نام ہی ایسے کاموں کا ہے جو ظاہر اسباب اور امور عادیہ کے یکسر خلاف ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس لیے نہ شخصی قوت قابل تعجب ہے اور نہ اس کے علم کا سراغ لگانے کی ضرورت جس کا ذکر یہاں ہے کیوں کہ یہ تو اس شخص کا تعارف ہے جس کے ذریعے یہ کام ظاہر طور پر انجام پایا ورنہ حقیقت میں تو یہ مشیت الٰہی ہی کی کارفرمائی ہے سلیمان علیہ السلام بھی حقیقت سے آگاہ تھے اس لیے جب انہوں نے دیکھا کہ تخت موجود ہے تو اسے فضل ربی سے تعبیر کیا یعنی یہ سب کام میرے اللہ کے فضل سے ہی انجام پایا۔

قادری صاحب کی تیسری دلیل اور اس کا جواب

لکھتے ہیں جب بندے کو موت آتی ہے تو جسم کو موت آتی ہے روح کو موت نہیں آتی جب جسم کو موت آ گئی تو جسمانی طاقت ختم ہو جاتی ہے جبکہ روح کو موت نہیں تو روحانی طاقت کس طرح ختم ہو جائے گی۔

ایک عام انسان کی طاقت مرنے کے بعد بڑھ جاتی ہے حدیث مبارکہ میں ہے کہ جب میت کو دفن کر کے واپس پلٹتے ہیں تو وہ میت جوتوں کی آہٹ بھی سنتی ہے۔

(بخاری، شرک کیا ہے صفحہ ۹۰)

الجواب: یہ اللہ کی طرف سے میت کو بطور عبرت صرف جوتوں کی آواز سنائی جاتی ہے کہ اس واقعہ سے حسرت وافسوس کا احساس دلانے کا پہلو نکلتا ہے یعنی جب عزیز واقارب میت کو دفن کر کے چلے جاتے ہیں تو اسے یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ جن عزیز واقارب کی وجہ سے تو مارا مارا پھرتا تھا۔

حتی کہ حرام وحلال جائز وناجائز کی تمیز بھی نہیں کرتا تھا دیکھ وہ اب تجھے تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں لہٰذا اُسے صرف جانے والوں کی آہٹ سنائی دی جاتی ہے آنے والوں کی نہیں اور نہ ہی قبر پر موجود لوگوں کی گفتگو اُسے سنائی جاتی ہے اور نہ ہی وہ سن سکتا ہے حدیث میں جتنی بات ہے اتنی پر ایمان رکھنا چاہیے نہ کہ اپنی طرف سے قصے کہانیاں ساتھ ملا کر اپنے خود ساختہ مذہب کو سہارا دینے کی کوشش کرنی چاہیے یہ آہٹ کا سننا کسی خاص پیر بزرگ کے لیے نہیں بلکہ ہر نیک وبد عام وخاص کے لیے ہے اور یہ کسی حدیث میں نہیں ہے کہ وہ تمہاری دعائیں سنتا ہے اور قبول کرتا ہے تمہاری مشکل کشائی کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح فرما دیا کہ اے نبی ﷺ:

﴿ وَمَآ أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِى ٱلْقُبُورِ ﴾ (۳۵/ فاطر:۲۲)

''اور آپ ﷺ قبر والوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے۔''

غور فرمائیں اگر قرآن کے مطابق نبی ﷺ قبر والوں کو تو سنا نہیں سکتے لیکن لوگ کہتے ہیں ہم اپنی بات مردوں کو سناتے ہیں اور وہ سنتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے تم نہیں سنا سکتے اب ہم قرآن کو مانیں یا لوگوں کی؟

شرک کی تعریف

قادری صاحب لکھتے ہیں اس سلسلے میں مندرجہ ذیل باتیں پیش نظر رکھنی ہوں گی۔

① اللہ عزوجل کا ذاتی نام اللہ ہے باقی سب اس کے صفائی نام ہیں مخلوق میں سے کسی کو اللہ عزوجل نہیں کہنا اگر مخلوق میں سے کسی کو اللہ عزوجل کہہ دیا تو شرک ہو جائے گا۔

(شرک کیا ہے صفحہ ۹۵)

الجواب: اگر بندے کو یا کسی مخلوق کو اللہ کہنا شرک ہے تو یہ شرک تو مکہ والوں نے بھی نہیں کیا انہوں نے اپنے بتوں کو کبھی اللہ نہیں کہا مگر وہ پھر بھی مشرک قرار پائے وہ کہتے تھے یہ سب ہمارے معبود اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں قرآن مجید سورت یونس دیکھیں۔

② قادری لکھتے ہیں کہ اللہ عزوجل کی ذات اقدس واجب الوجود ہے یعنی وہ اپنے علم وقدرت سے ہر جگہ موجود۔ ہے ایسا عقیدہ مخلوق میں کسی کے بارے میں رکھا تو شرک ہو جائے گا۔

(کتاب مذکورہ صفحہ ۹۵)

الجواب: اب ہمیں کسی پر شرک کا فتویٰ لگانے کی ضرورت ہی نہیں فیصلہ قادری صاحب نے خود کر دیا کہ مخلوق میں سے کسی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ہر جگہ موجود ہے تو شرک ہو جائے گا کیا بریلوی حضرات کا یہ عقیدہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نہیں کہ آپ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں جبکہ آپ ﷺ مخلوق ہیں۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

③ قادری صاحب لکھتے ہیں مستقل بالذات صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہے گا ایسا عقیدہ مخلوق میں سے کسی کے بارے میں رکھا تو شرک ہو جائے گا۔

الجواب: قادری صاحب نے شرک کی ایسی تعریف کی جس سے ان کا خودساختہ مذہب بچ جائے

شرک کی تعریف حقیقت میں بہت جامع ہے مثلاً سلسلہ اسباب پر حکمرانی حاجت روائی مشکل کشائی فریادرسی ہر جگہ دعائیں سننا اور غیب وشہادت ہر چیز سے واقف ہونا یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات ہیں یہ صرف اللہ کا حق ہے کہ بندے اُسی کو مقتدر اعلیٰ مانیں۔ اُسی کے آگے اعتراف بندگی میں سر جھکائیں اُسی کی طرف اپنی حاجتوں میں رجوع کریں مدد کے لیے اُسی کو پکاریں اُسی پر بھروسہ کریں۔ اپنی امیدیں اُسی سے وابستہ رکھیں ظاہر اور باطن میں اُسی سے ڈریں مالک الملک ہونے کی حیثیت سے یہ منصب بھی اللہ ہی کا ہے کہ اپنی رعیت کے لیے حلال وحرام کے حدود مقرر کرے ان کے فرائض وحقوق متعین کرے ان کو امر ونہی کے احکام وحرام کے احکام دے اور انہیں یہ بتائے کہ اُس کی دی ہوئی قوتوں اور اس کے بخشے ہوئے وسائل کو وہ کس طرح کن کاموں کن مقاصد کے لیے استعمال کرے۔ یہ صرف اللہ ہی کا حق ہے بندے صرف اس کی حاکمیت تسلیم کریں اُس کے حکم کو منبع قانون مانیں اپنی زندگی کے معاملات میں اُسی کے فرمان کو فیصلہ کن قرار دیں اور ہدایت ورہنمائی کے۔ لیے اُسی کی طرف رجوع کریں جو کچھ اللہ کی ان صفات میں سے کسی ایک صفت کو بھی دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے اور اس کے ان حقوق میں سے کوئی ایک حق بھی کسی دوسرے کو دیتا ہے وہ دراصل اسے اللہ کا مد مقابل اور ہمسر بناتا ہے اور اسی طرح جو شخص یا ادارہ ان صفات میں سے کسی صفت کا مدعی ہو اور ان حقوق میں سے کسی حق کا انسان سے مطالبہ کرتا ہو وہ دراصل اللہ کا مقابل اور ہمسر بنتا ہے یہی شرک ہے خواہ وہ زبان سے خدائی کا دعویٰ کرے نہ کرے۔

(تفہیم القرآن جلد اص۔ بحوالہ تصوف ایک تحقیقی مطالعہ صفحہ ۲۳۴)

قادری صاحب لکھتے ہیں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد پر آٹھ سال بعد اس طرح نماز جنازہ پڑھی گویا زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور ارشاد فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں تمہارے اوپر گواہ ہوں ہماری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے اور میں اس جگہ سے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارے متعلق اس بات کا ڈر نہیں کہ تم شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے بلکہ تمہارے متعلق مجھے دنیا داری کی محبت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ

ہے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ میرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری دیدار تھا یعنی اس کے بعد جلد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ (بخاری و مسلم) (شرک کیا ہے صفحہ ۹۶)

الجواب: اس حدیث میں مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں ساری اُمت نہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے بعد شرک نہیں کرو گے اسی لیے کسی صحابی نے شرک نہیں کیا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدہ توحید پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبردست تربیت فرمائی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین کامل تھا کہ اب شرک نہیں کریں گے پوری اُمت کے الفاظ حدیث سے ثابت نہیں بلکہ بریلوی علم کلام کا خود ساختہ فلسفہ ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

((وان أصحابه لايشركون بعده فكان كذلك))

(فتح الباری ٦/ ٦١٤)

''یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شرک نہیں کریں گے پس اسی طرح ہوا۔''

یعنی اس حدیث کا تعلق عام لوگوں سے نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے کیوں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی تو یہ خطاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہی تھا عام امت سے نہیں قادری صاحب نے امت کے الفاظ کو اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے جو کہ ایک مجرمانہ فعل اور بدیانتی ہے جبکہ صحیح احادیث سے صراحت کے ساتھ امت کے بہت سے لوگوں کا شرک میں مبتلا ہونا مذکور ہے۔

دوسرا جواب: سیدنا عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فوّاللّٰه لا الفقرا خشى عليكم ولكن اخشى عليكم ان تبسط عليكم الدنيا))

(صحیح بخاری کتاب الجهاد باب الجزيه حديث:٣١٥٨)

''پس اللہ کی قسم مجھے تم پر مفلسی غربت کا خوف نہیں لیکن اس بات کا ڈر ہے کہ تم پر دنیا کے مال میں وسعت دی جائے۔''

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے تم پر فقر اور مفلسی کا کوئی خوف نہیں لیکن آج تک کسی مسلمان محقق نے اس حدیث کا یہ مفہوم بیان نہیں کیا کہ اس امت کا کوئی فرد غریب اور مفلس نہیں ہوسکتا فقر کا شکار نہیں ہوسکتا کیوں کہ اس بات کا علم ہے کہ آپ ﷺ کی اس حدیث میں پوری کی پوری بحیثیت مجموعی امت کے فقر و مفلسی میں مبتلا ہونے کی نفی ہے۔ نہ کے ہر فرد کے مفلسی میں مبتلا ہونے کی۔

اب غور فرمائیں کہ اس امت کے کتنے ہی لوگ غریب اور مفلس ہیں اگر یقین نہیں آتا تو جمعرات کے دن ہر گلی محلے کا چکر لگا کر دیکھنا یا مزاروں پر مانگنے والوں کی تعداد کا اندازہ لگانا شاید آپ کو یقین آجائے۔ اس طرح حدیث کو اگر عام امت کے لیے بھی تسلیم کرلیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ساری کی ساری امت محمدیہ شرک کا شکار نہیں ہوگی اور حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے۔

تیسرا جواب: دراصل بریلوی حضرات کا عمل مذکورہ حدیث کے مطابق بھی نہیں ہے کیوں کہ اس حدیث میں شہداء احد پر آٹھ سال بعد غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی جبکہ بریلوی مذہب شہید کی غائبانہ نماز جنازہ کے خلاف ہے اور پڑھنے والوں کی مخالفت کرتا ہے، اور اس کا دوسرا جزء بھی بریلویت کے خلاف ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد تم شرک نہیں کروگے......!!

جبکہ بریلوی حضرات رسول اللہ ﷺ کو زندہ مانتے ہیں وفات تسلیم ہی نہیں کرتے جب آپ ﷺ ہر وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر زندہ موجود حاضر ناظر ہیں تو میرے بعد کے کیا معنی ہیں؟

چوتھا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا اور اسلام کے متعلق سوال کیا اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائے۔

(صحیح مسلم شریف کتاب الایمان باب بیان الایمان حدیث ۹)

اس حدیث مبارکہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو اسلام کی تعریف بیان فرمائی کہ اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے جب کوئی شخص شرک سے بچے گا تب ہی اسلام میں داخل ہوگا اس کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

دوسرے مقام پر رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جس شخص نے نماز فجر کے بعد دوزانوں بیٹھے ہوئے بات چیت کرنے سے پہلے ۱۰ مرتبہ لا الہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریك لهٗ لهٗ الملك وله الحمد يحي ويميت وهو على كل شيءٍ قدير پڑھا تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس گناہ مٹا دیے جائیں گے اور اس کے دس درجات بلند کیے جائیں گے اور اس دن وہ ہر برائی سے محفوظ رہے گا اور وہ شیطان کی پہنچ سے دور کردیا جائے گا اور شرک کے علاوہ کوئی گناہ اُسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔

(سنن ترمذی کتاب الدعوت حدیث: ۳۵۷٤)

اس حدیث مبارکہ کا مطلب صاف واضح ہے کہ وہ دن کے آغاز میں نماز فجر کے بعد دس بار یہ کلمات ادا کرے تو شرک کے علاوہ اس کے سارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ حالانکہ اپنی زبان سے یہ کلمات کہے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس بات کا اقرار کر رہا ہے لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شرک کے علاوہ اسے کوئی گناہ اپنی لپیٹ میں نہیں لے سکتا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان جو نماز فجر ادا کرے پھر توحید کا وظیفہ دس بار اپنی زبان سے ادا کرے یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی شرک کرسکتا ہے کیوں کہ فجر کی نماز تو مسلمان نبی ﷺ کا امتی ہی ادا کرے گا کیونکہ یہودی، عیسائی، ہندو، سکھ یا دیگر کافر یہ کام کرتے نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے امتی سے شرک کا ارتکاب ممکن ہے اور حقیقت بھی یہی ہے ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی تو

آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا تو رسول اللہ ﷺ کو وہاں تین چیزیں عطا کی گئی تھیں آپ ﷺ کو پانچ نمازیں عطا کی گئیں اور سورہ البقرہ کی آخری آیات اور امت میں سے ہر اس شخص کو بخشش عطا کی گئی جو اللہ کے ساتھ شرک اور کبیرہ گناہ سے بچا رہے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب فی ذکر سدرہ المنتہیٰ حدیث ۱۷۳۰)

اس حدیث مبارکہ میں جو تیسری چیز بیان کی گئی ہے وہ آپ ﷺ کے ہر امتی کے لیے یہ عظیم خوش خبری کہ اگر وہ شرک سے اور کبیرہ گناہوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے گا انہیں بخش دے گا اگر آپ ﷺ کے امتیوں سے شرک کا صدور ہونا ممکن نہ تھا تو پھر یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی اس حدیث مبارکہ میں مخاطب امت محمدیہ ﷺ ہی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جو کوئی مسلمان شخص فوت ہو جائے اور اس کی نماز جنازہ میں چالیس ایسے لوگ شامل ہوں جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس فوت ہونے والے کے حق میں ان لوگوں کی سفارش قبول فرماتا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الجنائز باب من صلی علیه اربعون حدیث ۹۴۸)

یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح ہے کہ نماز جنازہ تو صرف مسلمان ہی پڑھتے ہیں یہودی عیسائی کافر تو پڑھتے نہیں یہ فرمانا کہ جنازہ پڑھنے والے شرک نہ کرتے ہوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جنازہ پڑھنے والے بھی شرک کا ارتکاب کر سکتے ہیں یہ بات ممکن ہے ناممکن نہیں۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی علیہ السلام کی ایک دعا قبول ہوتی ہے پس تمام انبیاء علیہم السلام نے مخصوص دعا مانگنے میں عجلت فرمائی لیکن میں نے اپنی وہ دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ کر رکھی ہے پس میری امت میں سے ہر اس شخص کو پہنچے گی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔

(مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعة واخراج الموحدین من النار حدیث:۱۹۹)

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ شفاعت کرنے کا مجاز وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی بھی دیتا ہو اور اس کی گواہی علم و یقین پر مبنی ہو اسی طرح شفاعت اس کی جائے گی جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو۔ یہ خوب ذہن نشین رہے کہ شفاعت صرف ان گناہ گاروں کے لیے ہوگی جو ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے اور جن کا خاتمہ کفر یا شرک پر ہوگا ان کی شفاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ٤ ص ٤٢٩ (پیر کرم شاہ بھیروی بریلوی، بحوالہ امت اور شرک کا خطرہ صفحہ ۱۳۲)

ثوبان رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ میری امت کے قبائل مشرکین کے ساتھ مل نہ جائیں اور جب تک میری امت اوثان کی عبادت نہ کرنے لگ جائے۔

(سنن ابو داود کتاب الفتن والملاحم باب ذکر الفتن حدیث ٤٢٦٢)

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بہت سارے قبیلے مشرکین کے ساتھ مل جائیں گے اور اوثان کی عبادت کرنے لگ جائیں گے اوثان وثن کی جمع ہے اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے جب یہ چیز امت میں واقع ہوگی تو شرک میں گرفتار ہونا بھی یقینی ٹھہرا اب جو لوگ یعنی قادری صاحب جیسے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ امت محمدیہ شرک میں مبتلا نہیں ہوگی یہ بات یا تو وہ انجانے میں کرتے ہیں یا جان بوجھ کر لوگوں کو سبز باغ دکھاتے ہیں۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان درست نہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ایک حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام میرے پاس اس پتھریلی زمین پر آئے تھے انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یہ خوشخبری دے دیجئے کہ جو شخص مر گیا اور وہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتا تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(صحیح بخاری شریف کتاب الرقاق حدیث:٦٤٤٣)

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ امت کے وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے جن کی

موت اس حال میں واقع ہوئی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔

اکثر لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ایمان لانے والے مشرک نہیں ہو سکتے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴾ (۱۲/ یوسف:۱۰۶)

''ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہیں۔''

اسی طرح قرآن مجید میں اللہ کا فرمان:

﴿ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾

(۳۰/ الروم:۳۱)

''اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اسی سے ڈرتے رہو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔''

اس آیت مبارکہ میں بھی اہل ایمان سے خطاب کیا گیا ہے انہیں اللہ کی طرف رجوع کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے اور نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور مشرک بننے سے منع کیا گیا ہے اگر بقول قادری صاحب کے شرک کا ارتکاب امت محمدیہ سے نہیں ہو سکتا تو اللہ تعالیٰ کا یہ جملہ کہ مشرک نہ بنو کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر شرک کر ہی نہیں سکتا تو پھر منع کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

پوری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ قادری صاحب کی ذکر کردہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے کہ تم میرے بعد شرک نہیں کرو گے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ توحید اتنا پختہ کر دیا تھا کہ اب ان سے شرک کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا دوسری احادیث مبارکہ میں اس کی وضاحت کر دی گئی کہ عام امتی سے شرک کا صدور ممکن ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو شرک سے محفوظ فرمائے۔ آمین

بس اگلے افسانے فراموش کر دو تعصب کے شعلے کو خاموش کر دو

قبروں پر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ (٥٩/ الحشر:٧)

''جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روک دے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝ ﴾ (٤٧/ محمد:٣٣)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے مزار بنانے سے منع فرمایا چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان يجصص القبر وان يقعدعليه وان يبنٰى عليه))

(مسلم كتاب الجنائز حديث ٩٧٠)

''قبر کو پختہ بنانے پر اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت تعمیر کرنے سے منع کیا ہے۔''

ایک حدیث میں ہے:

((نهى رسول الله ﷺ ان تُجصّص القبور و أن يكتب عليها))

(ترمذی، كتاب الجنائز، باب فى كراهية تحصيص القبور: ١٠٥٢)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے سے منع فرمایا اور قبروں پر لکھی ہوئی تختیاں لگانے سے بھی منع فرمایا۔ کیا نبی ﷺ کی محبت کے دعویداروں نے

یہ کام چھوڑ دیے؟

ایک اور حدیث مبارکہ میں حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات سے پانچ دن پہلے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح مجھے بھی اپنا خلیل بنایا اللہ کے علاوہ تم میں سے میرا کوئی خلیل نہیں اگر میں تم میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔

((ان من كان قبلكم ،كانوا يتخذون قبور انبيائهم وصالحيهم، مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد،اني انهاكم عن ذلك))
(مسلم كتاب المساجد حديث ٥٣٢)

"تم سے پہلے لوگوں نے اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجد بنایا خبردار میں تمہیں سختی سے منع کرتا ہوں کہ قبروں پر مسجدیں نہ بنایا۔"

غور فرمائیں کیا آج نیک لوگوں کی قبروں پر مساجد ہیں کہ نہیں کیا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا انکار نہیں کیا؟ حدیث مبارکہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لعن اللّٰه اليهود والنصارى، تخذوا قبور انبيائهم مسجدا))
(صحيح بخارى كتاب الجنائز حديث:١٣٣٠)

"یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

((نهٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يبنىٰ على القبر ويذاعليه وايجصّص عليه)) (نسائى كتاب الجنائز باب الزيادة على القبر حديث:٢٠٢٧)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ قبروں پر کوئی تعمیر کی جائے یا اس پر اضافی مٹی ڈال کر اس کو زیادہ کیا جائے۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

"ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبر پر

مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی۔"
(ترمذی کتاب الصلوۃ حدیث:۳۲۰)

کیا ہمارے ملک میں ان احادیث مبارکہ کی کھلی مخالفت نہیں ہو رہی، ہمیں اپنے کاروبار چلاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کیوں نظر نہیں آتی؟

مزاروں پر جو بڑی دھوم دھام سے لوگ ڈھول بجاتے ہیں حالانکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔

((ان ربی تبارك وتعالیٰ حرّم علیّ الخمر والكوبة والقنین))
(مسند احمد ج ۳ صفحہ ۴۲۲)

"اللہ تعالیٰ نے مجھ پر شراب ڈھول اور ساز باجے حرام کر دیے ہیں۔"

دوسری حدیث میں فرمایا:

((حرم الخمر والمسیر والكوبة))

(ابوداود کتاب الاشربة حدیث۳۶۹۶)

"شراب جوا اور ڈھول حرام کر دیے گئے ہیں۔

کیا قبروں کے عرس میلوں پر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کے کام کھلے عام نہیں ہو رہے؟ حدیث ہے کہ حضرت ابوالھیاج اسدی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تجھے ایسے کام کے لیے مقرر نہ کروں جس کے لیے مجھے رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا وہ یہ کہ جو بھی تصویر ہو اسے مٹا ڈالو اور جو قبر بھی اونچی ہو اسے زمین کے برابر کر دو۔ (مسلم ج ۲ حدیث:۹۶۹)

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر قبر پر عمارت بنانا منع ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر عمارت اور سبز گنبد کیوں ہے؟

الجواب: نبی ﷺ کی کچھ خصوصیات ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو کچھ لوگوں نے کہا آپ ﷺ کو منبر کے پاس دفن کیا جائے کچھ نے کہا بقیع میں دفن کیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے

فرمایا کہ نبی ﷺ صرف اسی جگہ دفن ہوتا ہے جہاں اس کی وفات ہوتی ہے، پس آپ ﷺ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں فوت ہوئے اور وہیں آپ ﷺ کی قبر بھی کھودی گئی۔

(مؤطا امام امالك كتاب الجنائز ـ باب ماجاء فی دفن الميت)

حجرہ کی تعمیر کا مقصد قبر نبوی نہ تھا آپ ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کی رہائش مقصود تھی پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے کیسے گراتے۔ قبر نبوی ﷺ کو حجرہ میں بنانے کی ایک وجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان فرماتی ہیں کہ اگر آپ ﷺ کی قبر سجدہ گاہ بن جانے کا ڈر نہ ہوتا تو آپ ﷺ کی قبر کھلی جگہ پر ہوتی لیکن میں ڈرتی ہوں کہ آپ ﷺ کی قبر بھی سجدہ گاہ نہ بنالی جائے۔ (بخاری کتاب الجنائز حدیث: ۱۳۳۰)

دوسرا جواب یہ گنبد نہ تو آپ ﷺ نے بنایا نہ بنانے کا حکم دیا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنوایا۔

بلکہ مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی کے مطابق ۶۷۸ھ میں سلطان قلاؤن صالحی نے یہ سبز گنبد بنوایا تھا۔ (جاء الحق ج۱ ص ۲۸۵)

کسی بادشاہ کا عمل ہمارے لیے دلیل نہیں ہے۔ بلکہ نبی پاک ﷺ کا قول و فعل ہمارے لیے دلیل ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہمارے لیے دلیل ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں یعنی مرفوع حدیث کے سامنے قول صحابی رضی اللہ عنہ بھی ہمارے لیے حجت نہیں ہے۔ مسلمانو! اللہ کے لیے کچھ تو خیال کرو مولویوں کے پیچھے لگنے کی بجائے قرآن وحدیث کا خود مطالعہ کرو جو مسلک و مذہب قرآن وحدیث سے ملے اس کو بغیر کسی تردد کے اپنا لو جو قرآن وحدیث سے نہ ملے اسے چھوڑ دو تعصب کی عینک اتار دو اللہ سے ڈر جاؤ اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ یہی کامیابی ہے۔

مسلمان ہے تو دل میں عظمت قرآن پیدا کر
شراب معرفت پی دیدۂ عرفان پیدا کر

تعویذ کی حقیقت

دراصل معاشرے میں اعتقادی خرابیوں کا ایک مظہر تعویذ گنڈے کا رواج ہے اس سلسلے میں معاشرہ افراط وتفریط کا شکار ہے لہٰذا میں نے اس موضوع کو بھی زیر بحث لانا ضروری سمجھا تا کہ میرے سادہ لوح مسلمانوں کی قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح راہنمائی کی جائے اور اس مسئلہ میں شریعت اسلامیہ کے صحیح نقطہ نظر کو واضح کیا جائے کیوں کہ آج کل ہر علاقے ہر گلی ومحلّہ شہر اور دیہات میں جاہل قسم کے لوگ اس کاروبار میں مگن ہیں اور جن کو نام لکھنا بھی نہیں آتا وہ بھی پیر صاحب بن کر تعویذ فروخت کرنے میں مصروف ہیں۔ سادہ بچارے مسلمانوں کو دھوکا دے کر مال وایمان وعزت سب کچھ لوٹ رہے ہیں۔

مگر افسوس کہ ان ظالموں کو کوئی پوچھنے والا نہیں جو کوئی قرآن وسنت کی بات کرے تو فوراً اس پر وھابی کا فتویٰ لگ جاتا ہے مگر لوگوں کی کم علمی کا عالم یہ ہے کہ وہ دوست ودشمن کی پہچان ہی نہیں رکھتے۔ لوگوں کو وہم میں مبتلا کر دیا گیا ہے اگر کسی کے سر میں درد ہو جائے تو فوراً کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ پر تو کسی نے تعویذ کر دیا ہے وہ اور پریشانی میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو بیمار کر لیتا ہے پھر وہ تلاش کرتا ہے کسی تعویذ نکالنے والے کو جب اس کے ڈیرے پر پہنچتا ہے تو وہ فوراً کہہ دیتا ہے کہ جناب یہ تو کسی نے انتہائی سخت وار کیا ہے اتنا خرچہ لے آؤ تو بچ جاؤ گے اس طرح کے ڈراوے کر کے لوگوں کو بیوقوف بنایا جاتا ہے اور لوگ بن بھی جاتے ہیں۔

جو عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اسلام کی صحیح تعلیمات پر عمل کریں وہاں مسلمانوں کے اس طبقہ کا بھی فرض ہے جو اسلام کی تعلیمات سے واقف ہیں کہ مسلمانوں کی اصلاح کے لیے ان خرابیوں کی نشان دہی اور ان کی صحیح راہنمائی کریں تعویذ لٹکانے والے کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ تعویذ مجھے ہر طرح کی پریشانی اور بیماری سے بچائے گا یہ میرے جسم کی درد کو دور کر دے گا۔

تعویذ تو مجھے نظر بد سے بچائے گا اور دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو بیماری یا نظر بد مجھے لگ چکی ہے اسے دور کرے گا بخار والے مریضوں کو پہنائے جاتے ہیں تا کہ تعویذ کے ذریعے بخار ٹھیک ہو جائے جبکہ یہ سارا بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر ہونا چاہیے سب کام اُس کے اختیار میں ہیں۔

تعویذ لینے والے اس بات پر غور کیوں نہیں کرتے کہ تعویذ دینے والا اللہ کے راستے میں دیوار تو نہیں کیا اس کے پاس کوئی ایسا تعویذ ہے کہ مخلوق کی تعداد بڑھا یا گھٹا سکے کوئی ایسا تعویذ نہیں ہے کہ جسے اللہ پیدا کرنا نہیں چاہتا اور تعویذ لکھنے والا تعویذ لکھ دے تو اللہ اپنا پروگرام بدل دے اور وہ پیدا ہو جائے جسے اللہ بیمار کرنا چاہتا ہے اسے کوئی شفا نہیں دے سکتا جسے رب شفا دینا چاہیے اسے کوئی بیمار نہیں کر سکتا جسے اللہ دولت دینا چاہتا ہے کوئی اس کا دست قدرت روک نہیں سکتا جس پر وہ مفلسی بھیجنا چاہتا ہے کوئی اس کے خزانے سے چھین کر اسے کچھ نہیں دے سکتا اہل ایمان کو صرف اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ (٦/ انعام:١٧)

''اگر اللہ تمہیں کسی قسم کی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تم سے اس تکلیف کو دور کر سکے اور اگر وہ تمہیں کسی قسم کی بھلائی سے بہرہ مند کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۚ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾

(١٠/ یونس:١٠٧)

''اور اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وہ

در گزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

اس طرح قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ۝ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ۝ ﴾

(/ النحل:٥٣-٥٤)

''تم کو جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب کوئی سخت وقت تم پر آتا ہے تو تم لوگ خود اپنی فریادیں لے کر اُسی کی طرف دوڑتے ہو مگر جب اللہ اس وقت کو ٹال دیتا ہے تو یکا یک تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک کر لیتا ہے۔''

ان آیات مبارکہ میں اس بات پر واضح دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں اور اللہ ہی سے سب بندے خیر کے اور مشکل کشائی کے طالب ہوتے ہیں کیونکہ اسباب کے ذریعے یا اسباب کے بغیر وہی اس پر قادر ہے۔ اسباب کیا ہیں اس پر غور فرمائیں۔

اسباب کی دو قسمیں ہیں شرعی اور فطری

شرعی اسباب وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ نص قرآنی یا حدیث نبوی شرعی حیثیت دی ہے جیسے دعا اور جائز جھاڑ پھونک دم وغیرہ جن میں شرکیہ کلام نہ ہو یہ شرعی اسباب ہیں جن کا اثر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ظاہر ہوتا ہے خواہ بندہ خیر کا طالب ہو یا مشکل کشائی کا پس اس سبب کا اختیار کرنے والا دراصل اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس نے اس کا حکم دیا ہے اور بیان فرمایا ہے کہ یہ چیزیں اسباب وذرائع ہیں اس صورت میں اعتماد اللہ تعالیٰ پر ہی ہوتا ہے نہ کہ ان اسباب پر اس لیے کہ تمام اسباب کو اختیار کرنے کی صورت میں ہر وقت بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پر ہوتا ہے۔

فطری اسباب وہ ہیں جن کے ساتھ ان کی تاثیر کی ایسی واضح مناسبت ہے کہ لوگوں میں ان کا ادراک حسی اور عقلی طور پر عام ہو جیسے پانی پیاس بجھانے کا سبب ہے اور کپڑا سردی سے بچنے کا سبب ہے اسی طرح خاص مادوں سے بنی ہوئی دوائیں ان جراثیم پر اثر انداز ہوتی ہیں

جو بیماری کا سبب بنتے ہیں اور ان کے لیے زہر قاتل بن جاتی ہیں یہ فطری اسباب ہیں جن کو بروئے کار لانے کی اسلامی شریعت نے انسانوں کو ترغیب دلائی ہے لہٰذا ان اسباب کا استعمال دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا ہے جس نے اسباب میں یہ متعین خواص پیدا فرمائے ہیں اور وہ جب چاہے ان کو زائل کر دینے پر قادر ہے جس طرح آگ سے جلانے کی خاصیت زائل کر دی جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے جلائی گئی تھی۔

رہا ان تعویذوں کا مسئلہ جو مختلف تعویذ فروشوں نے اپنے انداز میں بنائے ہوئے ہیں موتیوں دانوں گھونگوں گنتی پر مشتمل ہوں تو ان میں کسی کی بھی تاثیر کا کوئی فطری تصور ہے نہ شرعی آپ خود غور فرمائیں کہ ریٹھوں موتیوں کا یا گنتی کے تعویذوں کا بیماری دور کرنے سے کیا تعلق ہے یہ ایسے ہیں جن کا بیماری کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے بیماریوں کے لیے انہیں سبب بنایا ہے اور نہ ہی محسوس طور پر انسان مصائب وخطرات کے لیے انہیں فطری اسباب وذرائع جانتا ہے لہٰذا ان پر بھروسہ کرنا جہالت ہے مومنوں کو تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (۵/ المائدہ:۲۳)

''اور اللہ پر ہی بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔''

جیسے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴾ (۱۰/ یونس:۸۴)

''موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم مسلمان ہو۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴾ (۱۶/ ابراھیم:۱۲)

''اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔''

ہاتھ کی لکیروں پہ نہ جا اے غالب
نصیب ان کے بھی ہوتے ہیں جن کے ہاتھ نہیں ہوتے

قارئین محترم: اگر انسان کا اللہ پر توکل کمزور ہے تو لازمی طور پر اس کا ایمان بھی کمزور ہے اللہ تعالیٰ نے توکل عبادت، ایمان، تقویٰ اسلام اور ہدایت کو ایک ساتھ جمع کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ توکل ایمان اور احسان کے تمام درجات ومراتب کی اصل ہے بلکہ اسلام کے تمام اعمال کی اصل ہے الغرض توکل کی حیثیت اسلام میں اس طرح ہے جس طرح سر کی حیثیت جسم میں ہے جب انسان کا توکل کمزور ہوتا ہے تو ایمان بھی کمزور ہوتا ہے۔ جب ایمان کمزور ہوتا ہے پھر دھاگے وغیرہ پر ایمان رکھتا ہے آج کل انڈیا پاکستان میں آپ کو ہر تیسرا نوجوان نظر آئے گا جس نے جھولے لعل کا لال دھاگہ اپنی کلائی پر باندھا ہوتا ہے تبرک کے لیے اپنی کامیابی وکامرانی کے حصول کی خاطر کچھ لوگوں نے پاؤں کے ساتھ سیاہ رنگ کے دھاگے بخار سے نجات کے لیے باندھے ہوتے ہیں۔

کسی نے امام کے نام پر ایک تار پاؤں میں ڈالی ہوتی ہے اس کو امام ضامن کہتے ہیں سوچنے کی بات ہے کہ جن ائمہ کے نام کا ضامن بچاؤ کی ضمانت کے لیے پہنا جاتا ہے وہ خود اپنے دشمن سے اپنے آپ کو بچا نہ سکے شہید ہو گئے ان کے نام کی تار ہمارے دشمن سے ہمیں کیسے بچائے گی ایسی چیزوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مقدس ہے:

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں تانبے کا چھلہ دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے اُس نے جواب دیا یہ ریاح کی وجہ سے پہن رکھا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے نکال دو کیونکہ یہ بیماری کو زیادہ ہی کرے گا اور اگر تم اس حال میں مر گئے کہ یہ تمہارے جسم پر باقی رہا تو کبھی کامیاب نہیں ہو گے۔''

(مسند احمد ٤/ ٤٤٥، حاکم ٤/ ٢١٦ تعویذ اور عقیدہ توحید صفحہ ٣١)

ایک دوسری حدیث میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں

نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((من تعلق تميمه فلا اتم الله له ومن تعلق ودعة فلا ودع الله له))

(مسند احمد ٤/ ١٥٤ حاکم ٤/ ٢١٦)

”جو تعویذ لٹکائے اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جو گھونگا لٹکائے اللہ تعالیٰ اسے سکون وراحت عطا نہ کرے۔

وہ شاہد قفس ہی میں عمریں گنوائیں
گئیں بھول صحرا کی جن کو فضائیں

ایک اور حدیث میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس دس آدمیوں پر مشتمل ایک جماعت آئی جن میں سے نو آدمیوں سے آپ ﷺ نے بیعت فرمائی ایک آدمی سے بیعت نہ لی لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے نو آدمیوں سے بیعت لے لی اور ایک آدمی کو چھوڑ دیا آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان علیہ تمیمۃ“ اس لیے کہ اس کے جسم پر تعویذ ہے اس شخص نے اپنا ہاتھ اندر داخل کر کے تعویذ کو کاٹ دیا پھر آپ ﷺ نے اس سے بیعت لے لی اور فرمایا:

((من علق تميمة فقد اشرك))

(مسند احمد ٤/ ١٥٦ حاکم ٤/ ٢١٩ اورالبانی رحمۃ اللہ علیہ کی سلسلہ صحیحہ حدیث: ٤٩٢)

”جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ عبداللہ جب گھر آتے تو دروازہ پر پہنچ کر کھنگھارتے اور تھوکتے تاکہ اچانک ہم میں کوئی ایسی چیز نہ دیکھ لیں جو انہیں ناپسند ہو کہتی ہیں کہ ایک دن وہ آئے اور حسب عادت کھنگھارہ اس وقت میرے پاس ایک بوڑھی عورت تھی جو حمرہ (بیماری) کی وجہ سے جھاڑ پھونک کر رہی تھی۔ میں نے اس عورت کو چارپائی کے نیچے چھپا دیا عبداللہ میرے پاس آئے اور میرے ساتھ بیٹھ گئے انہوں نے میرے گلے میں ایک دھاگہ دیکھا تو پوچھا یہ کیسا دھاگہ ہے؟ میں

نے کہا یہ دھاگہ ہے جس میں میرے لیے دم کیا گیا ہے وہ کہتی ہیں یہ سن کر عبداللہ نے پکڑ کر کاٹ دیا اور کہا بیشک عبداللہ کا خاندان شرک سے بے نیاز ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے۔

((ان الرقی اولتمائم و التولة شرك))

''جھاڑ پھونک تعویذ اور محبت کا منتر سب شرک ہیں۔''

(مسند احمد ۱/ ۳۸۱ حاکم ۴/ ۲۱۷ میں صحیح کہا ہے؛ ابن ماجہ ۳۵۳۰ اور البانی نے صحیح ابن ماجہ ۲/ ۲۶۹ میں صحیح کہا ہے)

ایک اور جگہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((من تعلق شیٔا و کل الیه))

(مسند احمد ۴/ ۳۱۰ حاکم ۴/ ۲۱۶ ترمذی اور البانی نے صحیح ترمذی ۲/ ۲۰۸ میں حسن کہا ہے)

''جس نے کوئی چیز لٹکائی وہ اسی کے سپرد کر دیا گیا۔''

ان احادیث مبارکہ سے بشکل مجموعی قطعی طور پر تعویذ لٹکانے کی حرمت ثابت ہوتی ہے بعض لوگ اپنی جہالت اور کم علمی کی وجہ سے تعویذ فروش نجومیوں کے پاس چلے جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ دکھاتے ہیں اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

((من اتی عرافا فسأله عن شيءٍ لم تقبل له صلاة أربعين ليلة))

(صحيح مسلم شريف حديث ۲۲۳۰)

''جو شخص کسی کاہن یا نجومی کے پاس جائے اور اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کرے تو اس کی چالیس راتوں کی نماز قبول نہیں کی جاتی۔ اور ایسے لوگوں کے پاس جا کر سوال کرنے اور وہ جو کچھ کہیں اس کی تصدیق کرنے والا شخص ایسے ہے جیسے اُس نے رسول اللہ ﷺ پر اتری ہوئی شریعت کا انکار کر دیا۔''

نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جو شخص کسی کاہن کے پاس جائے پھر اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو اس نے محمد ﷺ پر اتارے گئے دین الٰہی سے کفر کیا۔

(صحیح الجامع للالبانی حدیث: ۵۹۳۹)

میرے پہلو سے کیا پالا ستم گر سے پڑا
مل گئی ظالم تجھے کفران نعمت کی سزا

جھاڑ پھونک نہ کرنے والوں کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر سابقہ امتیں پیش کی گئیں جنانچہ میں نے ایک نبی علیہ السلام کو دیکھا کہ اس کے ساتھ محض چند افراد ہیں ایک نبی علیہ السلام کے ساتھ صرف ایک دو آدمی ہیں اور ایک نبی علیہ السلام کے ساتھ کوئی بھی نہیں پھر اچانک مجھے ایک بہت بڑی جماعت دکھائی گئی۔ میں نے گمان کیا کہ شاید یہی میری امت ہے تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذرا اس افق کی جانب دیکھیں میں نے دیکھا تو ایک اور بڑی جماعت نظر آئی مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے اور ان میں ستر ہزار افراد ایسے ہیں جو بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اپنے گھر چلے گئے تو لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ان ستر ہزار افراد کے متعلق غور وخوض کرنے لگے جو بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے چنانچہ ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا شاید وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں گے۔ کچھ لوگوں نے کہا نہیں ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی ولادت اسلام کی حالت میں ہوئی انہوں نے کبھی شرک نہیں کیا کچھ لوگوں نے کچھ اور آراء ظاہر کیں۔ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کس چیز کے بارہ میں غور کر رہے ہو؟ تو لوگوں نے بتایا کہ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ وہ ستر ہزار افراد کون ہوں گے جو بغیر حساب وکتاب کے جنت میں داخل ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ھم الذین لا یرقون ولا یسترقون ولا یتطیرون وعلی ربھم یتوکلون)) (بخاری)

''یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ دم کرتے تھے نہ جھاڑ پھونک کرواتے تھے، اور نہ وہ

بدشگونی لیتے تھے اور وہ صرف اپنے رب تعالیٰ ہی پر توکل کرتے تھے۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کردے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم انہی میں سے ہو پھر ایک اور آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا میرے لیے بھی دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کردے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عکاشہ رضی اللہ عنہ تم سے سبقت لے گئے ہیں۔"

(صحیح بخاری شریف : حدیث ۳۴۱۰۔۵۷۰۵۔۵۷۵۲ ، صحیح مسلم حدیث ۲۲۰)

قارئین محترم خالص اللہ پر توکل رکھنا اور اسی عقیدے کے تحت جائز علاج کرانا بھی توکل کے منافی نہیں ہے پھر جو لوگ خالص توکل پر قائم رہ کر کوئی جائز علاج ہی نہ کرائیں وہ یقیناً اس فضیلت کے مستحق ہوں گے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اپنے خوش نصیب بندوں میں شامل فرمائے اور شرک سے محفوظ فرمائے۔ آمین

بدشگونی یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کوئی کام کرنے کا پختہ عزم کر چکا ہو پھر کوئی چیز دیکھ کر یا کوئی بات سن کر وہ کام نہ کرے جس طرح جاہلیت کے زمانے میں کوئی شخص جب کسی کام کے لیے گھر سے روانہ ہونا چاہتا تو ایک پرندے کو اڑا کر دیکھتا اگر وہ دائیں طرف اڑتا تو روانہ ہو جاتا اور اگر بائیں طرف اڑتا تو اس سے بدشگونی لے کر واپس ہو جاتا یعنی ان کا خیال یہ ہوتا کہ اب سفر کرنا درست نہیں نقصان کا باعث ہے جس طرح لوگ کہتے ہیں کالی بلی آگے سے گزر جائے سفر کرنا درست نہیں یا یہ کہتے ہیں کہ صبح سویرے ایسا آدمی منہ لگا کہ سارا دن ہی خراب ہو گیا یہ بدشگونی ہے۔

شریعت نے اس طرح کی بدشگونی سے منع کیا ہے بلکہ بدشگونی لینے کو شرک قرار دیا ہے۔ کیونکہ جو شخص اس طرح کرتا ہے وہ گویا کہ اللہ پر توکل نہیں کرتا بلکہ وہ اس چیز پر توکل کرتا ہے جس کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من ردته الطيرة عن حاجته فقد اشرك))

(صحیح الجامع للالبانی :٦٢٦٤)

''جس شخص کو بدشگونی کسی کام سے روک دے تو اس نے شرک کیا۔''

بعض لوگ کسی شخص سے بدشگونی لیتے ہیں مثلاً صبح سویرے اپنے کاروبار کے لیے کہیں جاتے ہوئے اگر راستے میں کوئی مسکین یا مانگنے والا مل جائے تو کہتے ہیں یہ سویرے سویرے ہی ٹکر گیا آج تو خیر نہیں ہے یا گھر سے کوئی نقصان ہو جائے تو کہتے ہیں یہ اس منحوس عورت کی وجہ سے ہوا۔ اس طرح کسی شخص سے بدشگونی لینا درست نہیں ہے یہ بیماری مسلمانوں میں عام پائی جاتی ہے خاص کر انڈیا پاکستان کے مسلمانوں میں، اس سے بچنا بہت ضروری ہے کوئی کہتے ہیں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی فلاں شخص کا ستارہ ٹھیک نہیں۔ ہے فلاں کا ستارہ آپس میں نہیں ملتا اس سے بھی شریعت اسلامیہ نے سختی سے منع کیا ہے چنانچہ حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں رات کی بارش کے بعد صبح کی نماز پڑھائی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''هل تدرون ماذا قال ربكم'' کیا تمہیں معلوم ہے کہ آج رات تمہارے رب نے کیا کہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ علم ہے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آج میرے بندوں میں سے کسی نے حالت ایمان میں صبح کی ہے اور کسی نے حالت کفر میں پس جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش نازل ہوئی ہے تو وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستاروں کی تاثیر سے انکار کرنے والا ہے اور جس نے یہ کہا کہ ہم پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش نازل ہوئی تو اس نے مجھ سے کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لے آیا۔

(صحیح بخاری حدیث :٨٤٦ ؛ مسلم :٧١)

ان تمام احادیث سے ثابت ہوا کہ ہر معاملے میں مکمل طور پر صرف رب العالمین کی ذات پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے تعویذوں کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فرامین کی روشنی میں وضاحت کی جا چکی ہے کہ ان کا لینا درست نہیں لیکن کچھ علماء قرآنی آیات کے تعویذ اور ماثور دعاؤں سے مرتب تعویذ کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن

اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد اہل علم کا خیال ہے کہ قرآنی تعویذ بھی لٹکانا جائز نہیں۔ ان علماء میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ اور ابن حکیم رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ دور حاضر کے محقق علماء میں محدث عصر علامہ ناصر الدین البانی شیخ عبدالعزیز بن باز بھی شامل ہیں۔

(تعویذ اور عقیدہ توحید صفحہ ۹۸)

ان علماء کے اقوال مندرجہ ذیل کتب میں دیکھے جا سکتے ہیں مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الطب ۷/۳۷۴ اور اس کے بعد کے صفحات سنن بیہقی ۹/ ۲۱۶ اور مستدرک حاکم ۵/ ۲۱۶ اور تیسرا لعزیز الحمید ص ۱۶۸، ۱۷۴ اسلسلہ احادیث صحیحہ ا/ ۵۸۵ القول الدید ص ۳۸ معارج القبول ا/۳۸۲ اور فتاویٰ ابن باز ا/ ۸۲۰۔

حقیقت امر یہی ہے کہ فریق اول کا قول کسی قوی حجت پر مبنی نہیں ہے رہا فریق ثانی کا موقف وہ یہ ہے کہ تعویذوں کے بارے میں وارد شدہ ممانعت کا حکم عام ہے جیسا کہ حرمت کے دلائل اسی بحث کے شروع میں گزر چکے ہیں اور شریعت میں اس عموم کی کوئی تخصیص وارد نہیں ہوئی لہٰذا یہ حکم اپنے عموم پر باقی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ عمل مشروع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیان فرمایا ہوتا جیسا کہ دعا پڑھ کر پھونکنے دم کرنے کا بیان فرمایا اور شرکیہ کلام نہ ہونے کی صورت میں اس کی اجازت دی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم لوگ مجھے اپنے جھاڑ پھونک کے کلمات سناؤ اگر اس میں شرک نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(صحیح مسلم مع شرح نووی کتاب السلام باب لاباس ۱۴/ ۱۸۷)

لیکن اس طرح کی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعویذ کے بارے میں ارشاد نہیں فرمائی۔

لہٰذا ہر طرح کے تعویذ سے پرہیز ہی کیا جائے اور اللہ پر مکمل بھروسہ کیا جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں کبھی کسی کو تعویذ لکھ کر گلے میں لٹکانے کا حکم نہیں دیا اور قرآن مجید کا تعویذ لٹکانا بھی بے حرمتی کا باعث بنتا ہے۔ مثلاً بیت الخلاء وغیرہ میں اس تعویذ کے ساتھ داخل ہونا قرآن کی توہین ہے یہ بات درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن میں ماننے

والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔ (سورہ الاسراء آیت ۸۲)

اس آیت مبارکہ میں طریقہ علاج نہیں بتایا گیا بلکہ قرآن سے علاج کرنے کا طریقہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے اور وہ ہے اس کی تلاوت کرنا اسکے احکام پر عمل کرنا جب انسان قرآن پر عمل ہی نہ کرے قرآنی تعلیمات کو پس پشت ڈال دے صرف۔ گلے میں لٹکائے سمجھنے کی بھی کوشش نہ کرے۔ جس طرح قرآن کو اللہ نے شفا قرار دیا شہد کو بھی شفا فرمایا گیا۔ اگر کوئی شخص شہد کی بوتل بھر کر گلے میں لٹکا لے تو کیا اسے شفا مل جائے گی؟ جب تک اسے استعمال نہ کرے اسی طرح قرآنی تعلیمات پر عمل کیے بغیر انسان کیسے شفاء حاصل کرے گا۔ انسان گلے میں تعویذ لٹکاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو اپنی قدرت کے اعتبار سے اس کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے تعویذ دھاگے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کر لے تو بہتر ہے۔ یہی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سب مسلمان کو عقیدہ توحید سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین۔

عاقل کو تو کافی ہے بس ایک حرف حکایت
نادان کو کافی ہے نہ دفتر نہ رسالہ

بدعت کیا ہے؟

لغت میں بدعت دو معنوں کے لیے مستعمل ہے۔

① وہ نئی چیز جو سابقہ کسی مثال کے بغیر بنائی گئی ہو چنانچہ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے

﴿قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ (٤٦/ احقاف:٩)

''کہہ دیجئے: کہ میں کوئی نیا پیغمبر نہیں ہوں۔''

یعنی میں کوئی پہلا رسول ﷺ نہیں بلکہ مجھ سے پہلے بہت سے رسول علیہم السلام بھیجے جا چکے ہیں اور ایک وقت کے بعد مجھے بھی مبعوث کیا گیا ہے اور قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (٢/ القبرہ:١١٧)

''یعنی آسمانوں اور زمین کو ایک نئے انداز سے پیدا فرمانے والا۔''

کیونکہ اس نے آسمان و زمین کو اس انداز سے بنایا کہ جس کی کوئی سابقہ مثال نہ تھی۔

② بدعت کا دوسرا معنی تھکنے اور عاجز ہو جانے کے ہیں چنانچہ اونٹ جب بیماری یا کمزوری یا تھکن کے سبب راستے میں بیٹھ جائے تو اس وقت کہا جاتا ہے۔ ''ابدعت الابل'' یعنی اونٹ تھک کر بیٹھ گیا وغیرہ۔ (لسان العرب لابن منظور ٨/ ٧)

بدعت کا شرعی مفہوم

بدعت کا شرعی مفہوم کے تعین کے سلسلہ میں علماء کا قدرے اختلاف ہے چنانچہ بعض تو بدعت کو سنت کا مقابل قرار دیتے ہیں جب کہ بعض دیگر علماء کا خیال ہے کہ ہر وہ چیز جو عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد ایجاد کی گئی ہو بدعت ہے خواہ وہ اچھی چیز ہو یا بری۔ بدعت کی جامع تعریف جو امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے۔ یعنی بدعت دین میں نکالے گئے اس طریقے کو کہتے ہیں جو شریعت کی شکل میں ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا مقصود

ہو مگر اس طریقے کی صحت کے سلسلے میں کیفیت یا اصل کے اعتبار سے کوئی صحیح اور شرعی دلیل موجود نہ ہو۔ (الاعتصام للشاطبی ۱/ ۷۳)

بدعت کی تعریف زبان نبوت سے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے شایان شان اس کی حمد وثناء کرتے اس کے بعد فرماتے:

((من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ و من یضلل فلاھادی لہ و خیر الحدیث کتاب اللّٰہ و خیر الھدی محمدٌ و شر الامور محدثاتھا و کل بدعة ضلالة)) (سنن ابن ماجه مقدمه باب اجتناب البدع والجدل حدیث ٤٥)

''اللہ جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں سب سے بہتر حدیث اللہ کی کتاب اور سب سے بہتر راستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور سب سے بدترین کام وہ ہے جو دین کے اندر ایجاد کیا گیا ہو اور ہر نو ایجاد کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

دوسری حدیث مبارکہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ میں یہ الفاظ ارشاد فرماتے:

((ان خیر الحدیث کتاب اللّٰہ و خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم و شر الامور محدثاتھا و کل بدعة ضلالة))

(صحیح مسلم شریف کتاب الجمعة ج ۲ ص ۲۲۱ مع شرح نووی)

''بہترین کلام اللہ کی کتاب قرآن ہے اور راستوں میں بہترین راستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور بدترین کام وہ ہیں جو نئے نکالے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس حدیث مبارکہ پر غور فرمایئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سیرت و سنت، اور اپنے راستے کا بدعت سے تقابل کر کے یہ بات سمجھائی ہے کہ میری سنت اور میرے لائے ہوئے دین کے خلاف جو کچھ ایجاد ہوگا وہ بدعت ہوگا اور ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی باعث دخول نار ہے۔

جیسا کہ ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من أحدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو ردٌّ))

(صحیح بخاری، کتاب الصلح باب ازا اصلحوا علی صلح جو رفھو مردودٌ حدیث ٣٦٩٧)

''یعنی جس شخص نے ہمارے امر دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو دین میں نہ تھی تو وہ چیز رد کر دی جائے گی۔''

ایک حدیث میں فرمایا:

((من عمل عملا لیس علیه امرنا فهورد))

(صحیح مسلم شریف کتاب الاقضیة باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور حدیث ١٧١٨)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کا ہم نے حکم نہ دیا ہو تو وہ عمل غیر مقبول مردود ہے۔''

ایک حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان ہے

((وایا کم ومحدثات الامور فان کل محدثة وکل بدعة ضلالة))

(ترمذی؛ سنن ابی داود ٤٦٠٧ ؛ سنن الترمذی٢٦٧٥)

''نئی نئی بدعات سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا بلاشبہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من أحدث فی دیننا مالیس منه فهورد))

(شرح النسه للبغوی حدیث ١٠٣)

''جس نے ہمارے دین میں ایسی بات نکالی جو اس میں موجود نہیں وہ مردود ہے۔''

حدیث رسول ﷺ ہے:

((عن جابر بن عبدالله رضی اللہ عنہ، قال قال رسول الله ﷺ امابعد فان خیر الحدیث کتاب الله وخیرا لهدی هدی محمد وشرالامور محدثاتها وکل بدعة ضلالة))

(صحیح مسلم شریف باب تخفیف الصلاة والخطبة حدیث٨٦٧)

''جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حمد وثنا کے بعد بہترین بات اللہ کی کتاب ہے بہترین راستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور بدترین کام دین میں نئی بات ایجاد کرنا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

سنن نسائی کے الفاظ یہ ہیں حدیث کا آخری حصہ نقل کر دیتا ہوں:

((کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار))

(سنن نسائی کتاب صلاۃ العیدین باب کیف الخطبة حدیث : ١٥٤)

''ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے جس کا انجام جہنم ہے۔''

ابن ماجہ میں حدیث مبارکہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عن العرباض بن سارية رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وایاكم والامور المحدثات فان كل بدعة ضلالة))

(سنن ابن ماجه مقدمه حديث ٤٢)

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین میں نئی چیزوں سے بچو اس لیے کہ ہر نئی بات گمراہی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدعتی کے سلام کا جواب دینا بھی پسند نہیں کرتے تھے:

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا فلاں آدمی آپ کو سلام کہتا ہے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس آدمی نے بدعت ایجاد کی ہے لہٰذا اگر اس نے واقعی بدعت ایجاد کی ہے تو میری طرف سے اسے سلام نہ کہنا۔

(جامع ترمذی ابواب القدر باب ماجاء فی الرض بالقضا حدیث :١٧٤٨)

بدعت جاری کرنے پر اللہ کی لعنت ہے:

((عن عاصم رضی اللہ عنہ قال قلت لانس رضی اللہ عنہ أحرّم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم المدينة قال نعم مابين كذاوكذا لايقطع شجرها من احدث فيها حدثا فعليه لعنة الله الملائكة والناس اجمعين))

(صحیح بخاری شریف کتاب الحج حدیث :١٨٦٧)

’’عاصم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں فلاں جگہ سے لے کر فلاں تک کوئی درخت نہ کاٹا جائے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہاں کوئی بدعت رائج کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور سارے لوگوں کی لعنت ہے۔‘‘

حدیث مبارکہ میں آپ کا ارشاد ہے بدعت ایجاد کرنے والے پر دوسروں کا بوجھ بھی ہوگا:

((عن کثیر بن عبداللہ عمر وبن عوف المذنی رضی اللہ عنہ ،قال حدثنی ابی عن جدی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من احیاء سنة من سنتی فعمل بھا الناس کان لہ مثل اجر من عمل بھا لا ینقص من اجورھم شیئاً ومن ابتدع بدعة فعمل بھا کان علیہ اوزار من عمل بھا لاینقاص من اور زار من عمل بھا شیئاً))

(ابن ماجہ کتاب المقدمة باب من احیاء سنة امیقیت حدیث:۹-۲۰)

’’کثیر بن عبداللہ بن عمر بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے میرے باپ سے دادا نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری سنتوں میں سے کوئی ایک سنت زندہ کی اور لوگوں نے اس پر عمل کیا تو زندہ کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس سنت پر عمل کرنے والے تمام لوگوں کو ملے گا جب کہ لوگوں کے اپنے ثواب میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے کوئی بدعت جاری کی اور پھر لوگوں نے عمل کیا تو بدعت جاری کرنے والے پر تمام لوگوں کا گناہ ہوگا جو اس بدعت پر عمل کریں گے جبکہ بدعت پر عمل کرنے والے لوگوں کے اپنے گناہوں کی سزا سے کوئی چیز کم نہیں ہوگی۔‘‘

بدعتی کی حمایت کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔

((عن علی رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ ولعن اللہ من سرق منار الارض ولعن اللہ من لعن والدہ ولعن اللہ من اوٰی محدثا))

(صحیح مسلم شریف کتاب الاضاحی باب تحریم الذبح لغیر اللہ حدیث : ۱۹۷۸)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اس شخص پر جو غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے جو زمین کے نشانات چوری کرے جو اپنے والدین پر لعنت کرے اور جو بدعتی کو پناہ دے۔

غور فرمائیں کہ بدعتی کو پناہ دینے والے پر لعنت ہے تو جو خود بدعتی ہو اُس پر کتنی لعنت ہو گی جس کی وجہ سے دوسرا بھی لعنتی بنا مسلمانوں کو اس ملعون فعل سے بچنا چاہیے۔

گمراہی کی طرف بلانے والے کا انجام

((عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من دعا الیٰ ھدی کان له من الاجر مثل تبعه لاینقص ذلك من جو رھم شیاً ومن دعا الی ضلالة کان علیه من الاثم مثل اثام من تبعهٗ لاینقص ذلكَ من اثامھم شیاً)) (صحیح مسلم کتاب العلم باب من سن سنة حدیث : ۲۶۷٤)

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے لوگوں کو ہدایت کی طرف دعوت دی اسے ہدایت پر عمل کرنے والے تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا اور ہدایت پر عمل کرنے والوں کا اپنا اجر بھی کم نہیں ہوگا اس طرح جس شخص نے لوگوں کو گمراہی کی طرف بلایا اس شخص پر ان تمام لوگوں کا گناہ ہوگا جو اس گمراہی پر عمل کریں گے جب کہ گناہ کرنے والوں کے اپنے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔"

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بدعت ایک بڑی گمراہی ہے اسکی طرف دعوت دینے والے تمام لوگ مجرم ہیں اور ان کی دعوت پر چلنے والے بھی تمام لوگ مجرم ہیں اللہ کی گرفت سے نہیں بچیں گے۔ اللہ کے بھیجے ہوئے حق اور ہدایت کی طرف دعوت دینے والے اور قبول کرنے والے اجر عظیم کے مستحق ہیں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا

بالنواجذوایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ))

(سنن ابی داود کتاب السنۃ حدیث: ٢٦٧٦ باب فی لزوم السنۃ حدیث ٤٦٠٧؛ جامع ترمذی ابواب العلم باب الاخذ ابالسنۃ واجتناب البدعۃ)

''تم میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اپناؤ اسی پر مضبوطی سے کاربند رہو اور دین میں ایجاد کی گئی بدعتوں سے بچو کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے اتباع سنت کے ساتھ ہی بدعات سے اجتناب کرنے کا بھی حکم دیا ہے اللہ سے ہر وقت یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سنت پر چلائے اور بدعت وضلالت سے بچائے کیوں کہ بدعت پر چلنا باعث دخول جہنم ہے اور سنت پر چلنا دخول جنت کا باعث ہے۔

اللہ بدعتی کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا اور بدعتی اسلام سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((لا یقبل اللّٰہ لصاحب برعۃ صوما ولا صلوۃ ولاصدقۃ ولا حجا ولا عمرۃ ولا جھادا ولا صرفا ولا عدلاً یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرۃ من العجین)) (ابن ماجہ ج اوّل صفحہ ٦)

''اللہ تعالیٰ بدعتی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے نہ نماز نہ اس کا صدقہ قبول کرتا ہے اور حج نہ عمرہ نہ اس کا جہاد قبول کرتا ہے اور نہ بدعتی کی کوئی فرضی نفلی عبادت قبول کرتا ہے بلکہ بدعت کرنے والا اسلام سے اس طرح خارج ہو جاتا ہے جس طرح گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔''

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بدعتی کی توبہ قبول نہیں کرتا جب تک وہ بدعت چھوڑ نہ دے۔''

(طبرانی صحیح الترغیب والترھیب للالبانی جزء الاول رقم الحدیث ٥٢)

ان ارشادات نبوی ﷺ سے بدعت کی سنگینی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اس کے بعد ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایمانداری سے بدعت جیسے بڑے جرم سے بچنے کی

فکر کرے اور بدعت کی تعریف جاننے کے لیے محنت کرے تاکہ وہ بدعت کی پہچان کے بعد بدعت کے کاموں سے اپنے آپ کو با آسانی دور رکھ سکے۔

بدعت کی تعریف کا خلاصہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں

ہم اجمالی طور پر بدعت کی تعریف اس طرح کر سکتے ہیں کہ دین میں کسی نئی بات کا اضافہ کرنا اسے بدعت کہتے ہیں اور ذرا تفصیل سے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ دین میں کسی ایسے کام کا اضافہ کرنا جس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہیں ملتا جب کے کرنے والا اسے کار ثواب اور اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھتا ہے۔

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور شعبہ ہائے زندگی کے لیے دستور العمل ہے اور نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ ایک بہترین نمونہ اور اسوۂ حسنہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو تمہیں جنت کے قریب اور جہنم سے دور کرے لیکن میں نے تمہیں اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہیں جہنم کے قریب اور جنت سے دور کرے لیکن میں نے تمہیں اس سے روک دیا ہے۔

(صحیح مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ حدیث ۳۴۳۳۲)

دین اسلام رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں مکمل ہو چکا تھا اب اس میں کسی قسم کے اضافہ کی گنجائش باقی نہیں رہی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (۵/ المائدہ:۳)

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔“

آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟

ایک مغالطہ دیا جاتا ہے کہ اگر یہ عمل رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں تو کیا ہوا کام تو اچھا ہے اس میں کونسی برائی ہے لیکن یاد رکھیں بدعت ہمیشہ نیکی کے روپ میں ہی ظاہر ہوئی مطلب

یہ نہیں کہ یہ کام لوگوں کی نگاہ میں اچھا ہے اور یہ نیکی ہے۔

ایسی باتیں سن کر سنت کے پابند لوگ بھی اس کا شکار ہو جاتے ہیں اور اس طرح کی باتیں سن کر ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ یہ کہ صاحب ہم جو کام کر رہے ہیں جب یہ نیکی کا کام ہے اچھا ہے تو آخر اس کے کرنے میں کیا حرج ہے بیشک رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت تو نہیں ہے لیکن جب اس میں برائی یا قباحت نہیں تو پھر اس سے آپ کیوں روکتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نیکی کے کام کرنے میں کوئی حرج نہیں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اچھا کام قابل تعریف ہے جب کیا جائے جہاں کیا جائے اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ نیکی کے کام سے روکنے والے نافرمان و گناہ گار ہیں۔

لیکن......! سوال یہ ہے کہ نیکی آخر ہے کیا؟ کون بتائے گا کہ یہ نیکی ہے ثواب ہے اجر ہے اور یہ گناہ ہے برائی ہے اور پھر اس بات کا فیصلہ کون کرے گا کہ نیکی کرنے کا طریقہ یہ ہے فلاں ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ یہ ہے اور اس کی حدود وقیود یہ ہیں اگر ہر شخص اپنی طرف سے نیکی کی تعریف، اور طریقہ متعین کرے گا تو پھر دین تو ایک مذاق بن کر رہ جائے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد فوت ہو جائے گا اس بات کا تعین صرف اور صرف نبی کریم ﷺ کر سکتے ہیں کہ نیکی کرنے کا طریقہ کیا ہے اور اس کی کیا حدود ہیں۔ ہر شخص کو اس کا اختیار نہیں دیا جا سکتا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں متعدد ایسے واقعات رونما ہوئے جن میں کچھ لوگوں نے اچھے کام کیے جن میں اللہ کا ذکر تھا اور اس کی عبادت تھی مگر اس کے باوجود وہ روک دیے گئے اور جب انہیں بتایا گیا کہ یہ طریقہ خیر رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں تو فوراً اس سے رک گئے۔

ہم ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں کہ وہ کام جن کے بظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں اور نیکی کے کام تھے لیکن اس کے باوجود حضور ﷺ سے ثابت نہ ہونے کے وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں رائج نہ ہونے دیا۔ مثلاً ایک لمبی روایت میں ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں کہ ہم نماز فجر سے پہلے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ جاتے اور وہ جب گھر سے نکلتے تو ان کے ساتھ مسجد روانہ ہو جاتے ایک دن ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ کیا ابو عبدالرحمٰن (عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نکل

گئے؟ ہم نے جواب دیا نہیں یہ سن کر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بھی بیٹھ گئے یہاں تک کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور ہم سب ان کی طرف کھڑے ہو گئے تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ ان سے مخاطب ہوئے اور کہا اے ابو عبدالرحمن رضی اللہ عنہ میں ابھی ابھی مسجد میں ایک نئی بات دیکھ کر آیا ہوں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا وہ کیا؟ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا زندگی رہی تو آپ بھی دیکھ لیں گے وہ بات یہ ہے کہ کچھ لوگ نماز کے انتظار میں مسجد کے اندر حلقے بنائے بیٹھے ہیں سب کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں اور ہر حلقہ میں ایک آدمی متعین ہے جو ان سے کہتا ہے کہ ۱۰۰ بار اللہ اکبر کہو تو سب لوگ سو بار اللہ اکبر کہتے ہیں۔ پھر کہتا ہے کہ ۱۰۰ بار الحمد للہ کہو تو سب ۱۰۰ بار الحمد للہ کہتے ہیں پھر کہتا ہے کہ ۱۰۰ بار سبحان اللہ کہو تو وہ سو بار سبحان اللہ کہتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم نے ان لوگوں سے پھر کیا کہا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے سوچا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی رائے معلوم کر لوں اس لیے میں نے وہاں کچھ نہ کہا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے ان سے یہ کیوں نہیں کہا کہ اپنے گناہ شمار کرو میں اس بات کی کھلی ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہ ہوں گی۔ یہ کہہ کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف روانہ ہوئے اور ان حلقوں میں سے ایک حلقہ کے پاس کھڑے ہوئے فرمایا یہ کیا ہو رہا ہے لوگوں نے جواب دیا اے ابو عبدالرحمن رضی اللہ عنہ یہ کنکریاں ہیں جن پر ہم تکبیر و تہلیل اور تسبیح گن رہے ہیں۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بجائے اس کے تم اپنے اپنے گناہ شمار کرو اور میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے ایک بھی نیکی ضائع نہ ہو گی تعجب ہے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ ابھی تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کثیر تعداد میں موجود ہیں ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوڑے ہوئے کپڑے نہیں پھٹے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برتن نہیں ٹوٹے اور اتنی جلدی تم ہلاک ہو گئے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم یا تو ایسی شریعت پر چل رہے ہو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے نعوذ باللہ بہتر ہے یا گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو لوگوں نے جواب دیا اے ابو عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اللہ کی قسم اس طرز عمل سے خیر کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہ تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کتنے ہی خیر کے طلب گار ایسے ہیں جو خیر تک

کبھی نہیں پہنچ پاتے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے ایک قوم ایسی ہوگی جو قرآن پڑھے گی مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ شاید ان میں سے اکثر تم ہی میں سے ہوں یہ باتیں کہہ کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس چلے آئے راوی حدیث عمرو بن رضی اللہ عنہ مسلمہ کہتے ہیں کہ ان حلقوں کے عام لوگوں کو ہم نے دیکھا کہ نہروان کی جنگ میں وہ ہمارے بالمقابل خوارج کے ساتھ تھے۔

(سنن دارمی شریف: ۲۱۰ طبع دارالمعرفۃ)

قارئین محترم یہ اثر درجہ ذیل باتوں پر مشتمل ہے۔

جس ذات نے عمل شروع کیا ہے وہ طریقہ عمل کے بتانے سے غافل نہیں رہا اللہ تعالیٰ نے جب ذکر واذکار کو شروع فرمایا تو ذکر واذکار کا طریقہ بھی متعین کر دیا چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ پر تسبیحات شمار کرتے اور فرماتے تھے کہ قیامت کے دن تسبیحات گواہی دیں گی۔ بدعت اضافی بھی گمراہی ہے بدعت اضافی یہ ہے کہ اصل عمل کا ثبوت تو موجود ہو مگر کیفیت اور طریقہ عمل کی کوئی دلیل نہ ہو اور اسے اضافی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ صریحی طور پر نہ تو شریعت کے مخالف ہے اور نہ ہی مسنون طریقہ پر سنت کے موافق۔

چنانچہ جو لوگ مسجد میں بیٹھ کر حلقہ درحلقہ بیٹھ کر کنکریوں پر تسبیح خوانی کر رہے تھے انہوں نے نہ تو کوئی کفریہ بات کہی تھی اور نہ ہی کوئی برا فعل انجام دیا تھا بلکہ اللہ کا ثابت شدہ ذکر کر رہے تھے جو کہ ایک مشروع مستحب عمل ہے لیکن کیوں کہ وہ عمل رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے اور سنت کے خلاف تھا کیوں کہ آپ ﷺ نے اس طرح سے ذکر کرنے کی تعلیم نہیں فرمائی تھی اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان لوگوں پر سخت نکیر فرمائی اور کہا کہ تم سب اپنے گناہ شمار کرو۔ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کے مطابق عمل ہی اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوگا ورنہ مردود ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ کام تو اچھا ہے اس کے کرنے میں آخر حرج کیا ہے وہ غور فرمائیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ طریقہ رسول ﷺ کے خلاف عمل پر نکیر کرنا منع کرنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما خاص طور پر ان صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو بدعات پر نہایت شدومد کے ساتھ نکیر فرماتے اور اہل بدعت کو اپنے سے دور رکھتے تھے۔

چنانچہ ایک بار کسی شخص کو چھینک آئی اور اس نے چھینکنے کے بعد الحمد اللہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ پڑھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فوراً اسے ٹوکا اور کہا:

((ماھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل قال اذعطس احدکم فلیحمداللّٰہ ولم یقل ولیصل علی رسول اللّٰہ))

(سنن ترمذی کتاب الأدب باب مایقول العاطس حدیث ۲۷۳۸)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تو اس طرح نہیں سکھایا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا جب کسی کو چھینک آئے تو الحمد اللہ کہے اور یہ ہرگز نہیں حکم دیا کہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ پڑھے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر اس شخص کی تردید فرمادیتے تھے جو سنت صحیحہ کی خلاف ورزی کررہا ہو بلکہ اس تردید ونکیر میں ان کا رویہ کبھی سخت بھی ہو جایا کرتا تھا خواہ کوئی بھی ہو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں پھر کیا ہوا بات تو اچھی ہے اس میں برائی کیا ہے ایسا کہنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝﴾ (۱۸/ الکھف:۱۰۳۔۱۰۴)

”کہہ دو کہ تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔“

دنیا کا ہر انسان جو بدعت کا شکار ہے وہ اسے اپنے خیال میں نیکی سمجھ رہا ہے اور اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اپنے لیے کار ثواب اور باعث نجات خیال کرتا ہے۔

بدعتی حوض کوثر پر جا سکے گا نہ ہی اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حوض کوثر پر میں تمہارا منتظر رہوں گا تم میں سے کچھ لوگ آئیں گے

جنہیں میں پہچان لوں گا لیکن جیسے ہی انہیں لینے کے لیے بڑھوں گا وہ مجھ سے روک لیے جائیں گے میں کہوں گا اے پروردگار یہ میرے امتی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آپ ﷺ کے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا نئی باتیں ایجاد کی تھیں۔

(صحیح بخاری کتاب الفتن باب ۱، ۵-۷۰-۷۰۵۱)

مانو نہ مانو جان جہاں تمہیں اختیار ہے
ہم نیک وبد جناب کو سمجھائے جاتے ہیں

حفیظ الرحمٰن قادری کے بدعت کے حق میں دیئے گئے دلائل کی اصل حقیقت

قادری صاحب بدعت کی تعریف تو درست کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اپنا بریلوی فلسفہ جھاڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ حدیث مبارکہ میں ہے ہر بدعت گمراہی ہے یعنی دین کے اندر عبادت سمجھ کر نیا کام شروع کر دینا گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ (شرک کیا ہے صفحہ ۱۰۶)

آگے کہتے ہیں کہ اگر بالفرض محال حدیث مبارکہ کا مطلب جو یہ سمجھے ہیں ویسا ہی درست مان لیا جائے تو پھر اس تعریف کی زد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات اقدس بھی آئے گی حوالہ مذکورہ یعنی انہوں نے بھی نئے کام کیے مثلاً قرآن کو جمع کرنا۔

الجواب: قرآن کا جمع کرنا بدعت نہیں کیوں کہ جنگ میں کثیر تعداد حفاظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شہید ہونے کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کی حفاظت کے پیش نظر قرآن مجید کو جمع کیا اور یہ کام اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیا کیوں کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝﴾ (۱۵/ الحجر: ۹)

''ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

چنانچہ جمع قرآن کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے ہوئی اس سے پہلے قران مجید صحیفوں کی شکل میں لکھا ہوا موجود تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے:

﴿ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴾ (۹۸/ البینة:۲)

''یعنی اللہ کے پیغمبر پاک صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں۔''

فرق صرف اتنا تھا کہ صحیفے منتشر اور جدا جدا تھے ان کو اکٹھا کیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جمع قرآن کا کام اپنی جانب سے نہیں کیا بلکہ درحقیقت حفظ قرآن کے وعدے کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا ایفا تھا جو اس نے جمع قران کے سلسلہ میں فرمایا تھا:

﴿ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴾ (۷۵/ القیامة:۱۷)

''بیشک اس قرآن کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔''

قرآن مجید کی حفاظت ایک مقصد ہے تو اس کا جمع کرنا اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کرتے ہوئے قرآن مجید کو جمع فرما دیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے حکم سے انجام دیا گیا جن کی بات کو ماننے اور پیروی کرنے کا حکم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فعلیکم بسنتي وسنة الخلفائے الرشدین المهدیین عضو علیها بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعة ضلالة))

(سنن ابی داود کتاب النسة حدیث:۲٦۷٤)

''تم میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اپناؤ اس پر مضبوطی سے کاربند رہو اور دین میں ایجاد کی گئی بدعتوں سے بچو کیوں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے کیے ہوئے کام کو تسلیم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ماننا ہے کیوں کہ اس حدیث میں صحابہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت سے نکال دیا ہے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کیے ہوئے

کام بدعت نہیں بلکہ حکم سنت میں سے ہیں اس لیے۔ قادری صاحب کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بدعت میں ملوث کرنا ہرگز درست نہیں ان کی پیروی سنت سے ہے ان کے علاوہ بھی تمام صحابہ کرام جمع قرآن کے عمل پر متفق تھے گویا کہ اس بات پر ان کا کلی اجماع تھا جو یقیناً حجت ہے کیوں کہ اس مقدس جماعت کے بارے میں نعوذ باللہ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی ضلالت وگمراہی پر متفق ہوسکتی تھی۔

جمع قرآن کی بابت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو کارنامہ انجام دیا وہ ایک ایسا عمل ہے جسے عقل تسلیم کرتی ہے۔ بلکہ کسی بھی صاحب عقل کو اس کے قبول کر لینے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا۔

یہ بھی اصول ہے کہ جس چیز پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو اس پر بدعت کا حکم ہرگز نہیں لگ سکتا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دامن بدعات سے پاک ہے لہٰذا جمع قرآن پر بدعت کا اعتراض باطل ہے۔

مذکورہ بالا نکات کی وضاحت کے بعد یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ بدعت عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معارض ہوتی ہے کیوں بدعت میں شریعت کے مصالح کا لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ بدعت ایجاد کرنے والوں کے اپنے ذاتی مفاد اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو کچھ کیا وہ عقل میں آنے والے اعمال تھے ایک متبع سنت کے لیے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل سے بدعت کی دلیل پکڑنا درست نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل خود اہل بدعت کے خلاف حجت اور ان کے عقائد کی تردید کرتا ہے۔

قادری صاحب کی دوسری دلیل کا جواب

لکھتے ہیں کہ نماز تراویح سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ میں تراویح اس طرح نہیں پڑھی جاتی تھی جس طرح آج ہم پڑھ رہے ہیں۔ رمضان المبارک میں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رات کا قیام تمہارے لیے نفل ہے آگے لکھتے ہیں کہ اس لحاظ سے تراویح کی نماز بھی بدعت باجماعت ادا کرنا بدعت اور ان میں پورا قرآن پڑھنا بھی بدعت ہے کہ تقریباً سبھی کر رہے ہیں۔ (شرک کیا ہے کتاب مذکورہ صفحہ ۱۰۹)

الجواب: نماز تراویح صلوۃ اللیل ایک مشروع عمل ہے اور نص حدیث سے صراحت کے ساتھ

ثابت ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ان النبی ﷺ لما أحیا بالناس لیلة فی رمضان صلی ثمانی رکعات وأوتر))

(صحیح ابن خزیمہ حدیث:١٠٧٠؛ صحیح ابن حبان:٢٤٠٩)

''یعنی نبی ﷺ نے جب رمضان کی ایک رات لوگوں کو لے کر شب بیداری کی تو آٹھ رکعات پڑھائی اور پھر وتر ادا کیا۔''

یہی نہیں بلکہ نماز تراویح کا باجماعت ادا کرنا بھی سنت سے ثابت ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ تین رات تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جماعت کے ساتھ نماز تراویح پڑھاتے رہے اور تین راتوں کے بعد اس ڈر سے جماعت موقوف کر دی کہ کہیں میری امت پر صلوۃ اللیل باجماعت فرض نہ کر دی جائے جیسا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے:

((ولکن خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنها))

(صحیح بخاری کتاب الجمعته، باب من قال فی الخطبة بعد الثناء، حدیث:٩٢٤)

''یعنی میں نے اس ڈر سے نماز باجماعت موقوف کر دی ہے کہ کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے اور تم پھر اسے ادا نہ کر سکو۔''

لیکن جب نزول وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو وہ فکر بھی دور ہو گئی جو رسول اللہ ﷺ کو نماز تراویح کے باجماعت فرض ہو جانے کی بابت تھی کیونکہ علت اپنے معلول کے وجود و عدم کے اعتبار سے پیدا ہوتی اور ختم ہوتی ہے لہٰذا جب علت زائل ہو گئی تو نماز تراویح کے باجماعت ادا کرنے کی سنت اپنی جگہ برقرار رہی یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور انہوں نے سنت نبوی کے مطابق گیارہ رکعت باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا بلکہ نافذ کر دیا اور اس طرح سے انہوں نے اس سنت کا دوبارہ احیا کیا۔ (موطا امام مالک باب قیام رمضان حدیث:٢٤٩)

دوسرا جواب یہ کام خلیفہ راشدین رضی اللہ عنہم نے کیا جن کی پیروی کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا۔ (سنن ابی داود کتاب السنة حدیث: ٣٦٧٦)

معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اتباع میں جو کام کیا جائے وہ سنت کے حکم میں

ہے بدعت کی دلیل نہیں قادری صاحب کا یہ کہنا کہ باجماعت نماز تراویح بدعت ہے یہ ان کے قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔

قادری صاحب کی تیسری دلیل اوراس کا جواب

لکھتے ہیں کہ نماز جمعہ کی دوسری اذان سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ میں جمعۃ المبارک کی ایک ہی اذان ہوتی تھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک ہی اذان ہوتی رہی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ لوگ کاربار میں بہت زیادہ مشغول ہو چکے ہیں خطبے سے پہلے جو اذان ہوتی ہے اس کے اور نماز کے دوران وقت کم ہوتا ہے لوگ کاروبار کو سمیٹ کر جماعت میں شامل ہونا مشکل محسوس کرنے لگے تو آپ رضی اللہ عنہ نے جمعے کی دوسری اذان کو جاری فرمادیا جو کہ بدعت ہے تقریباً تمام مسلمان اس بدعت کو ادا کر رہے ہیں۔

(حوالہ کتاب مذکورہ صفحہ ۱۰۹)

الجواب: عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کیونکہ خلیفہ راشد ہیں جن کی پیروی کرنے کا حکم خود رسول اللہ ﷺ نے دیا ان کی باتوں کو ماننا فرمان رسول ﷺ پر عمل ہے ان کا عمل سنت کے حکم میں ہے نہ کہ بدعت ویسے بھی دو اذانیں دینا جمعہ کے دن ضروری نہیں ہماری سینکڑوں مساجد میں صرف ایک ہی اذان ہوتی ہے اگر کوئی آج رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو ہی اختیار کرتا ہے اور جمعہ کے لیے ایک اذان پر ہی اکتفا کرتا ہے تو نہ صرف جائز بلکہ بعض کے نزدیک عمل افضل ہے۔

قادری صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کے بعد آخر میں قراٗ حضرات صدق اللہ العظیم پڑھتے ہیں جب کہ یہ سنت نہیں بلکہ یہ بہت بعد میں جاری ہوا۔

(کتاب مذکورہ صفحہ ۱۱۱)

جواباً عرض ہے کہ اگر یہ عمل سنت سے ثابت نہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں تو بدعت ہے ایسے کام کو کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے ایک بدعت دوسری کے لیے دلیل کیسے بن گئی جو کام آپ ﷺ نے کیا وہ سنت ہے جو نہیں کیا وہ نہ کرنا سنت ہے سنت پر عمل کریں بدعت سے بچنے کی کوشش کریں۔

قادری صاحب لکھتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے زمانہ میں جانور سواری کے لیے استعمال کیے جاتے تھے اب زیادہ تر سواری کے لیے گاڑیاں اور ہوائی جہاز استعمال کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی بدعت ہیں اس قسم کی بے شمار بدعتیں ہیں جو کہ ہم روزمرہ زندگی میں استعمال کرتے ہیں کوئی بھی ان سے بچ نہیں سکتا۔ (کتاب مذکورہ ۱۱۲)

الجواب: بظاہر یہ بات بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے لیکن جس شخص کو بدعت کی صحیح تعریف معلوم ہوگی اور اس کی پہچان ہوگی وہ کبھی بھی اس مغالطے کا شکار نہیں ہوگا یہ مغالطہ وہی لوگ دیتے ہیں جو یا تو بدعت کی تعریف سے واقف نہیں ہوتے یا پھر وہ جان بوجھ کر لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں کیونکہ ہم شروع میں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ بدعت اس چیز کو کہا جاتا ہے جو دین میں نئی بات ثواب اور اجر کی نیت اور خیال سے نکالی جائے اور رسول اللہ ﷺ کے الفاظ بالکل واضح ہیں کہ "من احدث فی امرنا هذا" یعنی ہمارے دینی معاملات میں جس نے کوئی نئی چیز پیدا کی نہ کہ دنیاوی معاملات ہیں اب دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو ہوائی جہاز یا گاڑی پر سوار ہونا ثواب سمجھتا ہو یا اس عمل کو ذریعہ نجات سمجھتا ہو یہ سب دنیاوی ایجادات ہیں اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں سواریوں کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

(١٦/ النحل: ٨)

"اور گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے لیے اور وہ پیدا کرے گا جو تم نہیں جانتے۔"

اس آیت مبارکہ میں یہ جملہ ارشاد فرمایا "ویخلق ما لا تعلمون" یعنی وہ ان جانوروں کے علاوہ ایسی سواریاں پیدا کرے گا جو تم نہیں جانتے اس سے، قیامت تک آنے والی جدید ترین سواریاں مراد ہیں جو اب تک ایجاد ہو چکی ہیں یا قیامت تک ایجاد ہوں گی ہوائی جہاز ہو کہ گاڑیاں یا کوئی بھی سواری ہو اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں ان سب سواریوں کا ذکر فرما دیا یہ بدعت کیسے ہوگئی ہے؟

قادری صاحب لکھتے ہیں کہ کتب حدیث تحریر کرنا احادیث مبارکہ مثلاً بخاری ومسلم

ترمذی احادیث کی شرح قرآن مجید کے تراجم بلاغت علم اسماء الرجال اور دیگر علوم جو کہ قرآن وحدیث سمجھنے کے لئے بہت ضروری ہیں یہ سب کام سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ کے بعد وجود میں آئے جو کہ بدعت کے زمرے میں آتے ہیں۔

(کتاب مذکور صفحہ ۱۱۲)

الجواب: قادری صاحب کو یہ جاننا چاہئے کہ حدیث رسول اللہ ﷺ کا لکھنا لکھوانا رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ۸ ھ میں فتح مکہ کے موقعہ پر انسانی حقوق اور مکہ کی عزت وحرمت کے بارے میں مسائل کو بیان فرمایا تو ایک یمنی آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے یہ احکام لکھوا دیجئے تو آپ علیہ السلام نے حکم فرمایا اکتبو الابی شاہ میری حدیث ابوشاہ کو لکھ دو۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے یمنی سائل کی درخواست پر یہ جملہ مسائل اس کے لیے لکھوا دیے اس سے ثابت ہوا کہ تدوین احادیث وکتابت احادیث کی بنیاد خود زمانہ نبوی ﷺ سے شروع ہو چکی تھی جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں نہایت اہتمام کے ساتھ ترقی دی گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ جہینہ کو ایک حدیث لکھوا کر بھجوائی کہ مردہ سے نفع حاصل نہ کرو ابوداود صفحہ ۲۱۳ ج ۲ وترمذی مع تحفہ ص ۴۵ ج ۳ سنن نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے احکام قضاء کی حدیثیں جمع کی تھیں جو کتاب قضایا کے نام سے موسوم تھیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم ص ۱۰)

نبی کریم ﷺ نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں وہ تمام احادیث قلم بند کروادی تھیں جن کا تعلق مسائل زکوۃ سے تھا اس کا نام کتاب الصدقہ تھا۔ لیکن اس کو ابھی حکام کے پاس روانہ نہ کر پائے تھے کہ آپ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے دور خلافت میں اسے نافذ کیا اور اس کے مطابق زکوۃ کے وصول کرنے کا انتظام رکھا۔

(سنن ابوداود مع عون المعبود ص ۸ ج ۱ ؛ بحوالہ دین الحق ج ۲ ص ۹۵)

نبی ﷺ نے اپنے آخری دور میں احادیث کا ایک ضخیم مجموعہ اہل یمن، کے پاس حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی معرفت روانہ کیا تھا۔

(سنن نسائی ص ٢٤٧ ج ٢ حدیث :٤٨٥٧)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اپنے فرمودات و ہدایات کو لکھنے کا حکم وارشاد فرمایا لہٰذا لکھنا لکھوانا آپ ﷺ نے خود شروع کروایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا یہ کام سنت رسول اور سنت اصحاب رسول ہے بدعت کہنا قطعی جہالت ہے اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات احادیث مبارکہ کو ہی بدعت کہہ! یا تو پیچھے ہمارے پاس دین ہی کیا رہ جائے گا جولوگ خود بدعتی ہوتے ہیں انہیں ہر چیز میں بدعت نظر آتی ہے ان کی محبت سنت سے کم اور بدعت سے زیادہ ہوتی ہے جو کہ ہم آخر میں بیان کریں گے۔

بدعت کی اقسام

قادری صاحب لکھتے ہیں علمائے کرام رضی اللہ عنہم نے بدعت حسنہ کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) بدعت جائز (۲) بدعت مستحب (۳) بدعت واجب

اور بدعت سئیہ کی دو اقسام بیان فرمائی ہیں:

(۱) بدعت مکروہ (۲) بدعت حرام

آگے اس کی تفصیل لکھتے ہیں۔ (کتاب مذکورہ صفحہ ۱۱۵)

الجواب: قادری صاحب نے بدعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی وعید سے بچنے کے لیے یہ راستہ نکالنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ بدعت کی کئی قسمیں ہیں ایک بدعت سئیہ (بری بدعت) اور ایک بدعت حسنہ (اچھی بدعت)

حقیقت میں بدعت کی تقسیم بذات خود بدعت ہے یہ عوام الناس کو بڑا دھوکا دیا جاتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تقسیم کی کوئی بنیاد ہی نہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے بعد کہ " كل بدعة ضلالة "ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس کے بعد اس تقسیم کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ کچھ بدعات اچھی ہیں اور کچھ بری ہیں

دوسری بات یہ ہے، کہ بری بدعت کا لفظ ہی بے محل ہے جو چیز اصل میں بری ہے اس کے ناجائز ہونے میں تو کوئی شک وشبہ ہی نہیں پھر تقسیم خودساختہ کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے اور کیا تقسیم کی صورت میں بدعت گمراہی نہ ہوگی؟ رہے وہ امور جن پر سب کا اتفاق ہے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نماز تراویح ادا کرنا امر مشروع تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عملاً جاری فرمایا قرآن مجید کا جمع کرنا امر مشروع تھا جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سعادت حاصل کی صرف ونحو معانی وبیان امر مشروع تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سعادت حاصل کی کتابت حدیث درس وتعلیم یہ سب اعمال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقت میں جاری تھے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی بات کو ماننے کا حکم خود رسول اللہ ﷺ نے دیا جو کہ سنت کے حکم میں ہے۔

ان باتوں کو زور دے کر بدعت ثابت کرنے کی کوشش کرنا اپنی خودساختہ بدعات کے لیے چور دروازے ہیں جو کہ انتہائی خطرناک ہیں جن کی وجہ سے سنت رسول اللہ ﷺ سے دشمنی اور بدعت سے محبت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو سنت رسول ﷺ سے سچی محبت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

اذان سے پہلے درود پڑھنا

قادری صاحب لکھتے ہیں کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ہر اچھے کام سے پہلے اللہ عزوجل کی حمد وثناء اور درود وسلام پڑھا جائے تو وہ کام مزید بابرکت ہو جاتا ہے اذان پڑھنا بھی اچھا کام ہوا لہٰذا اس سے پہلے بھی درود وسلام پڑھنا مستحب ہے اس کو فرض قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اگر ہم اس کو فرض قرار دیتے تو جمعہ کے دن خطبے سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے اس سے پہلے بھی درود وسلام پڑھا جاتا حالانکہ ایسا نہیں کیا جاتا اس لیے کہ یہ عمل مستحب ہے اگر کوئی پڑھ لے تو ثواب نہ پڑھے تو عذاب نہیں فتنہ اس وقت پڑے گا جب پڑھنے والے کو برا کہا جائے گا۔ حالانکہ اس کے بھی بے شمار دلائل ہیں قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے، نبی پر اے ایمان والوان پر درود اور خوب سلام بھیجو“۔

اس آیت مبارکہ میں درود وسلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے ایمان والوں کو اگر کوئی اذان سے پہلے پڑھنے سے منع کر رہا ہے تو منع کرنے والے کو دلیل لانی چاہیے نہ کہ پڑھنے والے کو کیوں کہ پڑھنے والا تو قرآن کی آیت مبارکہ کے تحت پڑھ رہا ہے۔ انشاء اللہ منع کرنے والا کوئی دلیل نہیں لا سکتا اگر کوئی دلیل پیش کرتا ہے تو یہی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ اذان سے پہلے درود نہیں پڑھتے تھے لہٰذا تم کیوں پڑھتے ہو۔ میرے خیال میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر بہت بڑا بہتان ہے کہ اتنے بڑے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہنا کہ جو اذان میں اشھد ان محمد رسول اللّٰہ پر اشارہ کرتے تھے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کے بارے میں کہنا کہ وہ درود نہیں پڑھتے تھے بات، اصل میں یہ ہے کہ پہلے سپیکر نہیں ہوتے تھے لہٰذا اذان سے پہلے درود وسلام آہستہ پڑھا جاتا تھا جس کی آواز دور تک نہیں جاتی تھی اب سپیکر ایجاد ہو گئے آہستہ پڑھنے سے بھی آواز دور تک چلی جاتی

ہے اگر اذان سے پہلے درود وسلام پڑھنے کا ذکر آ جاتا ہے تو وہ اذان کا حصہ بن جاتا جبکہ ہم اس کو اذان کا حصہ نہیں سمجھتے۔ (کتاب مذکورہ ص ۱۲۰)

الجواب: قادری صاحب نے کہا ہے حدیث مبارکہ میں ہے ہر اچھے کام سے پہلے اللہ عزوجل کی حمد وثنا اور درود وسلام پڑھا جائے تو وہ کام مزید بابرکت ہو جاتا ہے لیکن یہ حدیث کہاں ہے؟ کس نے بیان کی حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ موصوف نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا حقیقت میں ان الفاظ کے ساتھ کسی مستند کتاب کے اندر کوئی حدیث موجود نہیں یہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھا گیا ہے اگر ہر اچھا کام کرنے سے پہلے حمد وثنا اور درود وسلام پڑھنا باعث برکت ہے تو پھر خطبہ مروجہ سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے اس کی ابتداء میں حمد وثنا ودرود وسلام بریلوی حضرات کیوں نہیں پڑھتے کیا یہ اچھا کام نہیں جس کو خیر وبرکت سے خالی چھوڑ دیا جاتا ہے جب بچے کے کان میں اذان دیتے ہیں تو صلوۃ وسلام نہیں پڑھتے کیا یہ ان کے نزدیک اچھا کام نہیں؟

اس کو خیر وبرکت سے کیوں خالی چھوڑ دیا جاتا ہے؟ جب نماز کے لیے اقامت کہی جاتی ہے تو اس سے پہلے حمد وثناء درود وسلام کیوں نہیں پڑھا جاتا کیا یہ اچھا کام نہیں اسے خیر وبرکت سے کیوں خالی چھوڑ دیا جاتا ہے یا اس موقعہ پر پڑھنا منع ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

قادری صاحب کہتے ہیں کوئی پڑھے تو ثواب نہ پڑھے تو عذاب نہیں اگر پڑھنا ثواب ہے تو ثواب کے کام کو کیوں چھوڑا جاتا ہے؟ قادری صاحب نے بطور دلیل سورہ الاحزاب کی آیت پیش کی ہے جس کا مروجہ اذان سے پہلے درود وسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں اگر اس کا مطلب اذان سے پہلے صلوۃ وسلام پڑھنا تھا تو کیا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ آیت مبارکہ قرآن میں موجود نہ تھی اگر تھی تو یہ مسئلہ ان کی سمجھ میں کیوں نہ آیا جو قادری صاحب اور دیگر بریلوی حضرات کی سمجھ میں آ گیا اگر ان کی سمجھ میں آیا تو پھر انہوں نے عمل کیوں نہ کیا؟

آیت مبارکہ کا صحیح مفہوم حدیث کی روشنی میں اس طرح ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ

وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۵٦)

''بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔''

اور خوب سلام بھیجا کرو ابو عالیہ رضی اللہ عنہ نے کہا لفظ صلوۃ کی نسبت اگر اللہ کی طرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کی فرشتوں کے سامنے ثناء وتعریف بیان کرنا ہے اگر ملائکہ کی طرف ہو تو دعا رحمت اس سے مراد لی جاتی ہے یصلون بمعنی برکت کی دعا کرنا ہے۔

(صحیح بخاری شریف کتاب التفسیر سورہ الاحزاب صفحہ ۳۵۲ مع شرح)

اس طرح جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى ، عَنْ كَعبِ بْنِ عُجْرَةَ رضي الله عنه: قِيلَ: يَارَسُولَ اللَّهِ ، أَمَّا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ ، فَكَيْفَ الصَّلَاةُ؟ قَالَ:

((قُولُوا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ))

(بخاری شریف کتاب بالتفسیر سورہ الاحزاب حدیث:٤٧٩٧ مع شرح ص ۳۵۳)

''حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ ﷺ پر سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے لیکن آپ ﷺ پر صلوۃ کا کیا طریقہ ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یوں پڑھا کرو۔ اے اللہ ہمارے محبوب رسول حضرت محمد ﷺ پر اپنی رحمتیں نازل فرما اور آپ کی آل پر بھی جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر رحمتیں نازل کی ہیں بیشک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے اے اللہ محمد ﷺ پر برکتیں نازل فرما اور آپ ﷺ کی آل پر بھی جیسی برکتیں تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر نازل کی ہیں بیشک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے یہ درود اور طریقہ بیان کیا مذکورہ حدیث مبارکہ کی روشنی میں آیت مبارکہ کا مفہوم وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے سمجھا اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ نے سمجھا قادری صاحب خود ساختہ درود اذان سے پہلے پڑھنا بتا رہے ہیں اب ہم آیت کی وہ تفسیر لیں جو رسول ﷺ نے بیان فرمائی یا قادری صاحب کی بے سند بات اسی طرح کی دوسری حدیث ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قُلْنَا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، هذا التَّسْلِيمُ فَكَيفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ؟ قَالَ:((قُولُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ، كَما صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كما بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ))

(صحیح بخاری شریف کتاب التفسیر سورہ الاحزاب حدیث: ٤٧٩٨)

''حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا لیکن درود بھیجنے کا کیا طریقہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ درود پڑھا کرو۔ جو روایت مذکورہ میں ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ ہے:

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ ﷺ پر اور اہل بیت رضی اللہ عنہم پر کس طرح درود بھیجیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہو:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ))

(صحیح بخاری شریف کتاب الانبیاء حدیث: ٣٣٧٠ مع شرح ٦٦٠)

''اے اللہ اپنی رحمت نازل فرما محمد ﷺ پر اور آل محمد ﷺ پر جیسا کہ تو نے اپنی رحمت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام پر اور آل ابراہیم علیہ السلام پر بیشک تو بڑی

خوبیوں والا اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ برکت نازل فرما محمد ﷺ پر اور آل محمد ﷺ پر جیسے تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام پر بیشک تو بڑی خوبیوں والا اور بڑی عظمت والا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا افضل اعمال میں سے ہے حدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من صلّی علیّ صلوٰۃ واحدۃ صلی اللّٰہ علیہ عشر صلوات وخطت عنہ عشر خطیات ورفعت لہ عشر درجات))

(سنن نسائی ۳/ ۵۰ حدیث ۱۲۹۸)

''جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اس شخص کے دس گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور اس کے دس درجے بلند کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((البخیل الذی من ذکرت عندہ فلم یصل علی))

(سنن ترمذی حدیث: ۳۵٤٦)

''بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أولیٰ الناس بی یوم القیامۃ أکثرھم علی صلوٰۃ))

(سنن ترمذی حدیث: ٤٨٤)

''قیامت کے دن سب سے زیادہ وہ لوگ میرے قریب ہونگے جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھتے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

(صحیح مسلم حدیث: ٤٠٨)

ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود پڑھنا باعث سعادت دارین ہے درود کا منکر دشمن رسول ﷺ بے ادب بخیل ترین اور بد بخت انسان ہے۔

درود پڑھنا قیامت کے دن قرب رسول اللہ ﷺ کا باعث ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ درود ضرور پڑھو مگر مسنون پڑھو خود ساختہ درود کے ہم قائل نہیں جو درود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں وہ اصلی درود نہیں۔

اذان سے پہلے صلوۃ والسلام پڑھنا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہرگز ثابت نہیں۔

قادری صاحب کہتے ہیں منع کرنے والے کو دلیل لانی چاہیے یہ کہنا سراسر غلط ہے کیونکہ دلیل ہمیشہ مثبت کے ذمہ ہوتی ہے آپ کو چاہیے کہ آپ اپنی ان بدعات پر دلائل پیش کریں یہ تو کوئی اصول نہیں ہے کہ جس چیز کی ممانعت حدیث میں وارد نہ ہوا سے بے دھڑک کرتے چلے جائیں اس طرح تو بدعات کا ایک بڑا دروازہ کھل جائے گا اور اللہ کا دین ایک کھلونا بن کر رہ جائے گا۔

قارئین محترم آپ ﷺ نے قیامت تک ایجاد ہونے والی بدعات کا الگ الگ نام لے کر تھوڑا ہی منع کرنا تھا سینکڑوں سالوں میں پتہ نہیں کتنی بدعات جاری ہو چکی ہیں اور کتنی جاری ہوں گی آپ ﷺ ان تمام کا نام لے کر کہتے۔ ہر چیز کی ممانعت کا آپ ثبوت مانگتے ہیں کہ اذان سے پہلے منع کہاں ہے یعنی منع نہیں تو پھر جائز ہے۔ اس طرح تو شیعہ حضرات اپنی اذان میں اشہدان علیا ولی اللہ کہتے ہیں آپ اپنی اذان میں الفاظ نہیں کہتے اس کلمہ کی ممانعت کا ثبوت دیں یہ کہنا کہاں منع ہے۔

وہ اپنی اذان میں حی علی خیر العمل کہتے ہیں آپ نہیں کہتے اس کی ممانعت کا ثبوت دیں وہ محرم میں چھریاں مارتے ہیں آپ نہیں مارتے اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔ نماز عید سے پہلے اگر کوئی اذان دے تو اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔ سورۃ توبہ کے شروع میں آپ بسم اللہ نہیں پڑھتے اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔ فجر کی نماز دو رکعت فرض ہے اگر کوئی چار پڑھے تو اس کی ممانعت کا ثبوت دیں۔

اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ ثبوت ممانعت کا نہیں ہوتا بلکہ ثابت کرنے کا ہوتا ہے قادری صاحب کہتے ہیں اگر کوئی دلیل پیش کرتا ہے تو یہی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو کہ مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ اذان سے پہلے درود کیوں نہیں پڑھتے تھے لہٰذا تم کیوں پڑھتے ہو میرے خیال میں یہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر بہت بڑا بہتان ہے کہ اتنے بڑے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہنا کہ جو اذان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے تھے سرکار کی طرف ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ درود نہیں پڑھتے تھے اصل بات یہ کہ پہلے سپیکر نہیں ہوتے تھے لہٰذا اذان سے پہلے درود آہستہ پڑھا جاتا تھا۔

جواباً عرض ہے کہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر بہتان وہ شخص لگاتا ہے جو کہتا ہے کہ انہوں نے اذان سے پہلے درود پڑھا تھا کیوں کہ اس بات کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں ملتا یہ ان کی طرف منسوب ہے براہِ مہربانی حدیث پیش کریں کہ بلال رضی اللہ عنہ نے اذان سے پہلے آہستہ درود پڑھا تھا میں حیران ہوں کہ سپیکر کے بغیر اذان سے پہلے پڑھا ہوا درود مکہ اور مدینہ کے رہنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک کے لوگ تو سن نہ سکے قادری صاحب نے چودہ سو سال بعد پاکستان میں بیٹھے ہوئے کیسے سن لیا؟ میں پوچھتا ہوں کہ لوگوں نے سپیکر کے بغیر اذان کیسے سنی تھی پورا دین سپیکر کے بغیر لوگوں نے سن لیا مگر صرف درود اذان سے پہلے نہ سن سکے کسی نے سچ کہا ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ دلیل پیش کریں کہ بلال رضی اللہ عنہ نے اذان سے پہلے آہستہ درود پڑھا تھا وگرنہ اس جھوٹ سے توبہ کریں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بدعت سے بچنے اور سنت پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

آمین ثم آمین

صاف وشفاف تھی پانی کی طرح نیت دل کی
دیکھنے والوں نے دیکھا اسے گدلا کر کے

ہماری دعوت!

اس پر تو تمام مسلمان مطلع ہیں کہ قابل عمل وعقیدہ صرف دو چیزیں ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصل مستقل دلیلیں اور احکام شرعی کی روح صرف قرآن وصحیح حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت امت کو یہی وصیت کی کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جب تک تم انہیں مضبوطی سے تھامے گے گمراہ نہیں ہو گے ایک اللہ کی کتاب دوسری سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: (مؤطا امام مالک)

مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے ہر کام کو ان دو چیزوں کی ماتحتی میں بجا لائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ۘ﴾ (۵۹/ الحشر:۷)

''جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دے لے لو اور جس چیز سے تمہیں روک دے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ښ﴾ (۸/ الانفال:۲۰)

''اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور بات سن لینے کے بعد اس سے منہ نہ موڑو۔''

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝﴾

(۲۴/ النور:۵۶)

''نماز قائم کرو زکوۃ دو اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحمت

کی جائے۔''

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (٤/ النساء:٦٤)

''ہم نے جو بھی رسول علیہ السلام بھیجا وہ اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''

ایک جگہ یوں فرمایا:

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴾ (٤/ النساء:٨٠)

''جس نے رسول علیہ السلام کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے رسول علیہ السلام کی اطاعت سے منہ موڑا (اس کا وبال اسی پر ہوگا) ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

کہیں فرمایا:

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ (٣/ آل عمران:١٣٢)

''اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ (٤/ النساء:٥٩)

''اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کبھی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دو اگر تم واقعی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہی ایک صحیح طریقہ ہے اور ثواب کے لحاظ سے بھی اچھا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا مطلب قرآن پاک کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانے کا مطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذات مقدس تھی اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی سنت اور حدیث مبارکہ ہے۔

اللہ کا فرمان ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ (٤/ النساء:٦٥)

''(اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تمام باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو بھی فیصلہ تم کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر خم تسلیم کریں۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴾

(٤٧/ محمد:٣٣)

''اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔''

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع ہی کامیابی کی ضمانت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے:

﴿ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴾

(٢٤/ النور:٥٢)

''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں وہی کامیاب ہیں۔''

ایک مقام پر فرمایا:

﴿ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ (٢٤/ النور:٥١)

''ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلائے جائیں تا کہ رسول ﷺ ان کے معاملات کا فیصلہ کرے تو وہ کہہ دیں ہم نے بات سن لی اور اطاعت اختیار کی اور ایسے لوگ ہی کامیاب ہونے

والے ہیں۔''

پھر فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾ (۳۳/ الاحزاب:۷۱)

''جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔''

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ چنانچہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (٤/ النساء:١٣)

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اللہ اسے ایسی جنت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔''

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کیے گئے اعمال کا ہی بھرپور اجر ملے گا۔ ارشاد ہے:

﴿ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (٤٩/ الحجرات:١٤)

''اگر تم لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو تمہارے اعمال کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کرے گا اللہ یقیناً بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کی اتباع گناہوں کی بخشش کا باعث ہے۔ ارشاد ربانی:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (٣/ آل عمران:٣١)

''(اے نبی ﷺ) ان سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع

کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں کو معاف کرے گا اور وہ بڑا معاف کرنے والا رحیم ہے۔"

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام اور صدیقین شہدا رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ ہوں گے۔

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ (٤/ النساء:٦٩)

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے انبیاء علیہم السلام صدیقین شہدا اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم اور ان لوگوں کی رفاقت کتنی اچھی ہے۔"

ایک جگہ یوں فرمایا:

﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (٣/ آل عمران:٣٢)

"اے نبی ﷺ کہہ دیجیے اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اگر لوگ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑیں اللہ یقیناً کافروں کو پسند نہیں کرتا۔"

رسول اللہ ﷺ کی اتباع نہ کرنا باعث انتشار ولڑائی ہے:

ارشاد فرمایا:

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (٨/ الانفال:٤٦)

"اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی صبر سے کام لو اللہ یقیناً صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

اللہ اور رسول ﷺ کے فیصلے کے سامنے کسی مسلمان مرد اور عورت کو فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۳۶)

''کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نافرمان اپنے انجام کے خود ذمہ دار ہوں گے:

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا أَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ (۵/ المائدہ:۹۲)

''اور اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے باز آجاؤ لیکن اگر تم نے حکم نہ مانا تو جان لو کہ ہمارے رسول ﷺ پر صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے علاوہ کوئی ذمہ نہیں۔''

ایک جگہ فرمایا:

﴿ وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ (۶۴/ التغابن:۱۲)

''اور اللہ اور رسول ﷺ کی بات مانو اور اگر نہ مانو گے تو یاد رکھو ہمارے رسول ﷺ پر صاف صاف حق بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔''

پھر فرمایا:

﴿ قُلْ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ

وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝﴾ (۲۴/ النور:۵۴)

''کہہ دیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اگر نہیں کرتے تو خوب سمجھ لو کے رسول ﷺ پر جس کا بوجھ ڈالا گیا ہے وہ صرف اسی کا ذمہ دار ہے، اور تم پر جس کا بوجھ ڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم ہو اگر رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے ورنہ رسول ﷺ کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ صاف صاف حکم پہنچادے۔''

اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والوں کی سزا جہنم کا عذاب ہے:

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَن يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۝﴾ (۴۸/ الفتح:۱۷)

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اسے اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے منہ پھیرے گا وہ اسے دردناک عذاب دے گا۔''

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾ (۲۴/ النور:۶۳)

''رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔''

ایک مقام پر فرمایا:

﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا ۝ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ۝ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ۝﴾ (۳۳/ الاحزاب:۶۶-۶۸)

"جب ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کیے جائیں گے اور وہ کہیں گے کاش ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا اے ہمارے رب تو انہیں دگنے عذاب میں مبتلا فرما اور ان پر بہت بڑی لعنت نازل فرما۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴾

(٤/ النساء:١١٥)

"اور جو شخص راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول ﷺ کی مخالفت کرے مومنوں کے علاوہ راستے کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی طرف متوجہ کر دیں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا اور ہم اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔"

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس چیز پر تھے اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

﴿ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾

(٤٣/ الزخرف:٤٣)

"پس آپ ﷺ اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھیں جو آپ ﷺ کی طرف وحی کیا گیا ہے تو یقیناً آپ ﷺ سیدھے راستے پر ہیں۔"

شریعت سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰۗؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ﴾

(٤٢/ شوریٰ:٢١)

"کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا جس کا اللہ

نے حکم نہیں دیا۔"

پھر فرمایا:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ (۷/ الاعراف:۳)

"اس کے پیچھے چلو جوتمہاری طرف رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے سوا اور اولیاء کے پیچھے مت چلو تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔"

رسول اللہ ﷺ اپنی مرضی سے بات نہیں کرتے وہی بات کرتے ہیں جو وحی کی جاتی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ ﴾ (۵۳/ النجم:۳۔۴)

"اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کیا جاتی ہے۔" (ترجمہ احمد رضا خان بریلوی)

رسول اللہ ﷺ کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے چنانچہ فرمان ربانی ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ ﴾ (۳۳/ الاحزاب:۲۱)

"بلاشبہ تمہارے لیے اللہ کے رسول ﷺ بہترین نمونہ ہیں ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔"

جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: ((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى)) قَالُوا: يَارَسُولَ اللَّهِ ، وَمَنْ يَأْبَى؟ قَالَ: ((مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى))

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة حدیث:۷۲۸۰)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان کے جنھوں نے انکار کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ انکار کون کرے گا فرمایا جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے گا اس نے انکار کیا۔"

رسول اللہ ﷺ کی سنت کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقے پر چلنے کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

(سنن ابو داؤد کتاب السنة باب فی لذوم السنة حدیث: ٤٦٠٧)

"تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھیں گے ایسے حالات میں میری سنت پر عمل کرنے کو لازم بنا لینا اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقے کو تھامے رکھنا اور اس پر مضبوطی سے جمے رہنا نیز دین میں پیدا کی گئی نئی نئی باتوں سے بچنا کیوں کہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اللہ نے دین کو مکمل کر دیا تھا اللہ کے کلام میں ہے کہ:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (٥/ المائدہ:٣)

"آج میں نے تمہارے لیے دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔"

حضرات گرامی اللہ تعالیٰ نے اسلام کی تکمیل دو چیزوں پر فرمائی کیوں کہ جب اللہ نے دین کی تکمیل کا اعلان فرمایا اس وقت مسلمانوں کے پاس دین خالص کتاب وسنت تھا ہر طرح

کی ملاوٹ سے پاک تھا پیارے نبی ﷺ نے دین کا ایک نکتہ اپنے ماننے والوں کو دے دیا اسلام ایک آفاقی دین ہے یہ اپنے ماننے والوں کی ہر موڑ پر رہنمائی کرتا ہے یہی ہماری دعوت ہے کہ قرآن وحدیث پر عمل کرو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اسی پر چلنا باعث نجات ہے اور دین میں نہ کمی کرو نہ اضافہ دونوں کام باعث ہلاکت ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن وسنت ہی پر چل کر کامیاب ہوئے اللہ نے ان سے راضی ہونے کا اعلان کیا آج بھی اگر کوئی خالص دین کتاب وسنت پر چلے گا تو وہ ناکام نہیں کامیاب ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جنتی گروہ فرقہ ناجیہ کونسا ہے؟

رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالشان ہے بنی اسرائیل بہتر گروہوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی:

((کلھم الی النار الاملة واحدة قالوا من ھم یا رسول اللہ ﷺ قال ما انا علیہ واصحابی))

(ترمذی کتاب الایمان باب ماجاء فی افتراق ھذا الامة: ۲٦٤١)

''سارے جہنم میں جائیں گے سوائے ایک گروہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا وہ کون ہے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اس چیز پر قائم ہوں جس پر میں ﷺ ہوں اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔''

یہ بات یاد رکھیں کہ جنت فرقہ ناجیہ کو ہی ملے گی اور فرقہ ناجیہ وہ ہے جو اس چیز پر قائم ہو جس پر نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قائم تھے اللہ تعالیٰ سارے مسلمانوں کو قرآن وسنت وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے آمین ثم آمین۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

میں حیران ہوتا ہوں!!

کچھ لوگ بدعات کی ترویج کے لیے مال ومتاع خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ بدعات کے لیے دوسرے لوگوں سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں جو بدعات کا ارتکاب نہیں کرتے اُن پر بے ادب وگستاخ ہونے کے فتوے داغے جاتے ہیں اوران کے خلاف ہر طرح کا پراپگنڈہ کرنا اپنی کامیابی وکامرانی کا باعث خیال کرتے ہیں مگر جو بات قرآن وسنت کے صریح نصوص سے صحیح احادیث سے روز روشن کی طرح واضح ہے۔اس کو نہیں مانتے ایک ایک مسئلہ سینکڑوں احادیث مبارکہ موجود ہونے کہ باوجود نہیں مانتے کچھ لوگ تو اپنی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے سنت نبوی ﷺ کا انکار کرتے ہیں اور کچھ جان بوجھ کر مسلکی تعصب اور ضد میں آ کر سنت نبوی ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں مثلاً:

رفع الیدین رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَمَنْكِبَيْهِ، إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ، وَإِذَا كَبَّرَ الِلرُّكُوعِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ))

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب رفع الیدین حدیث:۷۳۵؛ مسلم:۳۹۰)

”کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اپنے دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھاتے تھے۔“

سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ماہ رجب سن ۹ ہجری میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علم دین سیکھا اور جب واپس

جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤ انہیں دین سکھاؤ اور انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے کا حکم دو اور اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

(بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبھائم حدیث: ٦٠٠٨)

یعنی رسول اللہ ﷺ کے انہیں اپنے قبیلہ کو سنت نبوی ﷺ کے مطابق نماز سکھانے اور پڑھانے کا حکم دیا تھا چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ، وَإِذَارَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، فَقَالَ: ((سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ)) فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

صحیح مسلم شریف، کتاب الصلوۃ، باب استحباب رفع الیدین حدیث: ٣٩١)

''رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے اور جب رکوع جاتے تو بھی کانوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اسی طرح رفع الیدین کرتے تھے۔

پاس انہیں گر اپنا ذرا ہو جان اپنی ان پہ فدا ہو
کرتے ہیں نافرمانیاں اور کہتے ہیں نافرماں ہمیں

سیدنا عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

((صلیت، خلف ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فکان یرفع یدیہ اذا الصلوۃ واذا کع واذا رفع راسہ من الرکوع وقال ابوبکر صلیت خلف رسول ﷺ فکان یرفع یدیہ، اذا فتح الصلوۃ واذارکع واذا رفع راسہ من الرکوع)) (السنن الکبری بیھقی ٢/ ٧٣)

''میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ رفع الیدین کرتے تھے

جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کرتے تھے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے۔"

اس کے راوی ثقہ ہیں۔ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ورجالہ ثقات اس کے روای ثقہ ہیں التلخیص الخبیر ج۱ ص۲۱۹ حدیث ۳۲۸:

((عَنْ أَبِي قِلَابَةَ: أَنَّهُ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلَّى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَحَدَّثَ: أَنَّ وَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ صَنَعَ هكذا))

(صحیح بخاری شریف ج۱ باب رفع الیدین حدیث: ۷۳۷)

"حضرت ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ صحابی کو دیکھا کہ جب وہ نماز شروع کرتے تو تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین کرتے پھر جب رکوع میں جاتے اس وقت بھی رفع الیدین کرتے پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی رفع یدین کرتے اور انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ، رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَكُونَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَكَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ حِينَ يُكَبِّرُ لِلرُّكُوعِ، وَيَفْعَلُ ذَلِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ، وَيَقُولُ: ((سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ)) وَلَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ۔

(صحیح بخاری باب رفع الیدین ج۱ حدیث: ۷۳۶)

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو تکبیر تحریمہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھ

اس وقت مونڈھوں تک اٹھے اور اس طرح جب آپ ﷺ رکوع کے لیے تکبیر کہتے اس وقت بھی رفع یدین کرتے اور رکوع سے اپنا سر اٹھاتے اس وقت بھی رفع یدین کرتے اس وقت آپ ﷺ کہتے سمع الله لمن حمده البتہ سجدہ میں آپ ﷺ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔''

قارئین محترم خوف طوالت کی وجہ سے میں نے صرف چند ہی احادیث مبارکہ بطور نمونہ پیش کی ہیں وگرنہ احادیث رفع یدین آثار کی تعداد چار سو سے زائد ہے۔

کچھ لوگوں نے ایک جھوٹی بات اپنی طرف سے گھڑی ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں لوگ بغلوں میں بت رکھ کر نماز پڑھتے تھے آپ ﷺ نے رفع الیدین کیا تا کہ ان کے بت گر جائیں یہ کوئی حدیث نہیں بلکہ حدیث کی کسی کتاب میں اس بہتان عظیم کا ثبوت نہیں ملتا یہ جاہل قسم کے لوگوں کی گھڑی ہوئی ایک گپ ہے۔

میرے ہمراہ اک منزل پلٹ چلنا گوارہ کر
نزاع کفر و ایمان کے نتائج کا نظارہ کر

نماز میں اونچی آواز سے آمین کہنا

اونچی آواز سے آمین کہنا نبی پاک ﷺ کی سنت ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اذا من الامام فامنوا فانّہ من وافق تأمینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ماتقدم من دنبہ))

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب جھر الامام بالتافین حدیث:۷۸۲)

''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل گئی تو اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔''

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((سمعت النبی ﷺ قرء غیر المغضوب علیھم ولا الضالین وقال آمین مدبھا صوتہ))

(سنن ابی داوٗد صفحہ ۱۳۵ جلد اوّل کتاب الصلوۃ حدیث: ۹۳۲)

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھتے ہوئے سنا اور آپ ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہا۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ تابعی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد بیان کرتے ہیں کہ آمین ایک دعا ہے:

((امن ابن الذبیر من وراءہ حتی ان للمسجد للجۃ))

(بخاری کتاب الاذان باب جھر الامام بلتامین قبل الحدیث: ۷۸۰)

''سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے مقتدیوں نے اس قدر بلند آواز سے آمین کہی کہ مسجد گونج اٹھی۔''

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب نبی ﷺ سورۃ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔''

(الدار قطنی ج۱ صفحہ ۳۳۵ حدیث: ۱۲۵۹)

حضرت عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ بیت اللہ میں جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہتا تو سب لوگ بلند آواز سے آمین کہتے۔

(السنن الکبرٰی للبیھقی ج۲ ص ۵۹ حدیث:۲۴۵۵)

اس طرح بہت سے میرے مسلمان کہلانے والے بھائی آمین کہنے والوں پر بہت غصہ کرتے اور اس سنت پر عمل کرنے والوں سے بہت حسد کرتے ہیں جبکہ آمین کہنے پر حسد کرنا مسلمان کا شیوہ نہیں بلکہ یہود کی روش ہے چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ماحسدتکم الیھود علی شئ ما حسدتکم علی السلام والتامین))

(ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوات باب الجھر بآمین حدیث: ۸۵۶)

”یہودی تمہاری کسی چیز پر اس قدر نہیں حسد کرتے جس قدر السلام علیکم اور آمین پر کرتے ہیں۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی کہ میں نے سنی اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا تھا۔

(نسائی کتاب الافتتاح باب قول المأموم اذا عطس خلف الامام حدیث:۹۳۲)

اس موضوع پر کئی احادیث مبارکہ موجود ہیں مگر میں نے بطور نمونہ صرف چند احادیث کو ہی نقل کیا ہے۔

آپ خود ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا

بعض لوگ اہل سنت ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر سنت نبوی ﷺ پر عمل بالکل نہیں کرتے جبکہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا امام کائنات ﷺ کی سنت ہے حدیث مبارکہ میں ہے حضرت عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((صليت خلف ابن عباس علی جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب وقال لتعلموا انها سنة))

(بخاری باب قرأة فاتحة الكتاب على الجنازة حديث ۱۳۳۵)

''میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے ایک جنازہ پر نماز پڑھی انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور کہا میں نے یہ اس لیے کیا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔''

نماز جنازہ بلند آواز اور آہستہ آواز میں دونوں طرح جائز ہے اگر آہستہ جنازہ پڑھے پھر بھی سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

''سنت یہ ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ آہستہ آواز میں پڑھی جائے۔''

(نسائی كتاب الجنائز باب الدعا حديث: ۱۹۹۱)

حیرت کی بات یہ ہے کہ جہاں پر فاتحہ پڑھنا سنت سے ثابت ہے وہاں لوگ پڑھتے نہیں اور جہاں پڑھنا سنت سے ثابت نہیں وہاں چھوڑتے نہیں یہ عجیب نرالی سوچ ہے کہ بدعت سے محبت اور سنت رسول ﷺ سے نفرت اور سنت پہ چلنے والوں سے بھی نفرت کی جاتی ہے اور فاتحہ پڑھنے والوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ مر گیا مردود نہ فاتحہ نہ درود حالانکہ اہل حق کے جنازے میں دونوں چیزیں ہوتی ہیں مگر کہنے والوں کے جنازے میں ایک بھی نہیں ہوتی۔

مانو نہ مانو جان جہاں تمہیں اختیار ہے
ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے جاتے ہیں

سینے پر ہاتھ باندھنا

نماز میں سینے، پر ہاتھ باندھنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((صليت مع رسول الله ﷺ وضع يده اليمنىٰ على اليسرىٰ على صدره))

(صحيح ابن خزيمه كتاب الصلوة باب وضع اليمين على الشمال الصلوة ج ۱ ص ۲٤۳ حديث ٤٧٩)

''میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر ہاتھ باندھے۔''

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كان الناس يؤمرون ان يضع الرجل يده اليمنىٰ على ذراعه اليسرىٰ في الصلوٰة))

(بخاري كتاب الاذان باب وضع اليمنى على اليسرىٰ حديث: ۷۳۰)

''کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھیں۔

سیدنا ہلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کبھی دائیں بائیں طرف، پھرتے تھے اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ ﷺ ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے تھے نماز میں۔''

(مسند احمد ج ٥ صفحه ۲۲٦ حديث: ۲۲۳۱۳)

نماز میں پاؤں سے پاؤں ملانا

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اقیمو الصف فی الصلٰوۃ فان اقامۃ الصف من حسن الصلٰوۃ))

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب اقامۃ الصف من تمام الصلٰوۃ حدیث: ۷۲۲)

''نماز میں صفیں درست کرو بلاشبہ صفیں سیدھی رکھنا نماز کا حسن ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اقیموا الصفوف وحاذوابین المناکب وسدوا الخلل والینوا بایدی اخوانکم ولا تذروا فرجات للشیطان))

(ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب تسویۃ الصفوف حدیث: ٦٦٦)

''صفیں سیدھی کرو ایک دوسرے کے ساتھ کندھے برابر کرو خلاء کو پر کرو اپنے بھائیوں کے لیے نرم ہو جاؤ اور شیطان کے لیے بیچ میں خالی جگہ مت چھوڑو۔

''سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے پہلے صفوں کے درمیان ایک طرف سے دوسری طرف تک چلتے اور ہمارے سینے اور کندھے ہاتھ سے برابر کرتے تھے۔''

(ابو داؤد کتاب الصلوۃ باتسویۃ الصفوف حدیث : ٦٦٤؛ نسائی خدیث: ۸۱۲)

ایک اور حدیث میں فرمایا:

''بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صفیں ملانے والوں پر درود بھیجتے ہیں اور جو صف کے خلاء کو پر کرتا ہے اللہ اس کے ذریعے اس کا درجہس بلند کردیتا ہے۔''

(ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰت باب اقامۃ الصفوف:۹۹۵)

نماز میں مونڈھے سے مونڈھا اور قدم سے قدم ملا کر کھڑا ہونا چاہیے۔ حدیث رسول ﷺ ہے:

((وقال النعمان بن بشير رائت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه))

(صحيح بخاری باب الزاق المنكب قبل الحديث : ٧٢٦٥)

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا صف میں ایک آدمی ہم میں سے اپنا ٹخنہ اپنے قریب والے دوسرے آدمی کے ٹخنہ سے ملا کر کھڑا ہوتا۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی صفیں برابر کرلو میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں:

((وكان احدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه))

(صحيح بخاری كتاب الاذان باب مذكور حديث:٧٢٥)

''اور ہم میں سے ہر شخص یہ کرتا کہ صف میں اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملا دیتا تھا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صفیں درست کرنے کے لیے آدمی مقرر کیے ہوئے تھے اور جب تک صفیں درست کرنے کی اطلاع نہ دی جاتی آپ رضی اللہ عنہ نماز شروع نہیں کرتے تھے۔''

(ترمذی كتاب الصلوة باب ماجاء فی اقامة الصفوف تعليق بعد الحديث:٢٢٧)

غور فرمائیں کیا اہل سنت کہلانے والوں کی صفیں سنت نبوی اور جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کے مطابق ہیں یا مخالف سنت کے آئینے میں اپنا چہرہ خود ہی دیکھ لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت پر کون چل رہا ہے۔

جو نبیؐ کے امر میں خطا پائے گا
وہ ظالم دیوانہ کدھر جائے گا

میرے مسلمان بھائیو جان لو کے توحید مسلمانوں کے لیے ایمان کی جڑ ہے اس کے بغیر بندہ صاحب ایمان نہیں ہوسکتا اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں مسلمانوں کی کامیابی ہے اس کے

بغیر جنت میں داخلہ ممکن نہیں شریعت یعنی کتاب وسنت پر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے امن و راحت ہے جہالت پر چلنا انسان کے لیے ہلاکت و بربادی ہے اتفاق سے رہنا مسلمانوں کی خاص شان وان کا بہترین منہج ہے اپنی غلطی پر ضد ہٹ دھرمی پر اڑے رہنا ابلیس لعین کا عمل ہے منزل پر وہی شخص پہنچتا ہے جس کو راہِ حق کی تلاش ہوتی ہے۔

آخری گزارش!

قارئین محترم توحید کا عقیدہ ایک ایسا ضروری اور بنیادی عقیدہ ہے اس کے بغیر باقی تمام عقائد کا اور اعمال وعبادات کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے بچوں کو شروع سے ہی عقیدہ توحید کا درس دیں تا کہ وہ شرک کی غلاظت سے بچ سکیں۔

تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا نقطہ آغاز توحید تھا سب نے توحید کی خاطر مشرکین سے ماریں کھائیں دین اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پورا ہو چکا۔ جو کوئی بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین یعنی کسی اور کا طریق پسند کرے گا تو ہرگز اس کا کوئی عمل قبول نہیں کیا جائے گا اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل یہ ہے کہ اس کے بندے اسلام کے دائرہ عمل ہی میں رہیں اس سے باہر نکلیں نہ ہی کسی دوسرے دین کی محبت دل میں رکھیں اور نہ کسی اور کا راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے کے سوا اختیار کریں۔ اس لیے کہ اللہ جس دین کو حق ہے بتاتا ہے وہ دین اسلام ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے "ان الدین عنداللہ الاسلام" یعنی اللہ کے نزدیک جو دین ہے وہ اسلام ہی ہے اسلام وہ آسمانی قانون اور شریعت ہے جسے اللہ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی مخلوق کے لیے بنایا ہر نبی اور رسول علیہم السلام نے لوگوں کو اسلام ہی کی دعوت دی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ آج تمہارا دین مکمل کر دیا گیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔

اب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل کریں اور ان کے مخالف ان باتوں کاموں اور رسوم ورواج اور تہوار نہ اپنائیں جن کا ثبوت قرآن وحدیث سے نہ ملتا ہو اس بات کو اسلام کے دائرہ عمل میں رہنا کہتے ہیں جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرے گا اس کا عمل اللہ کی بارگاہ میں مردود ہوگا لہٰذا وہ لوگ غور وفکر کریں جنہوں نے آج اللہ

کے پسندیدہ دین میں اپنی من مانیاں شروع کر رکھی ہیں سینکڑوں امور ایسے انجام دے رہے ہیں جن کی دلیل اللہ کے قرآن سے ملتی ہے نہ ہی سنت واحادیث مبارکہ میں ان کا ثبوت ملتا ہے کچھ مولوی حضرات نے اپنے ذاتی قیاسات کی بنا پر شکم پروری کے لیے خود ساختہ دلائل گھڑ رکھے ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں ان باتوں کا ثبوت ملتا ہے لوگوں کی کم علمی اور جہالت کا خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں کیا دین کے نام پر اپنائی جانے والی یہ بدعات دین میں اضافہ نہیں اگر نہیں ہیں تو قرآن وحدیث سے ان کا ثبوت پیش کیا جائے وگرنہ ان سے پوری طرح اجتناب کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ بات کسی مسلمان کے شایان شان نہیں کہ وہ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتا ہو اور پھر اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری بھی نہ کرتا ہو اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی بجائے اوروں کی راہوں پر چلتا ہو اس کی سنت سے محبت کی بجائے نفرت کرتا ہو۔

جیسے بعض متعصب قسم کے جاہل لوگ اگر کسی کو رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھتا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں یہ کیا مکھیاں اڑا رہے ہو کوئی کہتا ہے کان جھاڑ رہے ہو کوئی کہتا ہے، تم اڑنے لگے ہو الغرض جی بھر کر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے ہیں اور دعویٰ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

سنت کا مذاق اڑاتے ہیں اور بدعات پر عمل پیرا ہونے میں فخر وخوشی محسوس کرتے ہیں اور بدعات کا ارتکاب نہ کرنے والے مواحد مسلمانوں پر طعن کرتے ہوئے ان پر گستاخ و بے ادب ہونے کے فتوے لگاتے ہیں یہ سب کچھ کرنے کے باوجود اللہ سے نہیں ڈرتے کچھ کہتے ہیں کہ چار امام برحق ہیں اور عوام پر ان کی تقلید کرنا واجب ہے۔ ان چاروں حضرات کا ہم ادب واحترام کرتے ہیں لیکن ان کے درجہ امامت پر فائز ہونے اور عوام پر ان کی تقلید کے واجب ہونے کی کوئی دلیل قرآن وحدیث سے نہیں ملتی ہے قرآن وحدیث ہی اصل دین اور دین کا منبع ہیں جب قرآن وحدیث سے ہم کسی بات کو پالیں تو پھر کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی اور جب قرآن وحدیث میں ہمیں کسی بات کا ثبوت نہیں ملتا تو پھر اسے تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش ہمارے پاس نہیں اس لیے کہ ہم شریعت کے تابعدار ہیں شریعت ساز نہیں ہیں ان تمام بدعات کے ترک کر دینے ہی سے اسلام کی وہ اصلی شکل بحال ہو سکے گی جو اس کی

دور رسالت ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے دور میں تھی اسی نیک خواہش کو سینے میں رکھ کر میں نے یہ کتاب مرتب کی ہے تاکہ میرے بھولے بھالے مسلمان بھائی جو قلت تدبر کی وجہ سے قرآن وسنت سے دور اور بدعات میں گُم ہو کر سنت کو بھول چکے ہیں۔ ان کو قرآن وسنت کے نصوص صریحہ دلائل پیش کر کے سنت نبوی ﷺ پر چلانا مقصود ہے ہمارا کسی پر زور نہیں مگر دعوت قرآن وسنت دینا ہر مسلمان کا حق ہے میں نے اس دعوت توحید وسنت کو اپنے فہم کے مطابق پیش کر دیا ہے اور توحید وسنت کا آئینہ دکھا دیا ہے تمام مسلمان بھائی ضد وتعصب کو چھوڑ کر خالی ذہن کر کے فہم قرآن سنت کے لیے اپنے دماغ میں جگہ بنائیں آخر میں یہی دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ میں نے مسائل کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کی ہے جو اپنے نفس کی کما حقہ قدر کرتا ہے وہ اللہ کو اپنا رب مانتا ہے اور اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا نبی اور رسول تسلیم کرتا ہے۔

اے اللہ تو گواہ ہو رہنا۔

اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت دے، ہم سے اور ان سے مصائب ومشکلات دور فرمائے ہم سب کو مکار و چالبازوں کے شر سے محفوظ فرمائے اور ہمیں اپنے سامنے پیش ہونے تک اسلام پر ثابت قدم رکھے مجھے قول وعمل میں اخلاق میں درستی سے نوازے میرے والدین بیوی بچوں اور میرے مشائخ اور مسلک حق کے غیور دوستوں کو معاف فرمائے تمام زندہ اور فوت شدہ مسلمانوں کی بخشش فرمائے۔

ہمارے سچے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے سچی محبت نصیب فرمائے۔ اور جنت میں بھی آپ ﷺ کا ساتھ نصیب فرمائے۔ تمام مسلمانوں کو نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلائے مکمل دین پر مکمل یقین نصیب فرمائے۔

آمین ثم آمین یارب العالمین

مسلمانوں کے کمزور عقائد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کیا خوب کہا!

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
کرے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ھرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

(ضرب کلیم ص ۵۸)

العبد ابو حذیفہ محمد جاوید سلفی
مدرس مدرسہ تجوید القرآن والحدیث چوک برف خانہ گوالمنڈی لاہور
خطیب جامع مسجد عبدالکریم اہل حدیث سبزمنڈی بادامی باغ لاہور

آئینہ

توحید و سُنّت

بجواب

شرک کیا ہے مع بِدعت کی حقیقت

